www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"موت... مجھے تمہارے قریب لے آئی ہے... ڈیتھ!"

کسی بھی ایک موت کا ایک مخصوص طے شدہ ماحول ہوتا ہے.. عمر رسیدہ' کچی' ناگہانی' حادثاتی' بے وجہ... کسی بھی موت کا... زمین کی پہلی موت پر جب کوّے اترے تھے' چونچ سے مٹی کھود کر تدفین کی بجھارت سلجھاتے تھے' تب سے اب تک لمحہ موجود کی آخری موت تک.. وہی ایک مخصوص طے شدہ ماحول ہوتا ہے..

بُو ہوتی ہے۔

اگر یہ موت ایک چاردیواری' ایک کمرے کے اندر' ایک چارپائی پر ہوتی ہے جس کا بان درمیان میں سے ڈھیلا پڑ چکا ہوتا ہے اور بوجھ کو ظاہر کرتا ہے کہ مرگ وزن بڑھا دیتی ہے بے جان بدن کو بھاری کر دیتی ہے اور اسے کندھا دینے والے ہمیشہ محسوس کرتے ہیں کہ جب وہ سانس لیتا تھا تو اتنا بھاری ہرگز نہ تھا.. تو اس ایک کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی ایک ٹھنڈی' نتھنے جس سے آشنا نہیں ہوتے' ایک ناگوار بُو ہوتی ہے' جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ بدن کتنی دیر پہلے ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہوا تھا۔ بھاری ہو گیا تھا.. مرنے والے کے آخری سانسوں کی' اس کے اعضاء کی گرفت ڈھیلی اور بے جان ہونے پر اس کے اندر جو کچھ تھا' اس کے بے اختیار خارج ہونے پر.. گلے میں بجنے والے آخری گھنگھرو کی صدائیں معلق.. اور بُو ہوتی ہے جو کمرے کی ہر ذرّے پر حاوی ہو چکی ہوتی ہے...

اور بُو کے سوا بین ہوتے ہیں..

نہیم سرونوں' سرکنڈوں' کاہاں' سر' کوندرے' لائی اور لہنا کے بوٹوں اور جھاڑیوں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



میں سے راستہ بناتا... اور سرونوں پر اب پچھلے جنم کے سائے جھومر نہ ڈالتے تھے' سویر کی دھند میں گھلی ہلکی روشنی تھی.. ملا حاہاں نہ بیڑی تھیل ساڈھے یار و نجناں... گنگناتا... آخری ناشتے... آخری پراٹھے اور غروب کی زردی والے دیسی انڈوں کی زردی کو سنبھالتا اترتا ہے' سرونوں کے گھنے وجود میں سے نکل کر ریتلے کنارے پر اترتا ہے اور ریت پر اوس کی ٹھنڈک اور جماؤ ہے جس پر پاؤں رکھتا وہ سندھ سائیں کے پانیوں میں ٹھہری کشتی کی جانب چلتا جاتا ہے... اور اپنے گھر واپسی کی مسرت میں دمکتا گنگناتا آتا ہے کہ آج پانی کی قید کا آخری دن تھا... آخری ناشتہ تھا..

صاحب 'رات کشتی میں ہی رہ گیا تھا..

ان سے جدا ہو کر ادھر آیا تھا اور ادھر ہی رہ گیا تھا..

سویرے' ناشتے کے لیے وہ سرونوں کے ذخیرے کے درمیان پوشیدہ اس آخری پڑاؤ میں واپس نہیں آیا تھا' جہاں پچھلی شب آگ کی سرخ توانائی کی بھڑکتی' لپکتی اور پھر ٹھنڈی ہوتی زبانوں کے گرد وہ تینوں جھومر ڈالتے تھے.. اسی لیے وہ صاحب کا ناشتہ لے کر ادھر آ رہا تھا..

ابھی ہلکی دھند تھی جو پانیوں پر تیرتی تھی..

جیسے تخلیق کے پہلے دن تیرتی تھی.. لیکن ابھی یہ حکم نہیں اترا تھا کہ روشنی ہو جا... صرف طلوع کا مٹیالا سونا تھا' جو سندھ سائیں کی آبی چادر پر بچھا ہوا دکھائی دیتا تھا' جس کے کنارے وہ کشتی فہیم کے آخری ناشتے کی ٹرے کے قریب آتی جاتی تھی' جس کے اندر صاحب ابھی تک سوتا تھا...

کشتی کے تختوں پر جو گل بوٹے نقش تھے' وہ بھی ہلکی دُھند میں دُھندلاتے تھے پر آہستہ آہستہ قربت میں آنے پر دکھائی دیتے جاتے تھے..

فہیم نے چھابے میں دھرے پراٹھے کو اپنی پوروں سے چھوا... ابھی تک گرم تھا' انڈے کی زردی میں بھی ایک نامعلوم سی حدت قائم تھی اور پھر اپنا گنگنانا موقوف کر کے کشتی کے اندر جھانکا...

"ناشتہ کریں گے سائیں.."

سائیں... اپنے سلیپنگ بیگ میں منہ کھولے... بے سُدھ پڑا تھا..



بارہ کہو کے مسمار شدہ کھنڈر میں ملبے تلے دبے ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی چلی جاتی تھی..

"خاور... کیا یہ آپ ہیں؟"

سائیں جاگتا نہ تھا... اور فہیم آوازیں دیتا تھا کہ صاحب.. ناشتہ تیار ہے..

صاحب' منہ کھولے اپنے سلیپنگ بیگ میں بے سُدھ سوتا تھا.. اور اس کے چہرے پر ایک مکھی تھی' جو بار بار بیٹھتی تھی... کچھ دیر بیٹھتی تھی.. اور پھر بھنبھناکر اڑتی اور پھر بیٹھ جاتی تھی..

یہ کسی بھی موت کا... سب سے پہلی یا آخری.. موت کا ماحول تھا یا نہیں... صرف وہ ایک مکھی جانتی تھی جو سائیں کے ادھ کھلے منہ کے ہونٹوں پر... کبھی ماتھے پر اور کبھی بالوں پر بیٹھتی تھی اور پھر بھنبھناکر اڑ جاتی تھی اور پھر آ بیٹھتی تھی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اس نے اسوا پر سوار اونچی ناک والے آریاؤں کی نظروں سے بچ کر ادھر سندھ ساگر کے کناروں پر تین ہزار برس گزار دیے تھے..

اس کا چہرہ مہرہ دراوڑی تھا.. چوڑا جنوروں ایسا جبڑا... بڑے نتھنوں والی پھیلی ہوئی ناک۔ سیاہی میں سلگتی سیاہ لشکیلی آنکھیں اور اٹھی ہوئی لچکدار چھاتیاں جن پر.... اگر وہ سندھ میں ڈبکی لگا کر ابھرتی تھی تو ان پر پانی زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے تھے..

وہ اپنا میلا کچیلا جھگا گریبان میں اڑسے اپنے بچے کے منہ میں ایک تنی ہوئی چھاتی دیئے اسے دودھ پلا رہی تھی.. اور بار بار اپنے بُتنے کو آگے کرتی تھی تاکہ دباؤ سے دودھ بڑھے.. اور بچے کی چپٹی ناک اس کے زور سے مزید چوڑی ہوتی تھی اور اس کا دم گھٹتا تھا.. اور وہ ایسے اطمینان سے اور لاپروائی سے دودھ پلاتی تھی' جیسے کوڑے کے ڈھیر پر دراز ٹانگیں پھیلائے ایک کُتیا اپنے پلّے کے ہونٹوں کو اپنے تھن پر پچکتے اور اس کے اندر سے ماں جائی کا رس چوستے ہوئے... نہایت اطمینان اور کسی شرم کے بغیر لیٹی رہتی ہے..

وہ اپنے سیاہ لوتھڑے کو دودھ پلانے میں مگن تھی جب وہ دونوں سندھ ساگر کے کنارے ڈولتی اس کشتی کے قریب آئے' جس میں وہ بار بار آگے ہو کر بچے کے منہ میں دباؤ بڑھاتی تھی..

"سائیں اس کشتی میں اتریں گے.." سرور کے سیاہ ماتھے پر پسینہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

دودھ پلاتی سیاہ فام عورت کے سوا ایک سات آٹھ برس کی اُسی کی نسل کی ایک بُھورے بدرنگ بالوں والی نہایت غلیظ ننھی سی بچی تھی' جو کشتی کے فرش پر رکھے مٹی کے چولہے پر چڑھی ہنڈیا میں بے دلی سے ڈوئی ہلاتی تھی... سرور نے جب یہ کہا کہ سائیں اس



کشتی میں اتریں گے تو اس نے ان بدیشیوں پر اپنی جنوروں ایسی کالی بھور آنکھیں پل بھر کے لیے اٹھا کر مرکوز کیں اور پھر ان کی موجودگی سے غافل ہو کر ڈوئی چلانے لگی۔

یہ کشتی... ایک کُٹیا تھی..

پانیوں کے جنگل میں ایک بسیرا تھا.. اس کے اندر تام چینی کے پچکے ہوئے دھوئیں کی سیاہی میں پوچے ہوئے برتن تھے.. میلے کچیلے بستر' گھی کے خالی ٹین' کچھ اُپلے اور ایک کونے میں ڈھیر ایک جال تھا.. اور عورت کے کچے دودھ کی مہک تھی..

"سرور..." عباس برمانی نے دھیمے غصے میں اس کا نام لیا.. وہ دھیمے مزاج کا دھیمی بات کرنے والا شخص تھا اور اپنی آواز کو بلند کرنے پر قادر نہ تھا..

سرور اس سائیں کے دھیمے پن سے آشنا تھا اس لیے فوراً چوکنا ہو گیا..

"ابھی خالی ہو جاتی ہے سائیں... اوئے پکھیے.." اس نے دودھ پلاتی عورت کو ایک للکارا مارا...

عورت نے اس للکار کا کوئی اثر نہ لیا.. آنکھ اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون ہے... صرف اپنا میلا کچیلا جھگا جو گریبان میں اڑسا ہوا تھا' نیچے کر لیا تاکہ اس کی چھاتی اور اس پر بیتابی سے منہ مارتا بچہ زیادہ دکھائی نہ دے' اسے ان غیروں کی نظر نہ لگے.. یہ اونچی ناک والے جدھر دیکھتے تھے... ہڑپہ یا موہنجو کو جدھر دیکھتے تھے اسے کھنڈر کر دیتے تھے.. ان کی نظر بد سے اگر وہ آج تک بچتی آئی تھی تو آج بھی بچ جائے..

"یہ تو ابھی خالی کھڑی ہو جاتی ہے سائیں.." سرور اس عورت کی بے اعتنائی سے بہت واقف تھا اور شرمندگی کا پسینہ اگرچہ اس کے ماتھے پر دھوپ کی حدت سے ٹل کر پھوٹتا جاتا تھا' لیکن دکھائی نہ دیتا تھا..

غازی گھاٹ کے ناقص اور دراڑوں سے بھرے ڈولتے پل کے نیچے... سندھ ساگر کے بائیں کنارے پر مہانوں کی تین کشتیاں.. تین کٹیائیں.. تین بسیرے.. ہولے ہولے ڈولتے تھے اور ان کے قریب ریت پر کڑی دھوپ میں سرکنڈوں کے چند چھپر تھے' جن کے سائے میں سرور اور پکھی کی نسل کے مہانے... بوڑھے' بچے اور عورتیں... کانہاں کی شاخوں سے ٹوکرے بنتے تھے اور لائی کی لکڑی سے پنکھیوں کی ڈنڈیاں تراشتے تھے اور پسینے میں نہاتے تھے اور ان کے سیاہ بدنوں پر جو دھاریں بہتی تھیں' وہ نظر نہ آتی تھیں اور فوراً

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



خشک ہو جاتی تھیں۔

اُن سب نے.. جو چھپروں کے سائے میں سر جھکائے بیٹھے تھے اُن دونوں کی آمد میں کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی.. ایک بار توجہ کی کہ غازی گھاٹ پل سے اُتر کر کون آیا ہے اور پھر سر جھکا کر سندھ ساگر کے بیلوں میں سدا سے اگنے والے سرکنڈوں... لائی اور کانبھاں کے سرکنڈوں سے.. تب سے اگنے والے جب اونچی ناک والوں نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا.. ان سے ٹوکرے باندھنے اور پنکھیوں کی ڈنڈیاں بنانے اور تراشنے میں محو ہو گئے..

اگرچہ ابھی سردرُتیں رخصت نہ ہوئی تھیں لیکن دوپہر کی شدت پانیوں کی نزدیکی کے باوجود کم نہ ہوتی تھی... بلکہ پانی دھوپ کو دوچند کر کے چہروں کو چندھیاتے تھے..

ادھر نیچے سندھ ساگر کی قربت میں مہانوں کی کشتیاں.. تین کشتیاں ڈولتی تھیں..

بر مانی سامان کو ترتیب دینے کے لیے اوپر بند پر جا چکا تھا۔

اور اوپر... غازی گھاٹ کے مخدوش پل کے داخلے پر... ملتان سے مظفر گڑھ کے راستے پر.. مسافر بسوں' ویگنوں' ٹریکٹر ٹرالیوں اور پرائیویٹ کاروں کی ایک لمبی... بے چین اکتائی ہوئی ایک کسمساتی ہوئی قطار تھی' جو مخالف سمت سے آنے والی ٹریفک کے خاتمے کی منتظر تھی.. بار بار انجن سٹارٹ ہوتے تھے اور پھر لاچارگی سے بند ہو جاتے تھے... اور ہارن بے وجہ اور مسلسل بجتے چلے جاتے تھے.. دوسری جانب سے آنے والی ٹریفک کا بہاؤ کم ہی نہ ہوتا تھا.. وہ آخری ویگن یا ٹریکٹر ٹرالی آتی ہی نہ تھی' جس کے بعد وہ اپنی سواری کو حرکت میں لا کر پُل پر ڈال سکتے تھے۔

پُل کی تعمیر کو اگرچہ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن وہ اب دوطرفہ ٹریفک کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں تھا..

گنڈیریاں بیچنے والے.. مقامی کھویا اور نمکین دالیں فروخت کرنے والے بچے اس رکے ہوئے ٹریفک کے اژدہام میں سے اپنی روزی کشید کرتے تھے..

اوپر... شوروغل کی یہی کیفیت مسلسل تھی..

اور ادھر نیچے...

پُل کے آہنی ڈولتے ہوئے وجود کے عین نیچے.. مہانوں کی یہ چھپر بستی



تھی.. سندھ ساگر کے کنارے.. ان کے گھر.. ان کی تین کشتیاں تھیں.. ہزاروں برس پیشتر جانے وہ کس سرسوتی کے کناروں پر آباد تھے جس کے سوکھنے پر... وہ ادھر آ نکلے تھے.. اونچی ناک والوں کی نظر بد سے بچ کر.. اور زمین کو تیاگ کر پانی کو گھر بنا لیا تھا..

اور ان ڈولتی کشتیوں میں سے ایک ایسی تھی جس کے اندر... اپنا جھگا نیچے کیے اپنے بچے کو چھپائے دودھ پلاتی ایک عورت تھی' ایک ہانڈی میں بے دلی سے ڈوئی چلاتی بچی تھی اور ان دونوں کو اب صرف اس کے لیے.. ایک اونچی ناک والے کے لیے... اس گھر سے بے گھر ہونا تھا.. صرف اس کے دھن کے لیے.. اپنا بوریا بستر سمیٹنا تھا.. چولہا بجھانا تھا. چپکے ہوئے تام چینی اور سلور کے دھواں لگے برتن اٹھانے تھے.. اور اُسے چھاتیوں میں سے بہتے بچے دودھ کی مہک سے خالی کر دینا تھا.. صرف دھن کی خاطر... کنارے کے کسی چھپر میں جا رہنا تھا اور تب تک رہنا تھا جب تک یہ غیر لوگ کشتی میں گھوم پھر کے پرندے مار کر واپس نہیں آ جاتے.. سندھ ساگر میں کیا تھا جو یہ لوگ اپنے شہر چھوڑ کر ادھر آ جاتے تھے.. ہمیشہ کلیجہ دھڑکتا تھا کہ یہ کشتی لے کر جائیں گے اور پھر کبھی نہیں لوٹیں گے.. زور زبردستی سے اس پر اپنا حق جتائیں گے.. اس میں آباد ہو جائیں گے.. اونچی ناک والوں کو دیکھ کر اسی لیے ہمیشہ کلیجہ دھڑکتا تھا.

بہت بعد میں.. جب وہ اس کشتی میں کئی روز پانیوں پر سفر کر چکا تھا.. آج کی اس عورت کی دودھ پلاتی اٹھی ہوئی چھاتیوں کو بھول چکا تھا.. اس گدلے پانیوں ایسے بالوں والی بچی کے آگے چولہے پر دھری ہانڈی اور اس میں چلتی ہوئی ڈوئی کو یکسر فراموش کر چکا تھا.. اور اس کشتی کے سوا اپنے وہ سب گھر' جن میں اس نے زندگی بتائی تھی' وہ فلیٹ وہ کمرے وہ سب چھتیں اس کی یاد سے محو ہو چکی تھیں جن میں اس نے یہ ساٹھ برس بسر کیے تھے۔ ان گھروں اور کمروں میں اس کی ماں تھی اسے گرائپ واٹر پلاتی ہوئی... شانے سے لگا کے اس کی ننھی سی پیٹھ تھپکتی ہوئی تاکہ وہ دودھ ہضم کر کے ڈکار لے.. بہن بھائی تھے.. اور آوارہ گرد باپ تھا جو یکدم کسی بھی صبح اپنے بستر پر نہ ہوتا' کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر غائب ہو جاتا.. مہینوں اس کی خبر نہ ملتی.. ایک بار وہ پورے تین برس تک لاپتہ رہا.. واپس وہ بہرحال آ جاتا تھا اور جب واپس آتا تو اس کی داڑھی بڑھی ہوئی ہوتی' لاغر اور لاچار ہوتا' عجیب لباسوں میں ہوتا اور کبھی نہ بتاتا کہ وہ کہاں تھا' کدھر تھا اور کیوں تھا.. بس کسی ایک شام وہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



دروازے پر دستک دیتا... بچوں کو ایک نظر دیکھتا' جو اس کی غیر موجودگی میں بڑے ہو چکے ہوتے اور پھر ماں سے کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں جا کر سو جاتا.. دو تین روز بعد کسی صبح بیدار ہو کر کمرے سے باہر آتا اور صرف یہ کہتا "آج ناشتے کے لیے کیا ہے؟" اور پھر ویسا ہی گھریلو اور پُرشفقت ہو جاتا جیسا کہ وہ گم ہونے سے پیشتر ہوا کرتا تھا... ماں بڑے اہتمام سے اس کی غیر موجودگی کے دنوں میں اس کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کرتی اور بستر کی چادر تبدیل کر دیتی... اور ان کمروں اور چار دیواریوں میں کچھ محبتیں تھیں' بہت ساری اذیتیں تھی' شرمندگی تھی.. اس کی بیوی تھی.. اور اولاد تھی.. لیکن وہ ان سب کو پانیوں کے طویل سفر کے دوران بھول چکا تھا اور اس کے لیے گھر صرف ایک کشتی تھی جس میں ابھی ایک دودھ پلاتی عورت اور ہانڈی میں ڈوئی چلاتی بچی تھی..

جب وہ سدا سے اس کشتی میں تھا.. ہمیشہ سے پانیوں پر بسیرا کرتا تھا.. سب کچھ بھول چکا تھا سوائے اپنے ساٹھ برسوں کے تب ایک روز اس نے دیکھا کہ سرور اگرچہ اس کشتی کو اپنے اسباب اور بوریا بستر سے خالی کر چکا تھا لیکن ایک زنگ آلود کیل سے ننگا نیلے پلاسٹک میں جڑا ایک آئینہ رہ گیا تھا.. اس کے ساتھ شاپر بیگ کی ایک پوٹلی بھی رہ گئی تھی جس میں تبت سنو کی ایک تقریباً خالی شیشی' ایک شکستہ دندانوں والی کنگھی اور نیلے رنگ کی ہی ایک سستی لپ سٹک کا ٹکڑا رہ گیا تھا.. یہ جانے کس کا سامان آرائش تھا.. پکھی کا نہیں کہ وہ ان کے ہمراہ سفر کرتی تھی.. شاید یہ ڈوئی چلاتی بچی کی سب سے قیمتی متاع تھی.. کیل سے ٹنگے اس بجھے ہوئے آئینے نے اسے سحر سے بھرے بہت سے آبی منظر دکھائے... وہیں کشتی کے فرش پر لیٹے ہوئے' اسے دریا تو نظر نہ آتا لیکن سرور کے میلے گدّوں پر لیٹے ہوئے جب اس کی نظر اس آئینے پر جا ٹھہرتی تو ایک خاص زاویے سے اس میں سندھ ساگر کا ایک حصہ بہتا ہوا دکھائی دینے لگتا.. جیسے ایک پوسٹ کارڈ کے سائز کی ٹیلی ویژن سکرین پر کوئی دریائی منظر چل رہا ہو... لیکن یہ بہت دن بعد کی بات تھی.. اور ابھی سرور نے پھر ان کو تسلی دی تھی کہ کشتی ابھی خالی ہوئی کھڑی ہے سائیں اور "اوئے پکھیئے.." ذرا غصے میں آ کر کہا تھا.. عورت نے ناگواری سے بچے کا دودھ چھڑایا' جھگا درست کیا لیکن اٹھی نہیں وہیں گوٹھ مارے بیٹھی رہی...

سرور نے ایک بار پھر سے پکھی کو جھڑکا اور پھر ان سے اجازت لے کر پل کے



پہلو میں پتھروں کے اونچے بند پر ڈھیر اس کا سامان نیچے لانے کے لیے آہستہ آہستہ بند پر چڑھنے لگا۔

سرور گیا تو کشتی میں گوٹھ مارے بیٹھی عورت جو اب بچے کے پیٹ پر تھپکیاں دے رہی تھی' ڈوئی چلاتی بچی... اور چھپروں تلے پنکھیوں کی ڈنڈیاں تراشتے اور ٹوکرے بناتے بوڑھے بچے اور عورتیں اسے سیاہ آنکھوں کے جال میں جکڑنے لگے۔ اپنا کام کاج چھوڑ کر صرف اسے دیکھنے لگے' جیسے وہ صرف سرور کی موجودگی سے ہچکچا رہے تھے اور اب ایک غیر وجود کی دخل اندازی کو ناپسندیدگی سے گھورتے تھے..

دوپہر بہت کڑی اور تیز تھی..

اور سندھ ساگر کے ریتلے کنارے پر وہ مزید کڑی اور تیز ہوتی تھی۔

حلق سوکھتا تھا۔

اس نے ماتھے پر سیلوٹ کے انداز میں ہتھیلی رکھی تو اس کے سائے میں آ کر آنکھوں کو تیز دھوپ سے سکون ملا اور وہ اوپر دیکھنے لگا جدھر سرور گیا تھا۔ وہ بند کے اوپر پہنچ کر جانے کیا کر رہا تھا' سامان باندھ رہا تھا نیچے لانے کے لیے یا دم لینے کی خاطر کیکروں کے سائے تلے سستا رہا تھا.. یہاں سے کچھ واضح نہیں ہو رہا تھا..

وہ اب بھی اس سفر کو ترک کر سکتا تھا.. اس کا جواز کچھ بھی نہ تھا... عمر اور محبت سے فرار ہونا تو کوئی جواز نہیں۔

یہ سفر اب بھی منسوخ کیا جا سکتا تھا..

اوپر بند پر پہنچ کر وہ برمانی کو کہہ سکتا تھا کہ ڈاکٹر.... نہیں!

لیکن یہ روانگی سفر کا پہلا خوف پہلا وسوسہ تھا جسے اس نے دبا دیا.. اب تو کنڈی پانی میں ڈال دی گئی تھی بھلے اس کے ساتھ کوئی مچھلی لگے نہ لگے.. اب اسے ترک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سندھ ساگر کے پانی بہت معمولی اور گدلے.. ان میں کوئی خاصیت نہ تھی.. دور تک بہتے جاتے تھے. یہی پانی وادیٔ چپلو کے راستے میں اتر کر دریائے شیوک میں مدغم ہوتے تھے.. اگرچہ اس مقام پر شیوک کا وجود اس سے کہیں بڑا اور چوڑے پاٹ کا تھا لیکن ان دونوں کے ملاپ کے بعد... شاید اس میں نصیب کا عمل دخل تھا کہ اسے شیوک کی بجائے سندھ کا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نام ملا... گول کے قصبے سے گزر کر وہ سکردو کی عظیم وسعت میں پھیلاؤ کا ایک ایسا منظر تخلیق کرتا تھا جو دیکھنے والوں کو حیران کرتا تھا.. وادیٔ شگر سے آنے والے شاہ گوری کی برفوں والے دریا برالڈو کے پانی بھی اب اس میں شریک تھے.. سکردو سے آگے وہ تنگ درّوں اور اونچی چٹانوں میں گھر کر چنگھاڑتا اور وحشی ہوتا تھا.. اپنے وجود میں گرنے والی چٹانوں کو لمحوں میں پیس کر ریت بنا دیتا تھا.. بشام میں اس کی سلیٹی چادر کروٹیں بدلتی تھی.. اس کی پھنکار مدھم پڑتی جاتی تھی کہ اب روانی کے دن قریب آتے تھے... پہاڑوں کے شکنجے سے نکل کر اب بہاؤ میدانوں کی جانب تھا لیکن ایک فرق کے ساتھ... وہاں یہ صرف ایک دریا تھا اور یہاں غازی گھاٹ کے پل کے نیچے وہ ایک تہذیب تھا.. وہاں اس کے کناروں پر جو لوگ رہتے تھے' تو اس کے پانیوں سے کہیں بلند اپنے کوہستانی گھروں میں رہتے تھے.. اس سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتے تھے.. ان کا آپس میں کوئی میل نہ تھا.. وہ کہیں نیچے تھا اور وہ کہیں بہت اوپر... لیکن یہاں وہ دونوں ایک دوسرے میں رہتے تھے.. یہاں وہ اس کے پانیوں میں رہتے تھے اور ان میں بسیرا کرتے تھے.. یہ رزق تھا' جواز تھا اور وجود تھا.. یہاں پہنچ کر سندھ معتبر ہو گیا تھا..

اس نے آنکھوں کے آگے ہتھیلی کے چھجے کو ذرا اوپر کیا اور بند کے پتھروں کی جانب وہاں دیکھا جہاں سرور شائد کیکروں کے سائے میں سو رہا تھا اور برمانی سامان کو ترتیب دے رہا تھا..

گردن گھما کر اس نے اُدھر دیکھا جدھر "انڈس کوئین" تھی..

اس کشتی بستی اور تیز دھوپ میں تقریباً سلگتے سکوت میں آئے سرکنڈوں کے چھپروں سے پرے... سندھ کے ریتلے کنارے سے پرے' جہاں سے ہریاول اور کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا وہاں.. ان کھیتوں میں "انڈس کوئین" تھی..

ابھی جب وہ ایک کھڑکھڑاتی اپنے اور مسافروں کے انجر پنجر جھنجھوڑتی ٹویوٹا ہائی لیکس میں اس آبی سفر کے سامان لادے برمانی کے ہمراہ چوئی زیریں سے آغاز کر کے اوپر غازی گھاٹ کے پل پر اترا تھا' اپنے آپ کو مسافت کے جھولنے سے جھٹک کر قائم کیا تھا اور چہرے پر سے گرد پونچھی تھی تو پل پر سے اس نے نیچے کشتی بستی اور چھپروں اور مُہانوں کے ننگ دھڑنگ سیاہ بچوں کو اس نے بعد میں دیکھا تھا.. اس کی نگاہ سیدھی "انڈس کوئین" پر جا ٹھہری



تھی.. اس نے خیال کیا کہ ادھر سائیں انڈس کی کوئی شاخ نکلتی ہے... بہاؤ سے جدا ہو کر الگ ہوتی ہے جس میں یہ پرانی وضع کا سٹیم شپ مسافروں کی آمد کا منتظر لنگر انداز ہے اور عین ممکن ہے کہ جتنی دیر میں وہ ٹویوٹا سے سامان اتروا کر پل سے نیچے اترے وہ اپنا بھونپو بجا کر دھواں چھوڑتی سندھ میں داخل ہو کر رواں ہو جائے.. وہ دریائے مسس پی میں چلنے والے کسی قدیم سٹیم شپ کی کوئی عزیزہ تھی جو بھٹکتی ہوئی ادھر آ نکلی تھی.. اپنے کسی مارک ٹوین کے ساتھ.. سونے کی تلاش میں سرگرداں ایک کاؤبوائے' غلاموں کے کسی سوداگر اور دربدر ہونے والے ایک ٹریپ ایک آوارہ گرد کے ساتھ...

لیکن وہ... دریائے مسس پی میں چلنے والے بھونپو بجاتے' سفید دھواں چھوڑتے کسی سٹیم شپ کی عزیزہ نہ تھی..

اور انڈس کی کسی ذیلی شاخ میں لنگر انداز نہ تھی۔

وہ خشکی پر ویران پڑی تھی... اس کے پانیوں کے سفر کے دن پورے ہو چکے تھے..

زنگ آلود شکستگی سے دوچار ڈھانچہ سندھ کے پانیوں سے دور ہرے بھرے کھیتوں میں جلاوطن تھا.. اس کا وسیع اور بھاری وجود موسموں اور مدتوں سے اپنا توازن ڈانواں ڈول کر چکا تھا اور وہ سندھ کی جانب ہلکے جھکاؤ میں تھی جیسے ان کی آرزو میں ایسی ہو گئی ہو.. اور یہی جھکاؤ اس کے بے جان ہونے کی دلیل تھا۔

وہ تنہا کھڑی تھی.. سندھ کے پانیوں پر حکمرانی کرنے والی اجڑ چکی ملکہ...

جیسے ایک سفید وہیل سمندر کے زور آور پانیوں کے ریلے میں بے اختیار بہتی ہوئی کنارے سے دور ریت پر رہ جاتی ہے اور پانی سمٹتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں' اسے تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ تڑپتی ہے.. کھسکتی ہے.. گلپھڑے پھلا پھلا کر دُم پٹختے ہوئے سعی کرتی ہے کہ اپنے پانیوں میں واپس چلی جائے.. اور بالآخر بے جان ہو جاتی ہے۔

"انڈس کوئین" بھی جانے کن زمانوں میں اپنے پانیوں سے بچھڑی تھی اور اب مدت سے بے جان پڑی تھی.. ایک ڈھانچہ ہو چکی تھی.. اب اگر وہ پانی کسی طور اس تک پہنچ بھی جائیں' اس کے آہنی وجود کو بھگو بھی دیں تب بھی اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان پر تیرتی ہوئی سندھ کے بہاؤ میں جا شامل ہو... وہ ہمیشہ کے لیے کھنڈر ہو چکی تھی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اس ویراوڑ مہاندرے کی عورت پکھتی ہے.. بچی کی ہانڈی میں مسلسل چلتی ڈوئی سے.. اور چھپروں تلے گھومتی مرغیوں اور ٹوکرے باندھتے ڈنڈیاں تراشتے لوگوں سے.. وُہ شرمندگی کی نظریں بچائے.. کہ ان سب کے چہروں پر اس کے لیے ناپسندیدگی کے سوا کچھ نہ تھا.. وہ ان سے پرے ہوا.. اور وُہ یہاں بے مقصد کھڑا کرتا بھی کیا.. اس نے ان سے منہ موڑا اور چلنے لگا.. ریت جو بہت لُوستی گرم تھی اس میں سے پاؤں مشکل سے کھینچتا... پسینہ پونچھتا اس مردہ وہیل کی جانب چلنے لگا... سرورا ابھی تک اوپر تھا' سامان باندھتا یا سوتا تھا.. وہ اس ڈھانچے کو ایک نظر دیکھنے کے لیے گرم ریت پر چلنے لگا.. اس کے قریب ہوتا گیا.. اور قریب ہوا تو وہ زنگ آلود ہواؤں اور موسموں کا کھایا ہوا وجود جو دُور سے ایک معمولی دو خانی جہاز لگتا تھا کھیتوں میں پھنسا ہوا تو وہ ایک ٹائی ٹینک کا حجم اختیار کرتا گیا... پانی کی گہرائی میں ڈوبنے کی بجائے خشکی پر غرق شدہ.. کھنڈر ہوتا.. کھیتوں کے بیچ وہ ایک آہنی کرسمس کیک کی طرح پڑا تھا.. جس کی چادر پچکی ہوئی تھی اور سفید پینٹ کی پپڑیاں اتر رہی تھیں..

اس کے دامن میں کھڑے ہو کر اوپر دیکھنے سے اس کے وجود کا بے پناہ ابھار گرتا ہوا محسوس ہوتا تھا.. ترچھا ہو کر جھکا ہوا جیسے برسوں کی تپسیا کے بعد ایک نیم جان جوگی پہلو بدلتا ہے تو توازن قائم نہیں رکھتا ضعف سے ایک جانب جھک جاتا ہے۔

ایک آہنی اور سالخوردہ زینہ اوپر عرشے کے ساتھ جڑا ہوا تھا..

زینے کا سہارا لرزش میں تھا' راؤ جیسے تھامتا وہ اوپر جاتا تھا دھوپ کی حدت جذب کیے اس کی مٹھی میں چھالے ڈالتا تھا.. وہ آہستہ آہستہ بلند ہو کر عرشے پر آگیا...

جیسے میکسیکو کے قدیم انکا اہرام میں کوئی ماہر آثار قدیمہ کھوج لگاتا پہلی بار داخل ہو.. باہر رہ گئے استوائی جنگلوں کے بعد پہلا سانس اس ہوا میں لے جو ہزاروں برسوں سے ٹھہری ہوئی ہو.. اور اس میں تادم ہنوز ان تمام لوگوں کے سانس ابھی تک موجود اور محفوظ ہوں.. پجاریوں اور غلاموں کے سانس جو یہاں اپنے سونے کے دیوتاؤں کے سامنے جھک کر اس زیر زمین تاریک دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں.. وہاں ظروف ہوں سونے کے اور نقاب ہوں بادشاہوں اور ملکاؤں کے.. جو اندھیرے میں بھی لو دیتے ہوں.. تو وہ شخص جھجک جاتا ہے.. کہ میں مخل ہوا ہوں' مجھے ہزاروں برس کا یہ سکوت نہیں توڑنا چاہیے تھا...

خاور نے بھی یہی محسوس کیا.. اسے مخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔



کیونکہ "انڈس کوئین" کے ڈھانچے کے اندر ان تمام مسافروں کے سانس اور وجود موجود تھے جنہوں نے کبھی اس کے عرشے پر قدم رکھا.. اس میں سفر کیا.. کوٹ مٹھن تک... پولیٹیکل ایجنٹ.. برٹش راج کے وفادار فیوڈل.. اس کے رکھوالے مقامی سپاہی اور انگریز افسر... یسوع کی روشنی سے نیٹوز کے غیر تہذیب یافتہ مہاندروں کو چندھیانے والے مشنری... سیاہ فام نن.. جو بھیل دراوڑوں کی بستیوں سے نکل کر یسوع کی دولہنیں بن گئی تھیں اور معتبر ہو گئی تھیں.. انہوں نے اپنے آپ کو برتر سمجھنے والے ہزاروں برسوں سے دھتکارنے والے ہندوؤں' مسلمانوں اور سکھوں سے بدلہ لیا تھا اور راج کے شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے ان سے بلند ہو گئی تھیں.. اور طالع آزما آوارہ گرد یورپی جن کے سفرنامے فوجی مہمات کے دوران راج کے لیے بے حد مفید ثابت ہوتے تھے.. یہ سب غیر مرئی طور پر یہیں انڈس کوئین کے ڈھانچے میں موجود تھے اور سانس لیتے تھے۔

کچھ کے سانسوں میں برانڈی اور سکاچ مہکتی تھی۔

عرشے کے دھول آلود اور دیمک کے چاٹے ہوئے چوبی تختے جا بجا اکھڑے ہوئے تھے اور ان پر پاؤں دھرتے خیال کرنا پڑتا تھا.. البتہ لوہے کے بھاری زنگ کھائے ہوئے لنگر ابھی جوں کے توں تھے اور عرشہ انہیں ابھی تک سہار رہا تھا..

عرشے کے بعد ایک راہداری آتی تھی' جس کے بائیں ہاتھ پر جنگلی ہوئی کہیں کہیں سے شکستہ وہ ریلنگ تھی' جسے تھام کر سندھ میں ڈبکیاں لگاتی اندھی ڈولفن کو گئے وقتوں کے مسافر دیکھتے تھے اور اس کی نابینائی کو سمجھ نہ پاتے تھے.. اور بائیں جانب وینیشن بلائنڈز کی ایک عمودی قطار کے پیچھے انڈس کوئین کے مختصر وی آئی پی لاؤنج کے آثار دکھائی دیتے تھے.. ٹوٹا ہوا دروازہ مقفل تھا.. خاور نے انگلی سے ایک بلائنڈ کے لچکیلے پلاسٹک کو بائیں طرف کیا اور اپنی ناک قریب لا کر اندر جھانکا.. دھول اندر کی ہر شے کو کاٹھ کباڑ کو بے رنگ کرتی آرام کرتی تھی.. وکٹورین صوفوں کے ڈھانچے گرد میں اٹے چپ میں تھے.. پوشش کے دامن میں دھجیوں کے سوا کچھ باقی نہ تھا اور ان میں سے زنگ خوردہ سپرنگ آہنی سکتے میں آئے ہوئے مرغولوں کی طرح ڈھانچے میں سے اٹھتے تھے.. ایک سپرنگ پر چھینٹ کی ایک دھجی اٹکی ہوئی تھی جو شاید کسی میم صاحب کے فراک کی تھی جس نے آخری بار اس پر بیٹھنے کی کوشش کی اور سپرنگ کی چبھن سے فوراً ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی.. فرش پر بوسیدگی اور بدرنگی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



میں ڈوبا ہوا ایک قالین تھا جو صوفوں کے ڈھانچوں کے آگے جہاں پاؤں آرام کیا کرتے تھے بالکل گنجا ہو چکا تھا۔ ایک سائیڈ ٹیبل پر ایک گلاس کی کرچیاں اور ایک ایش ٹرے تھی جس میں راکھ اور گرد محفوظ ہو رہی تھی..

اس نے انگلی پیچھے کی تو وینشن بلائنڈ اپنی جگہ پر آ گیا اور لاؤنج کی بے پردگی ختم ہو گئی۔

صاحب لوگوں کے اس مختصر لاؤنج کے برابر میں عرشے میں سے ایک زینہ اترتا تھا جو شاید کیپٹن کے کمرے اور انجن روم تک جاتا تھا.. نیچے جانا دشوار اور خطرناک تھا.. کیونکہ زینے کے تختے اکھڑے ہوئے تھے اور وہ ایک گنجی ہوتی کنگھی کی طرح اٹکا ہوا تھا.. دو چار دندانے باقی تھے جو یقیناً اس کا بوجھ نہیں سہار سکتے تھے.. اس میں اترا تو نہیں البتہ ریلنگ تھام کر جھانکا ضرور جا سکتا تھا... یہ ایک فراموش شدہ خشک کنواں سا تھا جس کی تہہ میں بکھرے کاٹھ کباڑ کی دھول میں بے ایک پچکی ہوئی ایک ایسے غبارے کی طرح جس میں سے ہوا ایک عرصے سے خارج ہو چکی ہو ایک لائف جیکٹ دکھائی دیتی تھی' ایک مردہ مچھلی کی طرح جس کے گلپھڑے سوکھ چکے ہوں.. البتہ اس کی پچکی ہوئی مردہ گولائی پر "QUEEN...." کے حرف اگرچہ پھیکے پڑ چکے تھے لیکن پڑھے جا سکتے تھے.. ان سے پیشتر جو "INDUS" تھا اسے دھول اور زمانہ چاٹ چکا تھا..

کنویں میں ایک لیمپ شیڈ اوندھا پڑا تھا.. زمانے اور وقت نے اسے بھی ناک آؤٹ کر دیا تھا..

راہداری سے آگے جہاں عرشہ پھیل کر انڈس کوئین کے پچھلے حصے میں اس ریلنگ تک جاتا تھا جسے تھام کر کھڑے ہونے والے مسافر پیچھے رہ جانے والے انڈس کے کھولتے پانیوں کو دیکھتے تھے اس آبی ہلچل کا نظارہ کرتے تھے جو ان کی نظروں کے سامنے بہاؤ کا ایک حصہ بن کر پھر سے پرسکون ہوتی جاتی تھی وہاں ایک کونے میں عرشے میں گڑا ایک سفید کموڈ تھا.. ایک اجڑی ہوئی لیٹرین کی برہنگی عیاں ہو رہی تھی۔ اس کموڈ کے گرد جو چوبی دیواریں وال پیپر سے ڈھکی ہوئی ان لوگوں کو پوشیدہ کرتی تھیں جو اس پر بیٹھتے تھے مسمار ہو چکی تھیں اور ان کا کوئی نشان باقی نہ تھا..

صرف ایک سفید کموڈ تھا عرشے کے چوبی فرش میں ندامت کی کیلوں سے گڑا



ہوا.. ہزاروں بار فلش ہونے کے باوجود کموڈ کے اندر "شینکس۔ لیڈز" کے الفاظ ابھی تک واضح تھے۔

صرف ایک کموڈ... عرشے پر رکھا نہایت عجیب اور بے موقع لگ رہا تھا..

اگر "انڈس کوئین" میں ابھی تک وہ سب تھے جنہوں نے کبھی بھی اس کے عرشے پر قدم رکھا تو ان میں وہ گورے بھی موجود تھے جو بیئر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس کموڈ پر جھومتے تھے..

ایک وکٹورین اخلاقیات کی وہ میم صاحب بھی تھیں جو یہ سمجھتی تھیں کہ لیٹرین کی دیواریں انہیں عرشے پر ٹہلنے والے ایک اجنبی سے چھپاتی ہیں اور وہ بے دھڑک اپنا فراک اٹھا کر... انڈرویئر سے سٹاکنگ کے کلپ کھول کر بے پروانہ کرتے ہوئے کہ ان کی "سلپ" دکھائی دیتی ہے.. بے دھڑک اس پر بیٹھتی تھیں..

اس کموڈ نے راج کے وہ حصے دیکھے تھے جو دیکھنے والے نہیں ہوتے..

ایک ماڈرن سٹل لائف پینٹنگ کی طرح سفید کموڈ ایک ویرانے میں تنہا تھا..

"انڈس کوئین"... کے اگلے حصے میں لاؤنج اور انجن روم میں اترتی سیڑھیوں کے ساتھ اس سٹیم شپ کو سندھ ساگر میں چلانے اور سمت درست رکھنے والا لوہے کا وہ گرانڈیل وہیل تھما ہوا تھا جس پر کپتان کی گرفت اسے ریتلے ٹاپوؤں پر چڑھ جانے اور پایاب پانیوں میں اٹک جانے سے بچاتی تھی.. یہ ابھی تک مضبوط اور توانا تھا' لوہے کی سختی اور دوام قائم رکھے ہوئے.. اس پر موسموں اور گرد کے جھکڑوں اور نمی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا زنگ کی ہلکی تہہ کے سوا.. "ہیملٹن ونڈسر۔ بلڈنگ پائینئر۔ لیورپول 1868" کی عبارت لوہے میں کندہ تھی۔ راج کا لوہا زنگ زدہ ہونے کے باوجود ابھی تک قائم اور مضبوط تھا۔

"انڈس کوئین"

"شینکس.. لیڈز"

"....کوئین"

اور "ہیملٹن ونڈسر۔ بلڈنگ پائینئر.." اس کھنڈر ڈھانچے کی چار عبارتیں.. اس کے ماضی کے نامکمل نشان..

گرانڈیل وہیل تلے عرشے پر گنے کے پھوک کی ڈھیریاں سوکھتی تھیں..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"انڈس کوئین" اس سے بڑھ کر بے توقیر کیا ہو سکتی تھی کہ اسے راستے پر ڈالنے والے اس آہنی وہیل کو اب ایک بیلچے کے طور پر گنے کا رس نکالنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا.. شاید یہی کشتیوں والے مہانے یا اوپر سے آئے ہوئے منچلے راتوں کو ادھر آتے تھے۔

یکدم "انڈس کوئین" کا ڈھانچہ سکوت سے یوں لگا کہ حرکت میں آنے کو ہے.. اس کے قدموں تلے عرشے میں لرزش سی محسوس ہوئی۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنے آپ کو گرنے سے بچانے کے لیے ریلنگ کو تھام لیا.. اور پھر فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ ایسا ہو نہیں سکتا.. دھوپ کا اثر تھا شاید..

ریلنگ سے پرے ریتلے علاقے کے آخر پر سندھ کے پانیوں میں ڈولتی کشتی کے قریب سرور اس کا سامان بند سے اتار کر لے آیا تھا اور اب آنکھوں پر ہاتھ رکھے اسی کی جانب "انڈس کوئین" کے ڈھانچے کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا لیکن الجھن میں تھا کہ صاحب ادھر گیا ہے یا کسی اور جانب چلا گیا ہے.. پکھی اپنے گھر کو خالی کر رہی تھی اور بھورے بالوں والی بچی اپنی ہانڈی کے کناروں پر ایک چیتھڑا لپیٹے اسے اٹھائے ہوئے کشتی سے باہر آنے کو تھی۔

چھپروں تلے مُہانے ڈنڈیاں تراشتے تھے' ٹوکروں پر جھکے تھے اور ان کے سیاہ جثے ریت سے الگ نظر آتے تھے۔

ایسے لوگوں کو اس نے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا...

وہ پانی کے باسی تھے اور وہ زمین سے آیا تھا..

سندھ ساگر کے کنارے یہ پانیوں کا ٹوٹم تھے. پانی کے پروردہ... آبی جنور... آسٹریلوی ابورجینز ایسے بھورے گدلے بالوں اور منحنی پستہ قد جثوں والے کیڑے مکوڑے جو سندھ کی اُس پہلی بوند کے ساتھ جو جھیل مانسرودر میں سے ٹپکی تھی.. اس پہلی بوند کے یہاں تک پہنچنے کے لمحے میں ہی کسی انسانی بوند کے کسی کوکھ میں ٹھہرنے سے وجود میں آئے تھے اور ان کی کشتیوں اور چھپروں سے پرے کھیتوں میں خشکی پر لاچار پڑی یہ انڈس کوئین تھی جو.. وقت کا ایک لمحہ تھی.. راج کی ایک لہر تھی جو آئی اور گزر گئی.. وہ تب بھی انہی کشتیوں اور چھپروں کے باسی تھے' انہوں نے اس لہر کو ذرا جھک کر گزر جانے دیا.. اور اب وقت کا ایک اور لمحہ تھا..

اور میں اس لمحہ' موجود کا پروردہ تھا.. بیتے ہوئے تمام لمحوں سے غافل اور



لاپروا.. میرے لیے یہی لمحہ حقیقت تھا باقی جو گزرا محض سراب تھا.. اور میں سمجھتا تھا کہ یہ ہمیشہ رہے گا.. یہیں ٹھہرا رہے گا.. یہ سرحدیں' یہ نظریے' عقیدے کی پختگی.. تاابد یونہی اٹل اور قائم رہیں گے' اسی ایک لمحے کا تسلسل جاری رہے گا لیکن ان مہانوں کو دیکھ کر لمحہ' موجود میں دراڑیں پڑتی تھیں' خدشہ بڑھتا تھا کہ یہ سب کچھ بھی بہاؤ میں بہہ جائے گا لیکن دریا کے اس ٹوٹم نے.. بھورے بالوں اور لشکیلے بدنوں والے مہانوں نے البتہ یہیں رہنا تھا.. یہ کہیں سے نہیں آئے تھے اور انہوں نے کہیں نہیں جانا تھا. سندھ کے پانیوں کی آخری بوند تک یہیں رہنا تھا.. ہاں اگر آخری بوند بھی خشک ہو جاتی ہے تو پھر ان کی کوکھ میں گرنے والی انسانی بوند بھی ثمر آور نہیں ہو گی.. ہر شے آنی جانی تھی' بس یہی لوگ ابد تھے..

اوپر غازی گھاٹ کے پل پر ٹریفک بے چین اور پر شور ہوتی تھی۔ پریشر ہارنز اور بار بار تھمتے پھر سے سٹارٹ ہوتے انجنوں کی آوازیں نیچے اتر کر انڈس کوئین کے عرشے تک آتے آتے مدھم ہو جاتی تھیں ہوا ان کے شور کو بہالے جاتی تھی اور ان کا وجود ایک شائبہ ایک شبہ لگنے لگتا تھا۔

اس نے ریلنگ پر جمی مٹھی کو کھولا تو پھر اسے ایک دھچکا سا لگا.. انڈس کوئین کے زمانے سے کھکھیائے ہوئے بھونپو میں سے روانگی کی کوئی اطلاع تو برآمد نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی برسوں کی بے آباد کھنڈر سکونت کو ترک کر کے کھسکتی ہوئی مُہانوں کے چھپروں کو روندتی ان کی کشتیوں کو اپنے وجود سے دھکیلتی سندھ میں اترنے کو تو نہ تھی.. تو پھر کیا تھا کہ اس نے ریلنگ پر کھلی مٹھی کو پھر سے مضبوطی سے بند کر لیا اور لمحہ' موجود کی دہشت میں آ گیا..

ایک جنگجو کو اگر میدانِ جنگ کی بجائے موت بستر میں آگھیرے تو اس سے بڑی حرماں نصیبی اور کیا ہو گی.. "انڈس کوئین" ایک ایسا ہی جنگجو تھا جو برس ہا برس تک میدانِ سندھ میں رہا اور موت نے اسے خشکی پر آگھیرا تھا.. اپنی تضحیک کی تاب نہ لا کر... کھیتوں کے اس بستر میں مرنا نہیں چاہتا تھا اور اپنے میدان کی جانب جانے کی خواہش میں شاید ہولے ہولے جی اٹھتا تھا.. آہستہ آہستہ متحرک ہوتا تھا..

اور اس کے تحرک کے ساتھ اس میں سوار مسافروں میں بھی جان پڑتی تھی..

انڈس کوئین میں جمع چیدہ اور منتخب مسافروں کے قدموں تلے' ان کے فل بوٹس

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اور اونچی ایڑھی کی گرگابیوں تلے عرشے کے تختے نے نکور اور اتنے پالش شدہ تھے کہ ان میں ان پر کھڑی پُر تکبر میم صاحبان کے انڈر ویئر بھی عکس ہوتے تھے۔ انجن روم کی گڑگڑاہٹ اوپر عرشے تک آتے آتے اتنی مدھم ہو جاتی تھی کہ ان کی راج گفتگو میں مخل نہ ہوتی تھی.. ریلنگ کے ساتھ آویزاں لائف جیکٹس پر "انڈس کوئین" کے حرف شوخ اور واضح تھے..

برانڈی اور سکاچ کی گہری تہذیب یافتہ مہک عرشے کے چوبی پالش شدہ تختوں اور مسافروں کے بدن میں سرایت کرتی تھی.

وی آئی پی لاؤنج کے صوفوں میں دھنسے پولیٹیکل ایجنٹ اور کونے میں ٹیبل لیمپ کے برابر اکڑوں بیٹھے راج دلارے ابھی حال ہی میں کچلی گئی بغاوت کے تذکرے کرتے تھے اور ٹیٹیوز کے مظالم پر نفرین بھیجتے تھے۔ ان میں جو نیٹو تھے وہ جھک کر پولیٹیکل ایجنٹ کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتے تھے اور آیندہ بھی کسی غدر کے دوران اپنی مکمل حمایت کے وعدے کرتے تھے.. عرشے کے کسی اور حصے میں بلوچ سرداروں کی سرکوبی کرنے یا انہیں خریدنے کے منصوبوں پر پائپ کے کش لگاتے برانڈی کے گھونٹ بھرتے صاحب بہادر' ان لوگوں کے ساتھ مشورے کرتے تھے جو اطاعت گزار ہو چکے تھے..

لاٹ صاحبان اور میم صاحبان کی حضوری کی خواہش میں وفادار بلوچ فیوڈل تاک میں رہتے تھے کہ کب نظر کرم ان کی جانب اٹھے.. اگر کوئی ایسی نظر اٹھتی تھی تو وہ بڑے گھیرے کی شلواریں سنبھالتے' ازار بند اڑستے' اپنی جہازی پگڑیوں کو دونوں ہاتھوں سے گرنے سے بچاتے لوٹ پوٹ ہوتے اس آس میں آگے بڑھتے کہ شاید یہ میم صاحب مجھے اپنے پوڈل یا سکاٹش ٹیریئر کو پچکارنے کی اجازت مرحمت فرمادیں' اسے نہلانے کا مقدس فریضہ مجھے سونپ دیں۔ یا لاٹ صاحب مجھے برانڈی کا ایک پیگ بنانے کی سعادت بخش دیں... اور ان کی گھنی مونچھوں تلے کاسہ لیسی بچی تھی اور عنایت شدہ جاگیروں کے چھن جانے کا خدشہ منڈلاتا تھا۔

ان وقتوں پر راج کرتی "انڈس کوئین" سندھ کے سینے پر گورا لوگ کی برتری اور کالا لوگ کی کمتری کے بوجھ کے باوجود تیرتی تھی۔

تو اس وقت... برتری اور کمتری کے گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ایک ایسا لمحہ' ایسا



دن... ایسی دوپہر آئے گی... اس لائف جیکٹ اور ہیملٹن ونڈسر کے یارڈ میں ڈھلے گرانڈیل وہیل کی آہنی توانائی کو خدشہ بھی نہ تھا کہ کوئی ایسی دوپہر آئے گی.. ایک وقت آئے گا جب یہ رائل سٹیم شپ غازی گھاٹ کے نیچے کھیتوں میں کھنڈر ہو گا... ایسے ٹیٹیوز آئیں گے جو وہیل کو بیلنے کے طور پر استعمال کر کے گنے کے پھوک کے ڈھیر یہاں چھوڑ جائیں گے.

کموڈ کے گرد کوئی چار دیواری نہ ہو گی..

لائف جیکٹ پر سے "انڈس" کے حرف ہوائیں اڑا دیں گی۔

وینیشن بلائنڈز کے پیچھے انہی صوفوں کے... جن پر راج کی اہم ترین پشتوں نے آرام کیا تھا' بسرام کیا تھا.. سپرنگ ساکت زنگ آلود بگولے ہوں گے.. اور جس لیمپ کی روشنی میں وہ اپنے آگے جھکے سرداروں کے نام جاگیریں کرتے تھے وہ خاک میں اوندھا اور اندھا پڑا ہو گا..

ایک جنگجو کی مانند... ایک سٹیم شپ کے لیے اس سے بڑی ہتک اور کیا ہو گی کہ وہ نہ تو پانی میں ڈوبے اور نہ اپنی عمر پوری کر کے کسی شپ بریکنگ یارڈ میں ہتھوڑوں تلے آ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے بلکہ... پانی سے دور خشکی پر بے آسرا اور گمنام پڑا رہے... ایک ایسا شخص جس نے بھرپور زندگی بسر کی ہو اور پھر وہ بیکار ہو کر کھنڈر ایسا ہو کہ کہیں دفن ہونے کی بجائے صحرا کی کھلی فضا میں پنجر ہوتا جائے.. ایک شخص کی' ایک سٹیم شپ کی ہتک اور کیا ہو گی۔

کسی پاؤں کے دھرنے اور اس کے بوجھ سے اس کے عقب میں جو تختے تھے ان کے چرچرانے نے اطلاع کی کہ کوئی ہے..

"سائیں..."

اس نے فوراً ریلنگ پر جمی ہتھیلی کھول دی اور مڑ کر دیکھا۔

سرور تھا۔

صرف ایک دھجی سی لنگی میں... اس کا سیاہ چھریرا منحنی بدن.. اور یہ لنگی بھی غیر ضروری تھی وہ اس کے بغیر زیادہ قدرتی لگتا' جیسے کسی جانور کے نچلے دھڑ کو ڈھانپ دیا جائے.. کالے سیاہ جثے میں صرف اس کی آنکھیں تھیں' جو دو چنگاریوں کی طرح بھڑکتی اور پھڑپھڑاتی تھیں۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



خاور نے اس عجیب سے جانور کو بہت غور سے دیکھا اور اسے ایک جھرجھری سی آئی.. ایک انجانا خوف اس کے اندر ایک بگولے کی طرح اٹھا اور اس کی آنتوں کے گرد لپٹ کر ان کا دم گھونٹنے لگا.. اس جانور کی قربت میں اسے ایک آبی تنہائی میں اترنا تھا.. اس کے ماماں جعفر اور گھر والی پکھی کے ہمراہ دن اور رات کرنے تھے۔ وہ سیاہ جونکوں کی طرح چپکیلے اور بدہیئت بدصورتی والے بدن تھے.. اس خیال نے اسے بہت بے آرام کیا.. یہ بے جواز سفر اب بھی موقوف ہو سکتا تھا.. ان لوگوں کی طویل رفاقت قبول نہ ہوتی تھی۔

"سائیں.. آپ کا کل مال اسباب.. بھانڈا ٹنڈر اور کھان پین کشتی میں لگا کھڑا ہے.. آپ آجاؤ تو ٹھلتے ہیں..."

"ٹھلتے ہیں؟"

"خواجہ خضر سائیں کے سہارے چلتے ہیں ناں ادھر سے... سامان لگا کھڑا ہے"

"انڈس کوئین" کی بوسیدگی بھری وقت کی ماری موجودگی میں اس نے ایک گہرا سانس بھرا... یہاں اب اور کوئی سانس نہ تھا.. برانڈی کی مہک نہیں تھی. دریا کی نیم گرم اور نم ہوا تھی جس میں چھپروں کے سرکنڈوں کی خشکی تیرتی آتی تھی..

"چلیں سائیں.."

"یہ... یہاں کب سے ہے سرور؟"

"یہ تو..." سرور مخمصے میں پڑ گیا.. ران پر دیر تک کھجلی کرتا رہا" مجھے تو نہیں یاد سائیں.. پر میرا باپ تھا ناں سائیں.. وہ کہتا تھا کہ ہم بُوتنگ لوگ ہیں.. بُوتنگ تو سمجھتے ہو ناں سائیں.. مچھلی کے بچے... ہم لوگ خشکی پر جتنی دیر ٹھہریں ناں تو اتنے ہمارے ساہ کم ہو جاتے ہیں.. تو وہ جو میرا باپ تھا ناں تو وہ ہمیش پانیوں میں رہتا تھا' خشکی پر آتا تھا تو صرف ٹانڈے کاٹنے کے لیے اور بوٹی پینے کے لیے.. تو وہ بولا کرتا تھا یہ کشتی تو تب سے ادھر برباد کھڑی ہے جب وہ ابھی گیلا گیلا اپنی ماں سے باہر آیا تھا.."

"اس نے یا کسی اور نے اسے اس زمانے میں نہیں دیکھا جب یہ پانیوں میں چلتی تھی؟"

"نہیں سائیں.. یہ تو مُدھ قدیم سے ادھر پڑی ہے.. ہم مہانے اس میں قدم نہیں دھرتے.. کبھی کبھار اوپر سے لوگ آتے ہیں. کچھ گنے چوس کر ادھر پھوک ڈھیر کر جاتے



ہیں اور کبھی کوئی دارو اور بوٹی لے کر بھی اترتے ہیں اور چاند جب پورا ہو تب آتے ہیں اور پھر مست ہو کر ادھر شور مچاتے ہیں... پھر ہمارے ناں مہانوں کے ان داتا وڈیرے بھی تشریف کرتے ہیں تو حکم فرماتے ہیں کہ اپنی عورت لاؤ.. تو ہم لا دیتے ہیں۔"

"زبردستی کرتے ہیں؟"

"ناں سائیں زبردستی کس بات کی.. یہ ہمارے بھاگ کہ وہ حکم فرمائیں.. ہمارا کیا جاتا ہے سائیں.. عورت کا کیا جاتا ہے.. نہا دھو کے پھر سے کھڑی ہے.... جدھر ہمارے چھپر اور کشتیاں ہیں یہ کنارا ملکیت میں ہے ان کی.. ہم سے کوئی لگان تو نہیں لیتے سائیں' مہربانی کرتے ہیں.. چلتے ہیں سائیں نہیں تو سورج تو جاتا کھڑا ہے.."

"چلو..."

اور وہ انڈس کوئین کے وجود سے جڑے آہنی زینے کو تھامتے نیچے کھیت میں اتر آئے.. دھوپ کی تپش میں کمی آچکی تھی..

"ویسے ایک بات ہے سائیں.. میرا باپ جب بوٹی پی کر مست ہوتا تھا تو بولتا تھا کہ یہ جو کشتی برباد کھڑی ہے.. ہمیشہ ادھر نہیں ہوتی... بہت برس گزرتے ہیں ناں تو ادھر سے نکل کر سندھ سائیں میں اتر جاتی ہے.."

"کیا؟"

"ہاں سائیں.. میرا باپ بوٹی پی کر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



دو پاؤں جو مرغابی کے سیاہ پنجوں کی طرح چپٹے تھے کشتی کے کنارے پر دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

بس دو پاؤں.. جیسے ان کے اوپر کوئی دھڑ نہ ہو صرف دو پتلی چھمک ڈبلی ٹانگیں ہوں۔

صرف دو پاؤں جو کشتی کے بالشت بھر چوڑے فٹ پاتھ پر دوڑتے جا رہے تھے۔

یقیناً ان دو پتلی چھمک ڈبلی ٹانگوں کے اوپر سرور کا سیاہ لشک مارتا بدن' اس کی پسلیاں' روشن دیئے جلتی آنکھیں اور وہ مختصر لنگی بھی تھی جو اس کے جثے کو چھپاتی نہ تھی' بچوں ایسی چھوٹی پیٹھ کی تختی کو چھپاتی نہ تھی کہ وہ ایک جنور کا بدن تھا جو چھپائے نہیں چھپتا..

ان پاؤں کے پہلو میں ایک لمبا بانس ترچھا ہوتا تھا اور اس پر سرور کی انگلیاں سیاہ کیکڑوں کی طرح پیوست تھیں' جونکوں کی مانند چمٹی ہوئی تھیں۔

بانس سندھ کے پانیوں کی تہہ میں ٹھوکر کھا کر مضبوط ہوتا تھا قائم ہو جاتا تھا تو سرور کے بدن کے زور سے کشتی آگے آگے ہوتی چلی جاتی تھی..

اس کے پاؤں کا جوڑا کشتی کے چوبی کناروں پر جمتا اگلے حصے سے دوڑتا ہوا پچھلے حصے تک پہنچتا تھا وہاں سرور بانس کو پانی سے نکالتا تھا اور پھر اطمینان اور دھیرج کے ساتھ سانس درست کرتا واپس ہو جاتا تھا..

کشتی کے تختہ فرش کو مہمانوں کی پھٹی ہوئی دریاں اور غلیظ گدّے ڈھکتے تھے اور خاور ان پر لیٹا ہوا کہ بہر حال وہ اس کی سخت ہوئی کمر کو کسی حد تک آرام میں رکھتے تھے اوپر دیکھتا تھا تو اسے کشتی کی چھت اور نچلے حصے کے درمیان میں بس یہی دو پاؤں دوڑتے پھر



اطمینان سے لوٹتے نظر آتے تھے..اور کبھی کشتی ذرا ڈولتی تو ان کے درمیان میں سندھ کے پانی جھلک دکھا کر پھر نیچے ہو جاتے تھے..

کشتی کی پشت پر جو چوبی تکون پانیوں سے بلند ہوتی تھی اس پر سرور کا ماماں جعفر گوٹھ مار کر بیٹھا ایک چوڑے چپو کی مدد سے اس کے بہاؤ کی سمت سیدھی رکھنے کی سعی کرتا تھا۔ اگلے حصے میں وہ دکھائی تو نہ دیتی تھی لیکن پکھی تھی جو اب بھی اپنے سیاہ لوتھڑے بچے کے گنجے سر کو اپنی چھاتیوں میں دیئے بیٹھی تھی اور کبھی کبھار "ہو سرورا.." کی بیٹھی ہوئی آواز سنائی دیتی اور پھر اپنی زبان میں اسے کبھی ڈانٹتی اور کبھی نرمی سے پکارتی۔ کشتی کی چھت سرکنڈوں کی تھی جسے ایک ترپال سے ڈھانپا گیا تھا تاکہ دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو..

اور وہ بُودیتی خستہ حال دریوں اور گدّوں پر دراز... سر تلے بازو رکھے دراز... سرور کے پنجہ نما پاؤں کو دوڑتے واپس آتے ایک تسلسل کے ساتھ دیکھتا جا رہا تھا اور کشتی کے پانی پر سرکنے کا احساس اس کے پورے بدن میں آہستہ آہستہ سرکتا تھا۔

گہرے پانی میں داخل ہونے پر سرور بانس اٹھا دیتا اور کشتی بہاؤ کے زور میں بہنے لگتی..

کشتی کے اندرون میں وہ نہ آتے تھے نہ ہی جھانکتے تھے..

یہ صاحب کا علاقہ تھا' اس کا کمرہ اس کی خلوت گاہ تھی..

کھلی فضا' دھوپ اور پانی کی قربت ان کی تھی..

نہ وہ صاحب کو جانتے تھے کہ وہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کیا کرتا ہے..اور نہ وہ ان سے واقف تھا..وہ چند روز کے لیے اس کے کامے تھے' کتنے روز کے لیے.. یہ وہ نہیں جانتے تھے.. کشتی سمیت وہ اس کی ملکیت میں تھے..وہ صرف سائیں برمانی کو جانتے تھے جس نے انہیں مناسب پیشگی دی تھی اور حکم دیا تھا کہ صاحب کو سائیں سندھ کے اندر لے جاؤ... سرونوں کے ذخیروں اور ریت کے ٹاپوؤں میں جہاں سائیں بولے ادھر رات کرو' اس کے روٹی پانی کا دھیان رکھو اور خدمت کرو..

کتنے روز کے لیے؟.. سرور نے پوچھا تھا۔

یہ مجھے بھی نہیں معلوم... سائیں برمانی نے کہا تھا..جب تک صاحب نہ کہے تب تک تم نے پانیوں میں ہی رہنا ہے' واپس نہیں آنا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



صاحب شکار کا شوق رکھتا ہے اس لیے جاتا ہے تو ہم اسے خوش کر دیں گے...بندوق تو رکھی کھڑی ہے کشتی میں اور کارتوس بھی ہیں..

ناں..صاحب کو شکار کا شوق نہیں...

پر ہم صاحب کو مرغابی، جل ککڑ اور سرخاب کھلائیں گے مار کر....

ناں...سائیں برمانی نے سر ہلایا تھا..

یہ عجیب ڈھنگ کا صاحب تھا..اگر شکار میں شوق نہیں ہے تو اپنا گھر بار چھوڑ کر ادھر کشتی میں فضول رہنے کو کیوں آگیا ہے...جب پالا پڑنے لگتا تھا تو سندھ کے بیلے اور ٹاپو پرندوں سے بھر جاتے تھے..اور پھر اکثر کوئی وڈیرہ سائیں اور اس کے یار بیلی رات دو رات کے لیے اسے اور اس کی بیڑی کو دریا کے اندر لے جاتے تھے..دن کے وقت پرندے مارتے تھے اور رات کو دارو اور بوٹی پی کر مست الست ہوتے تھے...اور پھر وہ پکھی پر نظر رکھتے تھے اور وہ انہیں رکھنے دیتا تھا..

غازی گھاٹ واپسی پر وہ اسے کبھی کچھ انعام دے دیتے تھے اور کبھی اس کے ہاتھ خالی رہ جاتے تھے پر وہ دانت نکالتا ان کے سامنے اپنے پورے بدن کو کتے کی دم کی طرح ہلاتا انہیں رخصت کرتا تھا' شکایت نہیں کرتا تھا..وڈیرے سائیں جو تھے ان کی برکت اور مہربانی سے ہی تو وہ ادھر چھپر بنائے کھڑے تھے..کشتیوں کے گھر پانیوں میں رکھتے تھے..وہ اسے اور اس کے قبیلے کو بے گھر بھی کر سکتے تھے..پر وہ ڈھیر مہربان اور خدا ترس لوگ تھے ایسا نہ کرتے تھے۔

اگر وہ خالی ہاتھ رہتا تو پکھی خالی نہ رہتی..وہ اسے کچھ نہ کچھ دے کر جاتے...کبھی روپیہ پیسہ اور کبھی کوئی جھگا یا لنگی...

یہ صاحب جو ہے تو شکار کا شوق نہیں رکھتا..پر پکھی کا شوق تو رکھے گا رب چاہے..

پکھی نے بچے کے سر پر دباؤ ڈال کر اس کے منہ کو اپنے تھن کے قریب کیا..

سندھ سائیں پرے سے آنے والی ہوا اس کے گریبان میں اڑسے ہوئے جھگے میں سے گزرتی اس کی چھاتیوں کے ماس پر پھیلتی تھی تو ان کے ٹوں کونپلوں کی طرح پھوٹتے تھے اور



پورا بدن دودھ بھرا اور پانیوں کی باس سے رچ جاتا تھا..یہ پانی کی نمی میں گندھی ہوئی ہوا ایک جاندار وجود کی مانند اس کی ڈھیلی شلوار کے پائینچوں میں سرسراتی جاتی تھی اور اس کی ٹانگوں پر اپنا لمس پھیلاتی اس کی کوکھ میں ہریالی بھرتی تھی..

سندھ سائیں کی ہوا اس کے گھر والے کی طرح اس کے بدن پر نچھاور ہوتی تھی اور اسے مست کرتی تھی اور اسی مستی میں وہ اپنے بچے کے سر پر مزید دباؤ ڈال کر اسے اور قریب کرتی تھی...

سرور کے ہاتھوں میں تھاما ہوا بانس سندھ سائیں کے سینے میں اترتا جاتا تھا' تہہ کو جا لگتا تھا اور سرور اپنا پورا بوجھ ڈال کر اسے دھکیلتا کشتی کو کھیتا جاتا تھا..پھر اس بانس کو پانیوں سے نکال کر کناروں پر آہستہ آہستہ چلتا اس کے پاس آ رکتا تھا..

صاحب کشتی کے اندر لیٹا ہوا تھا..

جانے آنکھیں نوٹ کر سوتا تھا یا آلکس میں لیٹا سرور کے دوڑتے پاؤں کو دیکھتا تھا..

صاحب ذرا وڈیری عمر کا تھا..اس کا جثہ شہریوں کی طرح بے ڈھنگ اور ایک ٹلہن کی طرح ذرا بے ڈول تھا..سرور یا ماماں جعفر جیسا پتلا چھمک چھریرا نہ تھا..مہنگی مہنگی خوراکوں سے پلا ہوا تھا..صاحب ہر روز مرغی اور پلاؤ کھاتا ہوگا ناں...ہماری طرح مرچیں کوٹ کر سوکھی روٹی تو نہیں کھاتا ہوگا..پتلے چھمک جثے والے مرد کا تو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ تم پر ہے یا نہیں..پر یہ شہری بہت بوجھ ڈالتے ہیں..

صاحب نے ابھی تک اس پر وہ نظر نہیں ڈالی تھی..

اس لیے تو نہیں کہ وہ وڈیری عمر کا تھا...عمر کے بڑھنے سے طبع حرص سے خالی تو نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے..

اسے یقین تھا کہ وہ اس پر وہ نظر ڈالے گا..نہیں تو اس کے پھیرے کا فائدہ...پر آج تک اس کا کوئی پھیرا خالی تو نہیں گیا تھا..

گہرے پانیوں کے بعد یکدم کشتی کا وجود تہہ کو جا لگا اور اس کی ریت پر گھسٹنے لگا اور سرور نے پھر بانس اٹھالیا..

اس جھٹکے کی وجہ سے خاور نے اپنا بازو سمیٹا اور اٹھ کر بیٹھ گیا..

کشتی تہہ کی ریت میں اٹکتی اور گھسٹتی ہولے ہولے آگے ہوتی تھی...

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سرور کے پاؤں اب بھی چوبی چوڑائی پر جمتے دوڑتے تھے لیکن ان کی رفتار گہرے پانیوں کی نسبت اب بہت کم ہو چکی تھی بلکہ وہ دوڑنے کی بجائے چلتا تھا.. اٹھ کر بیٹھ جانے کی وجہ سے اب وہ سندھ کے ریتلے کناروں کو دیکھ سکتا تھا جن پر اُگے سروٹ اور جنگلی جھاڑیاں کشتی کے بہاؤ کی مانند اٹک اٹک کر پیچھے رہتے جاتے تھے۔

اس سفر کا جواز کیا ہے؟

کشتی کی ہر اٹک ہر جھٹکے کے ساتھ یہ سوال دوہرایا جارہا تھا.. کیا ہے... کیا ہے...

غازی گھاٹ کے کناروں سے جدا ہوتے ہی اس سوال نے ہزاروں بار اپنے آپ کو دوہرایا تھا.. گھڑی کی ٹک ٹک کی مانند مسلسل دستک دیتا تھا اور دروازہ کھلتا نہ تھا کہ اس کے پیچھے جھانک کر پتا چلے کہ جواب کیا ہے.. شاید زندگی کا جو جواز ہے.. اگر ہے.. تو وُہی اس آبی سفر کا جواز ہے.. اگر ہے۔

آج دوپہر وہ ایک کھڑ کھڑاتی ٹویوٹا میں چوٹی زیریں کے گاؤں سے.. کوہِ سلیمان کے دامن سے.. غازی گھاٹ تک آئے تھے..

چوٹی زیریں میں عباس برمانی کا ڈیرا تھا جسے وہ کُنج کہتا تھا.. ایک جوہڑ نما تالاب کے کناروں پر سفیدے اور کھجور کے درخت اونچے ہوتے چلے جاتے تھے اور ان کے سائے میں اگرچہ ان کا سایہ بے برکت ہوتا ہے اناروں اور مالٹوں کے گھنے پیڑ تھے جن کے پھولوں کی کھٹی مہک شام کو تیز اور تند ہو کر اُس تالاب کے ایک کونے میں.. انگور اور بکن ولیا کی بیلوں سے ڈھکے اس ایک کمرے کے اندر تک آتی تھی جس میں کتابوں کے ڈھیر تھے' قدیم کھنڈروں میں سے جمع کردہ منکے' چوڑیوں کے ٹکڑے' سکّے اور دھرتی ماتا کے مٹی کے شکستہ مجسمے تھے' جس میں برمانی اپنے آبائی گھر سے اپنے خاندان سے الگ... رہتا تھا.. اور وہ تنہا نہیں رہتا تھا۔ ایک چھوٹی سی چوہیا جب وہ نیند میں ہوتا تو اس کی انگلیوں کی پوروں اور ناک پر اپنا بے دانت منہ رکھ کر انہیں چبانے کی کوشش کرتی اور وہ بے دھیانی میں اور نیند میں کروٹ بدلتا تو چوہیا بمشکل اپنے آپ کو بچا کر ذرا الگ ہو کر دبک جاتی اور ایک اور موقع کا انتظار کرنے لگتی.. اوپر چھت کے کڑیوں میں ایک بے ضرر سانپ کا بسیرا تھا جو زیادہ تر اپنے آپ کو پوشیدہ ہی رکھتا۔ صرف سال میں ایک بار اس کی کینچلی یہ ظاہر کرتی کہ وہ ابھی تک وہاں ہے.. اور برمانی ایک چوہیا اور ایک سانپ کے ہمراہ اپنے بیوی بچوں کی نسبت زیادہ



ہم آہنگی سے رہتا تھا اور اس نے کبھی بھی انہیں کوئی گزند پہنچانے کا سوچا بھی نہ تھا..

برمانی دراصل اس کے آوارہ گرد باپ کا ایک تسلسل تھا..

وہ عمر میں اس سے کہیں... بلکہ بہت پیچھے تھا... لیکن وہ ایک بزرگ کی طرح اس کی تعظیم کرتا تھا.. اس میں وہ اپنے آوارہ خصلت باپ کی پرچھائیاں دیکھتا تھا.. یہ پرچھائیاں اس کے بدن پر پڑتیں تو وہ پھر سے بچپنے کی جانب لوٹ جاتا.. شاید یہی اُن کی دوستی کی بنیاد تھی..

برمانی بھی اپنی روزمرہ کی آسودگی اور تہذیب یافتہ زندگی سے یکدم خارج ہو کر غائب ہو جاتا.. اس کے بال بچوں اور ماں باپ کے ماتھوں پر صرف ایک سلوٹ ابھرتی اور وہ اس کی گمشدگی سے سمجھوتہ کر کے پھر سے اپنے روزمرہ کے کاموں میں الجھ جاتے.. اس کے دوست اسے ملنے کے لیے کُنج تک آتے اور کمرے کا دروازہ مقفل پا کر جان جاتے کہ دیوانگی اسے کسی اور صحرا میں لے گئی ہے..

اس کی گمشدگی کا سب سے زیادہ قلق اس چوہیا اور سانپ کو ہوتا.. وہ اس کی غیر موجودگی سے بہت دکھی اور بے حد تنہا ہو جاتے... ان انسانوں کی نسبت جو اس کے رشتے میں تھے وہ اس کی غیر حاضری کو زیادہ محسوس کرتے..

چوہیا اس کے خالی بستر کے قریب اپنا بے دانت منہ چلاتی رہتی اور شہتیروں میں بسیرا کرنے والا سانپ کچھ روز کے لیے اپنی کینچلی اتارنے کا ارادہ ترک کر دیتا..

پھر کسی شام دھول میں اٹا ہوا بڑھی ہوئی داڑھی اور سرخ آنکھوں میں دیوانگیٔ سفر کے آثار لیے برمانی واپس آجاتا مگر گھر کی بجائے اپنے کُنج میں آکر سو جاتا.. اور کئی روز بعد گھر والوں کو خبر ہوتی کہ وہ واپس آچکا ہے..

برمانی نے ہی اُس کی اس آب نوردی کا بندوبست کیا تھا۔

دونوں میں تنہائی قدرِ مشترک تھی..

وہ بال بچوں کے باوجود الگ تھا.. اور اُسے زندگی کے نشیب و فراز اور عمر کے بہاؤ نے تنہائی کے جزیرے پر لا پھینکا تھا... نہ برمانی اپنے اکلاپے کے ڈیرے سے باہر قدم رکھنا چاہتا تھا اور نہ ہی وہ اس جزیرے کی قید سے رہا ہونے کے لیے کسی کشتی کی خواہش کرتا تھا.. یہ تنہائی عذاب نہ تھی ان کی خصلت تھی جو رخصت نہ ہو سکتی تھی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"بگھڑی سائیں..."

یکدم مرغابی کے پنجوں ایسے پاؤں رُکے' ان کے اوپر کا دھڑ جھکا اور سرور کا سیاہ مہاندرہ اس کے عین سامنے نمودار ہو گیا..

"بگھڑی؟"

"مرغابی سائیں..." ...اور یہ لفظ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں جل اٹھیں' روشن ہو گئیں..اس کے بقیہ وجود سے الگ ہو کر دہکنے لگیں۔

"آؤ سائیں..باہر آؤ" سرور نے ہاتھ آگے کر دیا..

اس کا ہاتھ تھام اس نے کشتی کے ڈولتے ہوئے کنارے پر قدم رکھا اور قدرے مشقت سے کہ لیٹے رہنے سے اس کے بدن میں جو تھوڑی بہت لچک باقی تھی وہ بھی جامد ہو چکی تھی' وہ باہر آ گیا..سرور نے اس کا ہاتھ تب تک نہ چھوڑا جب تک وہ کشتی کے اگلے حصے کے تختوں پر نہ آ گیا..دھوپ میں جو تیزی تھی وہ رخصت تو ہو چکی تھی لیکن کشتی کے اندرون کی عافیت بھری چھاؤں کے بعد اب اسے پوری آنکھیں کھول کر دیکھنا دشوار لگ رہا تھا..

پکھی نے سر اٹھا کر اسے نظر بھر کر دیکھا..اس کا بچہ دودھ سے سیراب ہو کر کشتی کے خالی تختوں پر اوندھا پڑا سو رہا تھا پر اس نے اپنا جھگا نیچے نہیں کیا تھا..صاحب کو فریب دینے کے لیے نہیں..بلکہ سندھ سائیں کی پُرنم ہوا کی ٹھنڈک کو اپنے تن پر ہولے سے چلتے جانے کے لیے..لیکن صاحب اس کی موجودگی سے غافل رہا۔

پکھی نے دل ہی دل میں اسے "ماں چو.." کی گالی دی اور جھگا نیچے کر لیا..

کشتی رُکی ہوئی تھی...

اگر وہ پکھی کے وجود سے غافل تھا تو سرور ان سب کے..صاحب کے..پکھی اور ماماں جعفر کے اور اپنے وجود سے بھی غافل تھا..اس کی آنکھوں میں بگھڑی کے الاؤ جلتے تھے..

اس نے ترپال کے نیچے سے لکڑی کی ایک ٹکٹکی سی نکالی' ایک صلیب نما شے... اس میں ایک کارتوس پھنسایا' پھر اس کے اوپر اپنی پرانی بندوق رکھی' ایک چاقو کھول کر اس کے بلیڈ کو زبان پر پھیر کر اس کی تیزی کی تسلی کرنے کے بعد اسے منہ میں دانتوں تلے دابا..اور



پھر اس ٹکٹکی کو پانی میں ڈال کر بہت آہستگی سے خود بھی اتر گیا..اسے اپنے آگے دھکیلتا' تیرتا' اپنے دھڑ کو پانی میں ڈبو کر صرف اپنا سر سطح کے اوپر رکھتا دھیرے دھیرے اُدھر حرکت کرنے لگا جدھر بگھڑی تھی..

ماماں جعفر بھی اپنے بھانجے کے ہمراہ برابر تیرتا تھا..

وہ اگرچہ خاور کے برابر میں کھڑا سرور کو پانیوں میں تقریباً روپوش.. ٹکٹکی کو ایک ڈھال کی طرح ایک نقاب کی مانند دھکیلتا دیکھتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بھی بھڑک رہی تھیں اور وہ بھی جیسے سرور کے ساتھ تیرتا جاتا تھا..

"یہ ایسا کیوں کرتا ہے جعفر؟.."

ماماں جعفر نے اپنی توجہ کو ایک لمحے کے لیے ٹوٹنے نہ دیا..سرور پر نظر رکھے اُس کے وجود سے غافل وُہ بولا "یہ لکڑی کا تولا ہے سائیں..جس کے پیچھے پیچھے سرور تیرتا ہے..مرغابی کے قریب جاتا ہے.."

"مرغابی کدھر ہے؟" اسے تو دور دور تک جہاں تک نظر جاتی تھی سوائے پانیوں کے اور کناروں کے اور سرکنڈوں اور سروٹوں کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا..

"تم تو دیکھتے ہی نہیں سائیں.." پکھی بولی "تمہیں کیا نظر آئے گا..مرغابی اُدھر ہے جدھر کو سرور تیرتا کھڑا ہے..پر تمہیں نہیں دکھے گی..پر پانی کے ٹونگ اسے دیکھ لیتے ہیں.."

"اُدھر ہے سائیں.." ماماں جعفر نے پکھی کے لہجے کی تلخی کو محسوس کیا اور اس کی مدد کو آیا" جدھر ٹاپو ہے پانیوں میں ابھرا ہوا...اس پر ہے..دو ہیں...ایک بگھڑی ہے اور دوسری بوبلے ہے جو پوشلی ہلاتی رہتی ہے...دیکھتے ہو؟"

"نہیں..."

اس کی اور ان کی نظر میں فرق تھا..

اسے وہ پانیوں میں ابھرا ہوا ریتلا ٹاپو جس پر چند جھاڑیاں اور کہیں کہیں گھاس کے تنکے تھے مشکل سے دکھائی دیتا تھا اور اس پر کوئی اور شے نہ تھی..اور اس کی جانب سرور اپنے تولے کو دھکیلتا اتنی دور ہو چکا تھا کہ وہ یہاں سے دکھائی یوں دیتا تھا جیسے سندھ کے پانیوں میں ایک بے جان بے ضرر جھاڑی ہے جو بہتی ہوئی جا رہی ہے..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



بہاؤ کے زور میں.. اس کے ساتھ.. آہستگی سے ایک اور جھاڑی جو کبھی کناروں پر اپنی جڑیں گہری کیے سندھ سائیں کو تکتی تھی اور پھر اس کے پانیوں نے اس کی بنیاد کو ہلا کر اسے اپنے آپ میں بے بس اور بے اختیار کر کے شامل کر لیا..ایک اور جھاڑی بے جان اور بے ضرر بہتی ہوئی جا رہی تھی... اور یہی فریب تھا' کسی بھی پکھیرو کے لیے.. کہ یہ تو ایک اور جھاڑی ہے جو بہتی ہوئی میری جانب چلی آتی ہے...نہ اس پر کوئی شست لگائے پرانی بندوق ہے جس کی نالی کا رخ اس کی جانب ہے..نہ کوئی کارتوس اس میں پوشیدہ ہے اور نہ ہی اس کے عقب میں کوئی ایسی سیاہی چھپی ہے جس کی آنکھیں بھڑکتی ہیں اور اس کے دانتوں میں اس کی گردن پر پھیرا جانے والا ایک چاقو بھنچا ہوا ہے.. اور یہی وہ فریب کا جال تھا جو بے جان اور بے ضرر دکھائی دیتا اس کی جانب بڑھتا آتا تھا..ایک اور جھاڑی تھی..

اُسے ..خاور کو پہلی بار احساس ہوا کہ دراصل کیا صورتِ حال ہے.. تولے کو ڈھال بنا کر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہوئے سرور کے دل میں ایک قتل کا منصوبہ تیرتا ہے.."یہ... مرغابیوں کو مارنے گیا ہے جعفر؟"

ماماں جعفر اس سوال سے اپنے سحر انگیز نگری کے جادو میں مبتلا سکوت میں سے یکدم باہر آیا اور سر ہلا کر کہنے لگا "مرغابی ہوتی کس لیے ہے سائیں.. ہم مہانے جو ہوتے ہیں تو ہم سندھ کا پوبگ ہیں سائیں.. مچھلی کے بچے سمجھتے ہو ناں صاحب.. تو سندھ سائیں ہمارا اَن داتا ہے..رزق دیتا ہے سائیں..ہمارے اَن پانی کا بندوبست کرتا ہے.. تو یہی ہمارا اَن پانی ہے سائیں.. مرغابیاں' جل ککڑی' سرخاب' منگھ اور مچھلی..یہی رزق ہے ہمارا... سرور جاتا ہے تو مرغابی کی چونچ دیکھنے کو تو نہیں جاتا ان ذونگے اور ٹھنڈے سیت پانیوں میں.. اُس کے ماس کی گرمی کو اپنے لیے گھیرنے کو جاتا ہے.."

سندھ کی آبی چادر کے تناؤ میں... ڈھلتی دھوپ میں بچھی ہوئی چادر میں صرف ایک جھاڑی بہتی ہوئی اُس ناپو کے قریب ہوئی جو اسے مشکل سے دکھائی دیتا تھا.. پھر ایک ہلکی سی گونج سنائی دی..ایک مدھم سے فائر کی آواز بہت دبی دبی پانیوں پر تیرتی اس کے کانوں تک آئی اور اسی لمحے اس نے دیکھا کہ ناپو کی ریت سے.. چند جھاڑیوں اور گھاس کے تنکوں کے درمیان میں سے دو سیاہ دھبے سے اٹھتے ہیں اور پھڑ پھڑاتے ہوئے سندھ کی آبی چادر پر بلند ہوتے ہیں..



"ماں چو..." پکھی زیرِ لب بڑبڑائی..

ماماں جعفر نے غصے میں آ کر اپنی منحنی ران پر ہاتھ مارا لیکن کچھ نہ کہا..

وُہ جھاڑی کچھ دیر ناپو کے قریب رُکی رہی' ٹکتے میں آئی رہی اور پھر رُخ بدل کر کشتی کی جانب لوٹنے لگی.. لیکن اب وُہ بہت تیزی اور شتابی سے واپس آ رہی تھی..ان کے قریب ہوتی گئی..

سرور اپنے تولے کو دھکیلتا کھینچتا ہوا' کشتی سے آ لگا..

"نکل گئی بہن چو..." سرور پانی سے باہر آیا تو وہ بری طرح کانپ رہا تھا..اس کی بتیسی اس کے بس میں نہ تھی اور کٹ کٹ بے اختیار بجتی جاتی تھی... جیسے اسے نمونیے کی کپکپی چڑھ گئی ہو..اس نے لرزتے ہاتھوں سے تولے کو پانی سے نکالا' چاقو جو اس کے دانتوں کا ایک حصہ بن چکا تھا اسے کھینچ کر منہ سے نکال کر کشتی کے عرشے پر پھینکا... فالتو کارتوس اور بندوق کو تولے سے جدا کر کے اسے پھر سے ترپال کے نیچے گھسیڑ دیا اور پھر ہانپنے لگا "صاحب بڑے وزن والا اور چربی دار گوشت تھا نگری کا..اڑی ہے تو مشکل سے اپنا بوجھ سہارتی تھی.. نکل گئی بہن چو....."

"سرور..."

"جی سائیں.."

"پرندہ نہیں مارنا.. آئندہ!"

"ہیں؟"

"مرغابی پر فائر نہیں کرنا.. آئندہ!"

"پر کیوں سائیں؟"

"اس لیے کہ کسی ایک مرغابی کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں"

وہ جھکا اور پھر کشتی کے اندر چلا گیا..

"کیسا ماں چو.. صاحب ہے.. پرندہ نہیں مارنا کہتا ہے.. مرغابی پر فائر نہیں کھولنا کہتا ہے..." سرور بڑبڑاتا گیا اور ٹھنڈ کا مارا ہوا ٹھٹھرتا گیا..وہ اب اس لائق نہ رہا تھا کہ کشتی کو کھے سکتا.. چنانچہ ماماں جعفر نے بانس تھاما اور تہہ کی کھوج میں اسے پانیوں میں ڈبوتا گیا..

تھوڑی دیر بعد وہ ماماں جعفر کے دو پاؤں کشتی کے چوبی کناروں پر دوڑتے ہوئے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



دیکھ رہا تھا اور کشتی ہولے ہولے آگے ہوتی جاتی تھی۔

وڈیرے سائیں تو اس کی چھاتیوں کو دیکھ کر ہونٹ گیلے کرتے تھے اور یہ اس کی جانب دیکھتا تک نہیں تھا... پکھی نے مایوسی میں سر ہلایا۔

پچھلی شب بے خوابی میں گزری تھی..

برمانی کے کُنج میں پچھلی شب بے خوابی میں گزری تھی..

اس لیے کہ وہاں وہ چوہیا تھی.. وہ ایک چوہیا رات بھر پریشان رہی تھی کہ یہ ناک جسے میں کترنے کی کوشش کرتی ہوں وہ ناک نہیں ہے جسے میں ہر رات کترنے کی کوشش کرتی ہوں اور یہ پاؤں بھی نہیں جن کی انگلیوں پر میں اپنا منہ چلاتی ہوں.. تو یہ ناک اور یہ پاؤں کی انگلیاں کس کی ہیں اور یہ کون ہے.. وہ جاگتا رہا تھا.. اس چوہیا کو بھگانے کی کوشش کرتا رہا تھا... پر وہ کہاں جاتی.. وہ اپنے گھر میں تھی اور وہ نہ تھا..

کشتی کے ہچکولے ایک ہموار تسلسل کے ساتھ اس کے پپوٹے بھاری کرنے لگے.. اور وہ اونگھنے لگا.. گدّوں کی بدبو اور پانی کی نمی کی عادت اس کی ناک کو ہوتی جاتی تھی... وہ اونگھنے لگا... بدن کیوں ساتھ نہیں دیتا' زوال آتا ہے تو اسے قبول کرنے کا شعور اس کے ساتھ کیوں نہیں آتا... اعضاء کیوں بیگانے سے ہو جاتے ہیں.. ان کا توازن کہاں گم ہو جاتا ہے.. ساٹھ برس کی عمر تو کوئی عمر نہیں ہوتی... یا ہوتی ہے... اگر ہوتی ہے تو پھر ایک فل سٹاپ آنا چاہیے کہ بس یہاں تمہارا انگٹ ختم ہوتا ہے' یہی تمہاری حد ہے.. اُتر جاؤ.. تم آگے نہیں جاسکتے.. پر کوئی نہیں روکتا.. آگے جاتے ہیں تو چلنا پھرنا دوبھر ہونے لگتا ہے.. اپنے ہاتھ پاؤں پرائے ہونے لگتے ہیں' کہا نہیں مانتے.. سیڑھیوں کی بجائے قدم لفٹ کی جانب جاتے ہیں.. دوسروں کے بدن کی پھرتی اور بے پروائی زہر لگتی ہے.. ڈاکٹر طاہر نے کیا کہا تھا.. یو ہیو ٹو لو ود اِٹ... توازن ہمیشہ کے لیے برقرار نہیں رہتا.. یہ ڈول گیا ہے تو اب کبھی درست نہیں ہوگا.. جو دردیں بے وجہ تمہارے بدن میں اٹھتی ہیں ان کے ہمراہ رہنا سیکھ لو.. یہ اب کہیں نہیں جائیں گی.. تم چلے جاؤ گے.. پاپا ہیمنگوے نے درست کہا تھا کہ جب ایک مرد کے رس کی روانی ختم ہو جائے تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا.. اگرچہ وہ مکمل طور پر تھمے تو نہیں تھے لیکن ان کی روانی میں خلل پیدا ہو گیا تھا..

جعفر کے دونوں پاؤں کشتی کے فٹ پاتھ پر دوڑتے جاتے تھے اور بانس تہہ کی



تلاش میں ڈوبتا جاتا تھا..

اور کشتی پانیوں کی وسیع گود میں ہمکتی ہوئی' ملاپ کی سرخوشی میں مست ہوتی.. بہتی چلی جاتی تھی۔

پکھی اپنے بھاری کولہوں پر براجمان ڈھلتے سورج میں تھی اور بچہ گہری نیند میں تھا..

مدتیں گزر گئیں اور پھر ایک شدید دھچکے نے اسے بیدار کر دیا.. سکوت تھا.. ہر شے ٹھہراؤ میں تھی.. مدھم دھوپ اندر آتی تھی اور کشتی کے کنارے جعفر کے پاؤں سے خالی تھے.. اس کی آنکھوں میں نیند سرخ ہوتی تھی..

اس نے کہنیاں کشتی کے فرش پر ٹکا کر اپنے آپ کو اونچا کیا اور باہر نظر کی.. سندھ کے پانی نہایت مدھم اور کومل سروں میں بہہ رہے تھے.. کشتی ایک بلند ریتلی ڈھلوان سے اپنی چھاتی لگائے آہستہ آہستہ ڈول رہی تھی..

وُہ اپنے نیم خوابیدہ وجود کی مستی میں ڈولتا باہر آ گیا..

کوئی ٹاپو تھا.. پانیوں کے درمیان میں..

کشتی سے ذرا فاصلے پر سرور پانیوں پر شست لگائے بت بنا بیٹھا تھا..

دریا کے کنارے ایک تکونے جال کو دونوں ہاتھوں سے اٹھائے وہ پانی پر نظریں جمائے ایک سحر زدہ سانپ کی طرح دم روکے بیٹھا تھا..

جال کے سوراخوں میں سے مدھم دھوپ کسمساتی ہوئی نکلتی تھی..

"ادھر رات کریں گے صاحب..." ماماں جعفر جو کشتی کھینچنے کی مشقت سے ذرا برے حالوں میں تھا سانس اندر کھینچ کر بولا اور اس کے مان جانے کے انتظار میں رہا' پھر قریب آ گیا "ابھی روشنائی ہے.. کشتی سے سامان اتارنے' تنبو لگانے اور روٹی پانی بنانے میں مصیبت نہیں ہوگی.. ابھی اور آگے گئے تو رات ہو جائے گی.."

اس نے سر ہلایا اور کشتی سے اتر کر... نیچے ریت کناروں پر گیلی تھی جس میں اس کے جوگر ٹخنوں تک دھنس گئے.. کشتی سے اتر کر ڈوبتے سورج کی جانب چلنے لگا جہاں سرور دھونی رمائے اپنے گیان دھیان میں گم بیٹھا تھا..

وہ دم روکے بیٹھا تھا... پانی سے نظر نہ ہٹاتا تھا.. وہ اس کے قریب ہوا تو بھی اس

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نے آنکھ اٹھا کر اس کی جانب نہ دیکھا.. وہ پانیوں کا جوگی اپنے آپ میں گم رہا.. خاور نے بھی کچھ نہ کہا اور اسے دیکھتا رہا.. اور پھر بہت دیر بعد وہ بولا تو بھی اس کی جانب نگاہ نہ کی۔

"مل گیا تو شکار نہیں تو بیکار..."

اس نے اپنے جوگر اتارے اور سرور کے برابر میں بیٹھ گیا.. ننگے تلووں تلے ریت کے ذرّے ٹھنڈک میں تھے اور پاؤں کو ایک عجب سکھ سے آشنا کرتے بُھرتے جاتے تھے "کچھ ہاتھ آیا؟"

"صاحب آپ نے پرندوں کی مناہی کر دی ہے.. مچھلی کی تو نہیں.."

"نہیں.."

"ابھی تو دیدار نہیں ہوا"

"دم روکے ہوئے بیٹھے ہو..."

"ہاں سائیں.. کسی کا دم روکنے کے لیے اپنا دم بھی روکنا پڑتا ہے.. مچھلی کو تو آنکھیں جھپکنے سے خبر ہو جاتی ہے کہ سر پر شکاری ہے جو سانس لیتا ہے.." وہ سرگوشی میں پانی پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولتا رہا..

"تمہیں دکھائی دے جائے گا جب پانی میں مچھلی تیرتی ہوئی آئے گی؟"

"نہ سائیں.. سندھ سائیں کے پانی گدلے ہیں ان میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا.."

"تو پھر کیسے جان جاؤ گے؟"

"پانی پر آنکھیں رکھتے ہیں ناں سائیں.. تو اس پر بلبلے اٹھتے ہیں جدھر سے وہ دیدار کروانے والی معشوق آتی ہے.. پانی میں بلبلے تو بنتے رہتے ہیں پر سائیں مچھلی کے سانس کا بلبلہ الگ ہوتا ہے.. ہم جانوں ہیں کہ مچھلی کے ہر سانس کے درمیان کتنا وقت ہوتا ہے اور جب اس حساب سے پانیوں پر بلبلے ظاہر ہوتے ہیں تو ہم پہچان جاتے ہیں.. اور پھر اس مقام پر جال ڈال دیتے ہیں..."

یہ خاموشی مقدس تھی.. اس میں بولنا گناہ تھا.

وہ پہلی بار کشتی سے الگ ہو کر اسے دور سے دیکھ رہا تھا.. ریتلے ٹاپو کے ساتھ اپنا وجود جوڑے وہ پانیوں کی عظیم وسعت میں حیران اور گمشدہ تھی اور اس کے باوجود اس کا مختصر



وجود ہی اس تقابل کو جنم دیتا تھا جس کی خیرات سے منظر تا حد منظر پھیلتا اور وسیع ہوتا تھا.. وہ ایک چھوٹی سی جھاڑی تھی جس کی وجہ سے صحرا کی عظمت کا اندازہ ہوتا تھا..

"میرا خیال تھا کہ تم لوگ بس پانیوں میں ہاتھ ڈالتے ہو تو مچھلی گرفت میں آ جاتی ہے.."

"جیسے ہم نمانے یہ سوچتے ہیں کہ آپ سائیں کے لیے موٹریں اور بنگلے تیار ملتے ہیں... آپ کوئی کام کاج نہیں کرتے اور یہ تیار ملتے ہیں... رزق ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ میں تو نہیں آ جاتا سائیں.. پسینہ بہتا ہے اور محنت ہوتی ہے تو مچھلی ہاتھ میں آتی ہے... پر آج دیری ہو گئی ہے.. رات دکھن کی ہوا چلی تھی سائیں اس لیے مچھلی نیچے گہرے پانی میں چلی گئی ہے... پر اپنے پونگ کے پیچھے آئے گی.. ایک بھی نظر آ گئی تو ہماری ہو گی..."

وہ پھر سانس روک کر بیٹھ رہے..

سرور بہت دیر دُھونی رمائے دم سادھے بیٹھا رہا لیکن اُس کی نظروں کی تاک میں آئے سندھ کے پانیوں پر کسی مچھلی کے سانس کا بلبلا نہ اٹھا..

جعفر کو وُہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ ہولے ہولے کشتی میں سے سامان نکال کر ریت پر ڈھیر کر رہا تھا.. پکھی اپنے سدا کے بھوکے اور ندیدے بچے کو اپنی چھاتیوں میں پناہ دیے ریت پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی..

یہ تنہائی اور ریت اور پانی کی ایک ایسی کائنات تھی... ڈھلتے سورج میں ڈھلتی ایک ایسی کائنات تھی جس میں صرف وہ ایک کشتی تھی جو انہیں اس کائنات میں لے آئی تھی اور صرف وہ تھے.. سرور کے اٹھے ہوئے ہاتھوں میں منتظر تکونا جال... جعفر، پکھی اور وُہ... اور اس کے ریت پر پڑے.. اوندھے پڑے جوگر شوز...

دھوپ سے خالی ہوتے آسمان میں پرندوں کی ایک ڈار نمودار ہوئی... بہت بلندی پر..

سرور نے پہلی بار پانی سے نظریں ہٹائیں اور اوپر نگاہ کی "... سائیں آپ بہت دیر سے آئے ہو.. ان رُتوں میں یہ ماں چو.. نیچے نہیں اُترتیں.. یہ اپنے دیسوں کو لوٹ رہی ہیں."

وُہ جانے کونجیں تھیں 'مرغابیاں تھیں یا سرخابوں کے غول تھے آسمان پر ایک لمحہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نمودار ہوئے اور دوسرے لمحے آسمان خالی ہو گیا.. اپنے دیسوں کو لوٹنے والے ہمیشہ شتابی میں ہوتے ہیں رُکتے نہیں۔

وُہ بیٹھے رہے..

آخر کار سرور کی برداشت جواب دے گئی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا "مل گیا تو شکار.. نہیں تو بیکار... تو سائیں آج تو سب بیکار"

سندھ کے پانیوں پر اُتری گھنیری گھُپ رات میں..

پانیوں کی بے آواز سیاہ چادر پر ستارے اُترتے تھے.. اس پر بچھے ہوئے تھے اور یہ ستارے اس پر... جہاں تہاں وہ چادر پھیلتی تھی... ٹاپوؤں اور جزیروں کے اندر تک جاتی تھی وہاں تک وہ اس پر.. جو ستارے تھے.. اس پر دوپٹے پر ٹانکی مکیش کی مانند ٹمٹماتے جاتے تھے.. یہ ڈوبتے تھے اور اُبھرتے تھے اور ان پر سرور کی پرات کی جھنجھناتی چھنک اور ماماں جعفر کے مٹکے کے منہ پر بندھے ململ کے کپڑے پر جمائی گئی آٹے کی تہہ پر پڑتی تھاپ کی تال تیرتی جاتی تھی... اور کہیں سندھ کے پانیوں میں اُترے ہوئے کسی ستارے پر اُس تال کا بوجھ پڑتا تھا تو وہ پانی میں ڈوب جاتا تھا اور کہیں وہی چھنک اور تال کسی ستارے کی لو بڑھا دیتی تھی..... اور جب یہ لو بڑھتی تھی اور پانی پر روشنی بکھیرتی ہوئی اُس ریتلے ٹاپو تک پہنچتی تھی جہاں سے یہ مدھر تال آتی تھی تو وہاں وہ کیا دیکھتی تھی... اسے ٹاپو تو دکھائی نہیں دیتا تھا گھنیری رات میں صرف گھُپ اندھیرے کے بیچ میں بھڑکتے الاؤ کے گرد سرور دکھائی دیتا تھا جس کا سیاہ جثہ پسینے میں بھیگتا تھا اور آگ کی روشنی میں وہ پسینہ لشکاں ڈلکیں مارتا تھا اور اُس کا ایک قطرہ.. ایک بوند اس پرات کی پشت پر گرتا تھا جس پر سرور کے مرغابی کے پنجوں ایسے ہاتھ اتنی تیزی سے تھاپ دیتے حرکت کرتے تھے کہ وہ دو نہیں درجنوں لگتے تھے... وحشیانہ انداز میں متحرک پرات کو تیزی سے تھپکتے ہوئے اور اس پرات میں سے ایک دل پذیر حال ڈالتی بے خود کھنک دار ردھم تاریکی میں چھنکتی ہوئی بکھرتی تھی۔

ماماں جعفر اس کے برابر میں سرنگوں اپنے مٹکے کے تنگ دہانے پر جھکا اس پر یوں تھاپ دیتا تھا کہ ایک گھنی طبلہ نما گہری گونج دھڑکتے دل کی طرح دھک دھک کرتی اٹھتی تھی اور عرش پر دستکیں دیتی تھی۔



پکھی الاؤ سے ذرا ہٹ کر ریت میں دھنسی بیٹھی تھی اور الاؤ کی جتنی روشن بھڑک اس تک پہنچتی تھی اس کے چہرے مہرے پر پھیلتی اس کی تاریک آنکھوں میں جا جذب ہوتی تھی اور انہیں اندھیرے میں غیر مرئی طور پر چمکتی دہکتی کسی بلّی کی آنکھوں ایسا کرتی تھی... وہ خود کم دکھائی دیتی تھی پر اس کی آنکھیں ٹاپو کی تاریکی کے اوپر معلق جلتی بھڑکتی دکھائی دیتی تھیں..

اور صاحب تھا.. جو اس منظر میں بے جواز تھا..

اس کائنات کا نہ تھا.. کسی اور سیارے سے اترا ہوا بے جوڑ اجنبی تھا اور اس منظر میں ایک پیوند لگتا تھا..

ستارے کی لَو یہ سب کچھ دیکھ کر انہی قدموں پر پانیوں پر لشکتی واپس چلی جاتی تھی..

مُلاحا ہالی نہ بیڑی ٹھیل ساہڑے یار ونجنا . . .

ماماں اور بھانجا دونوں اپنے چٹے سفید دانت گھور اندھیرے میں لشکاتے 'جبڑے وہاں تک کھولے جہاں تک ان کے گلے کی گھنڈی تھر تھراتی نظر آتی تھی... منہ پھاڑے گا رہے تھے اور اپنے مہانے ساز... پرات اور مٹکا بجا رہے تھے.. بے خود اور مست اُن پر جھکے ہوئے تھے اور گا رہے تھے.. ملاحا... حا... حا..... وہ حا حا کو طول دیتے چلے جاتے اور پھر یکدم سر جھکا کر اپنے مٹکے اور پرات کو پیٹنے لگتے... بیدردی سے مگر سُر کے اور تال کے اندر اندر... ہالی نہ بیڑی ٹھیل ساہڑے یار ونجنا.. یار ملاح ابھی کشتی کو سندھ سائیں کے پانیوں پر رواں نہ کرنا کہ ابھی تو میرے یار نے بھی پار جانا ہے...

خاور ریت پر بچھے اپنے سلیپنگ بیگ پر گوٹھ مارے بیٹھا نیند سے بے بس ہوتا ڈھے رہا تھا.. اسے اس چوہیا نے پچھلی شب سونے نہ دیا تھا.. یہ مہانے بھی بے مہار ہوتے تھے اور اسے سونے نہ دیتے تھے.. ان کے چہرے الاؤ کے مقابل جیسے تیل سے پوچے ہوئے ہوں یوں لشکتے تھے.. جیسے وہ کوئی افریقن جادوگر طبیب ہوں اور اپنے پرکھوں کی روحوں کو بلانے کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر ایک بے اختیار روحانی کرب میں مبتلا گاتے جا رہے ہوں... ان کی لے میں بھی ایک قدیم.. جان بُوجھ کی سلطنت سے پرے کا خوف تھا جو تاریکی میں ڈوبے سرکنڈوں میں سے سرسراتا آتا تھا اور پھر ان کے ہاتھوں کے راستے ان کے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



خود ساختہ سازوں میں منتقل ہوتا تھا۔۔

گنبد نما خیمہ جو خاور کا مسکن تھا اس بیٹھک سے اتنا پرے تھا کہ نظر وہاں تک جاتے جاتے تاریک ہو جاتی تھی۔۔

اُس کے ذہن میں اس آبی سفر کا جو تخیل تھا اس میں ایک سست روی تھی پانیوں پر ہلکورے لیتی ہوئی اور پھر تنہا اور الگ تھلگ راتیں تھیں۔۔ مہانوں کے لشکتے ہوئے مہاندرے اور مچھی کے جوڑے کو لے اور اس قسم کی موسیقی سے دھڑکتی ہوئی راتیں نہ تھیں۔۔

آج شکار نہیں ملا تھا اور ان کے لیے سب بیکار ہو گیا تھا۔۔

شادی اتے سجناں دی تاہنگ رہندی اے

شادی تے تیاری اے دل دار سجناں... ملاحا... حا.. حا..ہائی نہ بیڑی ٹھیل...

جو خود ملاح تھے وہ بھی ملاح کی خدمت میں درخواست گزار رہے تھے کہ ابھی تو کشتی کو نہ ٹھیلنا.. ساڑھے یار و نجناں..

تاریکی اترنے سے پیشتر انہوں نے سامان کشتی میں سے اتار لیا تھا۔۔

تال تیرتی تھی پانیوں پر جلتے ستاروں کو بجھاتی تھی... پھر جلاتی تھی۔

تاریکی اتری تو ان کا چولہا روشن ہو چکا تھا اور دیگچی میں برمانی کے ڈیرے پر آج صبح تک کڑکڑاتی مرغی دیسی گھی میں... جو جل اٹھتا تھا یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتی تھی... لیکن ڈوئی پر بند مٹھی پکھی کی نہ تھی سرور کی تھی.. کھانے سے فارغ ہو کر گویا وہ صاحب کی غلامی سے آزاد ہو گئے تھے' اس کے ساتھ مکمل غفلت برتتے وہ اٹھے' سرور اور جعفر... اور ناپو کے ایک ریتلے ٹیلے پر جا بیٹھے اور تھوڑی دیر بعد ادھر سے گھنگھروؤں کے چھن چھن کی آواز ایک تسلسل کے ساتھ آنے لگی تھی.. وہ دونوں بڑی خاموشی سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور سرور نے دوری کو تھام رکھا تھا اور ماماں جعفر ڈنڈے سے اس کے اندر جو بوٹی تھی اسے گھوٹتا جاتا تھا.. ڈنڈے کے اوپر گھنگھرو بندھے تھے اور وہ ماماں کے تجربہ کار ہاتھوں کے تحرک کے ساتھ چھن چھن بجتے تھے۔۔

بوٹی تیار ہونے پر وہ اپنے ٹیلے سے اتر کر اس کے پاس آئے "سائیں بوٹی پیو گے؟"

"نہیں.. تم پیو"

"سائیں چس آ جائے گی ایک گھونٹ تو بھرو.. سندھ سائیں کے بیلوں میں اگنے



والی خاص بوٹی ہے... اندر جاتی ہے تو مشک مچا دیتی ہے۔"

"نہیں..."

اور اب بوٹی نے ان کے اندر مشک مچار کھا تھا اور وہ اپنی اپنی تال کی دھمک میں ڈوبتے جھومتے اور مگن ہوتے تھے پر ایک بھی ہاتھ بے سُرا نہیں پڑتا تھا۔۔

الاؤ کے گرد خاور' سرور اور جعفر ایک چھوٹی سی روشن پر شور دمکتی ہوئی کائنات تھے اور ان کے چار چفیرے اگرچہ سندھ تھا اس کے جنگل بیلے اور آسمان تھا لیکن وہ سب رات کے بلیک ہول نے نگل لیے تھے.. لیکن جب بھی وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا تو اس بلیک ہول میں اسے دو آنکھیں جلتی اور جھپکتی دکھائی دیتی تھیں.. سندھ کے دوپٹے پر جو نکیش ٹمٹماتی تھی ان سے الگ ہوتی تھیں اور مگن تھیں اس یقین میں کہ ان کا جادو ٹونا کبھی نہ کبھی اثر کرے گا.. وہ آنکھیں اس کی کمر میں چھید ڈالتی تھیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مڑ کر ادھر دیکھ لیتا تھا۔۔

سرور اور جعفر بے تکان تھے.. ان کے اندر مشک مچاتی بوٹی ان کے ہاتھوں کی گردش اور گلے کے لوچ میں ڈھلتی تھی.. یکدم ان دونوں کے ہاتھ رک گئے.. جہاں تھے وہیں ساکت ہو گئے اور جبڑے کھلے کے کھلے رہ گئے اور آواز کا بہاؤ ختم ہو گیا.. گھپ اندھیری خاموشی اتری جس میں الاؤ میں جلتی ٹہنیوں کی انگارہ ٹوٹ پھوٹ اور سندھ کے پانیوں کی دھیمی سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔۔

کنارے کے پانیوں پر موٹی موٹی آنکھیں رکھے کوئی مینڈک زور زور سے ٹرانے لگا۔۔

سرور نے اپنی پرات ریت پر اوندھی کی اور کھڑا ہو گیا.. اپنے پورے جثے کے ساتھ سننے لگا اور پھر سندھ کے نکیش ٹانکے دوپٹے کی جانب اشارہ کر کے کہنے لگا "ادھر تو فہیم آیا کھڑا ہے سائیں.."

"کون؟" وہ پرات اور مٹکے کی تال کے یکلخت ٹوٹنے اور خاموشی کے گرنے سے ابھی مفاہمت نہ کر پایا تھا۔۔

"فہیم سائیں"

اس نے اپنے آپ کو دھنستی ریت میں سے بمشکل الگ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا.. اور

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اسے بہت دقت ہوئی گھٹنوں پر بہت زور پڑا.. وہ اٹھا تو ان سالخوردہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سیدھا ہوا.. ڈاکٹر طاہر درست ہی کہتا تھا.. تمہیں اپنے بدنی زوال سے سمجھوتہ کرلینا چاہئے.. یو ہیو ٹو لیو وِد اِٹ!

"کون؟" اس نے پھر پوچھا..

"آپ کا باورچی سائیں.. وہ آیا کھڑا ہے"

"کہاں آیا کھڑا ہے.." اس نے جھلا کر کہا کہ اس کے سامنے دور دور تک سندھ ساگر کی چادر پر جلتے بجھتے بے انت دیئے تھے...

"وہاں..."

وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے.. مسکراتے کنارے کی طرف بڑھنے لگے اور وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا..

کنارا پانی کی سطح سے خاصا بلند تھا.. اور بھر بھرا تھا.. اس لیے وہ ذرا ادھر رُک گئے..

وہ دونوں سامنے دیکھنے لگے اور وہ کچھ بھی دیکھتا نہ تھا اس لیے بے بسی سے سننے لگا.. خاموشی میں کنارے کی ریت کا کوئی حصہ ڈھے جاتا اور اس سکوت میں جس میں دھیمی رواں سرسراہٹ تھی اور ایک مینڈک ٹراتا تھا دھڑام کی سی ایک آواز آتی۔

وہاں' جدھر وہ اشارے کرتے تھے' وہاں پانیوں میں سوائے نیم تاریک ٹمٹماہٹ کے اور بے انت تاریکی کے اور کچھ نہ تھا' پر وہ ادھر دیکھتے تھے اور اشارے کرتے تھے۔

ایک طویل مدت کے بعد رہتلے اور اونچے کنارے کے عین نیچے گہرائی میں' پانیوں کی سیاہ چادر میں سے ایک آسیب نما شے نمودار ہوئی' ہولے ہولے باہر آئی اور پھر نیچے سے ایک انسانی آواز آئی "ہوئے سرور..."

"ادھر اُوپر آئے کھڑے ہیں سائیں.." سرور نے نہایت پراشتیاق لہجے میں تاریکی کے اندر جھانکتے ہوئے آواز دی۔

"ہوئے فہیم.." جعفر بھی آگے ہو گیا۔

وہ آسیب پانیوں میں سے نکلا.. اوپر دیکھا اور پھر بھر بھرے کنارے پر چڑھتا پلا ہنکیں بھرتا' اوپر ان تک آ پہنچا..

اس کے سر پر گٹھڑی تھی جسے اس نے ایک ہاتھ سے تھام رکھا تھا.. وہ الف ننگا تھا



اور بری طرح ٹھٹھر رہا تھا اور لرز رہا تھا اور اس نے اپنی برہنگی کو چھپانے کے لیے' کسی حد تک ڈھکنے کے لیے دوسرے ہاتھ سے ایک پھولی ہوئی ربڑ ٹیوب کو اپنے درمیانی حصے کو ڈھانپ رکھا تھا..

"سلام سائیں.." وہ خاور کے قریب ہوا۔

"وعلیکم السلام..."

"سائیں دیری ہو گئی.." اس نے گٹھڑی سر سے اتار کر سرور کو تھما دی اور ٹیوب ریت پر رکھ کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا" معافی کا خواستگار ہوں.."

"کوئی بات نہیں.."

"سائیں دراصل.." وہ کولہے پر ہاتھ رکھ کر کچھ تفصیل میں جانے کو تھا کہ ہاتھ کے نیچے اپنے ماس کو محسوس کر کے اسے یکدم اپنی مکمل بے لباسی کا خیال آیا اور اس نے فوراً جھک کر اپنی ٹیوب اٹھائی اور اپنے اگلے پورشن کو پوشیدہ کر لیا" اُدھر برمانی سائیں ہمارے بیلی ہیں تو انہوں نے حکم دیا تھا کہ آج دوپہر غازی گھاٹ کے پل کے نیچے پہنچنا ہے اور آپ کے ساتھ سندھ میں جانا ہے پر سائیں سکول انسپکٹر صاحب اچانک دورے پر آ گئے تو مجھے رُکنا پڑا... جماعت بھی چھوٹی نہیں آٹھویں ہے تو مجبور ہو گیا رُکنے کے لیے.. ورنہ سائیں برمانی کا بلاوا ہو تو میں واوروے کی طرح نہ پہنچوں تو کیسا بلوچ ہوں' پٹھان ہوں سائیں.. تو غازی گھاٹ دیر سے پہنچا ہوں تو مہانوں نے بتایا کہ سرور کی کشتی تو کب کی نکل چکی ہے... تو میں بھی نکل گیا..."

"تم اس ٹیوب کے سہارے تیرتے ہوئے ہم تک آئے ہو؟" خاور نے بے یقینی سے دریافت کیا۔

"ہاں سائیں.. نارمل بات ہے" اپنی ستر پوش ٹیوب کو ذرا پچکا کر وہ قدرے شرمندگی سے ہنسنے لگا "میں اُدھر سے پانیوں میں اُتر تو گیا پر یکدم اندھیرا تو یوں چھایا ہے جیسے کربلا کی بیبیوں پر رات آ گئی ہو.. میں مولا کا نام لیتا تیرتا رہا.. ابھی آپ کے ٹاپو سے بہت دور سائیں سندھ میں ڈولتا بہہ رہا تھا کہ میرے کانوں میں سرور کی آواز آئی کہ... ملاحا... حا.. ہائی نہ بیڑی ٹھیل ساڈھے یار ونجاں... تو میں اس کی آواز پر کان دھرتا ادھر کو تیرنے لگا... پھر مجھے ٹاپو کے درمیان میں بج کی روشنی دکھائی دی تو میں ادھر آ گیا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



..سوری سر! مجھے دیر ہو گئی... آپ نے کھانا کھا لیا ہے؟..اگر نہیں تو ابھی جو آپ کے من کی مرضی ہے وہ پکاتا ہوں..."

"اس حالت میں..پکاتے ہیں؟" خاور کو بھول گیا کہ وہ اس آبی سفر پر کیوں نکلا ہے..وہ کہاں سے آیا ہے..اور اس کے اندر زندہ رہنے' بدن میں زوال کی گھنٹیوں کے بجنے کے باوجود اس زندگی کے لیے ایک کشش پیدا ہوئی جس میں ملاح سے درخواست گزار ملاح تھے اور اس کے سامنے سندھ کے مکیش بھرے دوپٹے میں سے ابھر کر آنے والا آسیب فہیم کی صورت میں تقریباً ننگ دھڑنگ کھڑا ٹھٹھرتا تھا اور کہتا تھا.. آپ نے کھانا کھا لیا ہے' نہیں تو..اس لیے کہ اسے سندھ کنارے حیاتی کرنے والوں کی اس آبی آشنائی اور پانی سے محبت اور اسے گھر سمجھنے کی جبلت سے آگاہی نہیں ہوئی تھی.. مرشد اور مرید یک جان تھے ان میں کوئی حجاب نہ تھا..

فہیم ایک ٹیوب کے سہارے شیر دریا میں اتر گیا تھا اور انہیں شب کی تاریکی میں تیرتا ڈھونڈتا پھرا تھا.. جیسے وہ ایک سکوٹر پر سوار گلبرگ یا ڈیفنس میں کسی گھر کو تلاش کرتا ہو..

فہیم نے اس کے یہ دریافت کرنے پر کہ...اسی حالت میں..."سوری سائیں" کہا اور پھر اپنی گٹھڑی اٹھا کر ٹیوب سنبھالتا کنارے سے دور تاریکی میں چلا گیا...

واپس آیا تو ملبوس تھا.. لیکن ابھی تک ٹھٹھر رہا تھا..

"آپ سکول میں ٹیچر ہو؟"

"جی سائیں..ایک معمولی مدرس ہوں..مجھے بھی سندھ سائیں میں گھومنے کا' آوارگی کا اور تیرنے کا چسکا ہے... کبھی کبھار برمانی سائیں کے ہمراہ کشتی میں بھی نکلتا ہوں..کھانا وانا بنانے کا بھی شوق ہے..باورچی تو نہیں ہوں پر یار بیلی کہتے ہیں تو مچھلی اور مرغابی بناتا ہوں تو وہ پسند کرتے ہیں..گھر میں ہوتا ہوں ناں سائیں تو گھر والی کی ہانڈی کے قریب سے بھی نہیں گزرتا..پھر ادھر سندھ میں نکلتا ہوں تو کھانا بنانے میں چس آتی ہے..تو برمانی سائیں نے کہا کہ میرا ایک بیلی آیا ہے تو پہنچو..میں پہنچ گیا..ذرا دیری ہو گئی۔"

"تھینک یو فہیم۔"



سرور نے الاؤ کی راکھ میں بدلتی ٹہنیوں اور لکڑی کے مڈھ کو الٹ پلٹ کر چھیڑا تو ان میں سے' بجھتے ہوئے الاؤ میں سے پستہ قد شعلے نکلنے لگے..حدت بڑھ گئی..

فہیم دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی گرمی کو اپنی سکڑتی پانیوں کی یخ سے نیلی پڑتی ہتھیلیوں میں جذب کرنے لگا..

فہیم کے آنے سے سرور اور جعفر نے اپنے وجود کو منظر سے خارج کر لیا تھا..بولتے نہ تھے..

"کتنے روز سفر کا ارادہ ہے سائیں.."

"پتہ نہیں..."

"ہاں..." فہیم کی کپکپی کم نہ ہوئی تھی اور اس کی انگلیاں بھی کانپتی تھیں اگرچہ وہ انہیں بار بار الاؤ کے اندر جھونک دیتا تھا" برمانی بھی کہتا تھا کہ پتہ نہیں..میں اپنے ہیڈ ماسٹر کو درخواست دے آیا ہوں کہ نانی صاحبہ علیل ہیں اور کیا پتہ کب تک علیل رہیں..تو پروا نہیں' کوئی مسئلہ نہیں..کہ کب تک۔"

جونہی اس کے بدن میں سے پانیوں کی یخ کو الاؤ کی گرمی نے چوسا' اس کی ہتھیلیاں سیدھی ہوئیں' اس کی کپکپاہٹ کے تسلسل میں وقفے آنے لگے تو وہ چھٹی سے واپس آنے والے . . .ڈیوٹی پر واپس آنے والے کسی نائب صوبیدار کی مانند چوکنا اور چوکس ہو گیا... صورت حال کا سرسری جائزہ لے کر احکامات جاری کرنے لگا...سرور... تم نے صاحب کا ٹینٹ ادھر کنارے کے اوپر لگایا ہے..کنارا تو گرتا ہے اور بھرتا ہے یار..ادھر کیوں لگایا ہے..کھانے کے بعد صاحب کے لیے چائے بنائی تھی؟ سارا سامان کشتی سے باہر لا کر ٹاپو پر ڈھیر کر دیا ہے؟..رات کو بارش کا کیا پتہ' آ جائے گی تو بھیگ جائے گا' یار...اسے اندر رکھو... آٹے کی بوری باہر پڑی ہے اسے کنستر میں ڈالو سائیں..لیکن پہلے صاحب کا خیمہ کنارے سے اکھاڑ کر ادھر لے آؤ ٹاپو کے درمیان میں.."

سرور اور جعفر بے دام غلاموں کی مانند اٹھے..

"نہیں..اس کی ضرورت نہیں.." خاور نے ہاتھ بلند کر کے کہا "میں خیمے کے اندر رات نہیں کروں گا..باہر سوؤں گا..موسم ایسا ہے کہ باہر سوؤں گا۔"

"باہر تو تریل گرے گی سائیں..بدن کو اکڑا دے گی۔"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"میں اتنا بوڑھا بھی نہیں کہ باہر سونے سے بدن اکڑ جائے..." اس کے لہجے میں تلخی تھی..

یہ اتنا فوری رد عمل تھا کہ اسے بھی احساس نہ ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے.. زوال عمر کو اس نے اپنے اعصاب پر سوار کر لیا تھا۔ اپنی پشیمانی دور کرنے کے لیے اس نے فہیم کے کندھے پر ایک دوستانہ تھپکی دی "میرا جی چاہتا ہے باہر سونے کو... میں آج تک یوں کھلی فضا میں نہیں سویا.."

فہیم اس کے لہجے کی تلخی اور پھر اسے پشیمانی میں بدلتے محسوس نہ کر سکا اور لاپروائی سے بولا "حرج نہیں ہے.. ادھر سندھ کی ریتوں میں کوئی کیڑا سانپ وغیرہ نہیں ہوتا ان دنوں... آپ کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے سائیں' برمانی نے بہت تاکید کی تھی۔"

اس دوران سرور اور جعفر ان دونوں کو دم سادھے تکتے رہے.. انہیں یوں چپ اور سلگتے الاؤ کی روشنی میں مدھم مدھم جلتے بجھتے دیکھ کر اس پر ایک عجیب حقیقت منکشف ہوئی... یہی دو مُہانے جو آج دوپہر پہلی نظر میں اسے بے وقعت کیڑے مکوڑے سے لگے تھے جن کی رفاقت میں سفر کرنے اور خاص طور پر راتیں گزارنے کے خیال سے اسے ہول اٹھا تھا' ڈر لگا تھا بلکہ ایک خاص حد تک کراہت محسوس ہوئی تھی وہی دو شخص اب اس لمحے الاؤ کی سلگاہٹ میں اسے خوبصورت لگنے لگے تھے..

ان کی بدصورتی اور کراہت سے ایک دھجّی تب اتری تھی جب انہوں نے کمال مشاقی سے کشتی کے کناروں پر دوڑتے بانس کو پانیوں کی تہہ میں اتارتے اسے رواں کیا تھا.. یہ ایک ایسا عمل تھا جو ہر کس و ناکس کے بس میں نہ تھا.. اسے سیکھا نہیں جا سکتا تھا.. یہ کئی نسلوں سے ان کے اندر پرورش پاتا ان کے بدنوں میں مکمل ہوا تھا... جیسے بطخ کا بچہ اپنی دم ہلاتا پہلی بار پانیوں میں اترتا ہے تو وہ خود نہیں تیرتا بلکہ اس کی نسل کی جبلت تیرتی ہے.. اسی طور ایک اور دھجّی تب اتری تھی جب سرور اپنے تولے کی اوٹ میں مرغابیوں کے قریب جانے کے لیے ایک جھاڑی کی مانند بے آواز تیرتا جاتا تھا.. پھر دم رو کے مچھلی کا دم روکنے کے لیے جال اٹھائے پانی پر نظریں جمائے بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا.. پل بھر میں ادھر ادھر سے ٹہنیاں اور مُدھ تلاش کر کے انہیں ریت میں سے کھود کر ان دونوں نے الاؤ دہکا دیا تھا.. چولہا سلگایا



تھا' کھانا تیار کیا تھا.. مٹکے کے منہ پر ململ کی ایک دھجی لپیٹ کر اسے آٹے سے پوت کر ایک ایسا ساز بنا لیا تھا' جس کی دھمک دل کے ساتھ ساتھ دھک دھک کرتی تھی اور سر سے باہر نہیں ہوتی تھی.. پرات پر ایسے ہاتھ چلتے تھے کہ ام کلثوم کے آرکسٹرا کے سب سے اہم سازندے دف نواز کی ردھم سے بھی وہ دو ہاتھ آگے چلے جاتے تھے اور پھر وہ گاتے بھی تھے' بے دھڑک اور مست اور کھلی آزاد آوازوں میں..

ان کی بظاہر بدصورتی کی ساری دھجیاں ایک ہی دن میں اتر گئی تھیں اور وہ خوبصورت لگنے لگے تھے.. اس لیے کہ وہ اپنے عناصر کا ایک حصہ تھے' ان سے الگ نہ تھے' پانی کا ٹوٹنگ تھے اور اس میں زندگی کرنے کے طور طریقے ان کے خون میں رچے ہوئے تھے' یہی وصف انہیں من موہنا بناتا تھا اور عناصر کی مانند سوہنا بناتا تھا.... آج دوپہر سفر کے آغاز پر وہ شکل والے نہ تھے اور خاور تھا اور اب ان کی شکل تھی اور وہ بے شکل ہو گیا تھا کہ ان عناصر سے جڑا ہوا نہ تھا.. وہ دریا کی مخلوق تھے اور خاور ان سے الگ تھلگ کوئی اور مخلوق ان کا مشاہدہ کرتا تھا' حساب کتاب رکھنے والا شخص تھا عناصر میں جذب ہو کر ان کی خوبصورتی کا حصہ نہ بن سکتا تھا..

"بوٹی تے پیسو فہیم.." سرور نے تاریک سکوت کو توڑا۔

"ہے؟" فہیم شاید اسی پیشکش کا منتظر تھا۔

"کیوں نہیں ہے سائیں.. بوٹی تو تمہاری ہی راہ دیکھتی کھڑی ہے.." اس نے سِلور کا ایک چبا اور پچکا ہوا گندا سا گلاس فہیم کی طرف بڑھا دیا.. فہیم نے نہایت اشتیاق سے گلاس تھاما اسے ہونٹوں تک لایا اور پھر کچھ سوچ کر بنا گھونٹ بھرے خاور کی طرف بڑھا دیا "آپ پیو سائیں۔"

"نہیں... میں نے کبھی نہیں پی.."

"تو اب پی لو.."

"نہیں.. میں"

"بے ادبی ہو گی سائیں.." فہیم اپنے علاقے کی طبع کے مطابق خوش مزاج ہو گیا "سندھ ساگر کے بیلوں کی بوٹی ہے کوئی معمولی شے نہیں.. اور بنائی بھی جعفر نے ہے خشخاش' الائچی اور کالی مرچ گھوٹ کر.. کیوں ماماں؟... ہمارے گھروں میں تو مائی باپ اور

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نیانے بھی پیتے ہیں سائیں اس ساوی کو...اسی کے بارے میں تو کہاوت ہے ناں کہ...دِنیں گھوٹیاں تے راتی پیتیاں۔ لوکی کہندے مر گئے نیں اساں اللہ نال گلاں کیتیاں.."

"میں ابھی مرنا نہیں چاہتا.." اگرچہ اس نے بھی خوش مزاجی سے ہی انکار کیا لیکن ایک بار پھر لاشعوری طور پر اس میں عمر کا سفر در آیا تھا۔

فہیم نے بوٹی بھرا گلاس لبوں سے لگایا اور ڈیک لگا کر حلق میں اتار لیا..

دھام...دھم دھم...دھام...سرور پھر سے اپنی پرات کو بغل میں داب کر اسے ایک دف کی طرح بجانے لگا..اور ماماں جعفر اپنے مٹکے کو ٹانگوں کی کنڈلی میں جکڑ کر اس پر تھاپ دینے لگا..

ملاحا...حا..حا..ہالی نہ بیڑی ٹھیل ساڈے یار ونجاں

سندھ کے پانیوں پر ناگی مکیش پھر سے جھلملانے لگی' ڈوبنے اور ابھرنے اور آنکھیں جھپکانے لگی..

ملاحا...حا...حا..



گئی رات میں پالا اُترتا تھا۔

تریل اُس کے چہرے کو جو گہری نیند میں تھا بے آواز بھگوتی اور سرد کرتی تھی۔

جس ریت پر وُہ سلیپنگ بیگ ڈالے گھوک سوتا تھا وہ بھی ٹھنڈی ٹھار ہو چکی تھی..

پانی اور ریت ایک شدید سرد جماؤ کے ٹھہرے ہوئے سکوت میں آئے ہوئے تھے۔

الاؤ کی راکھ کب کی سرد ہو چکی تھی اور نہ دکھائی دیتی تھی اور نہ اپنا کوئی پتہ دیتی تھی کہ وہاں کبھی اس راکھ کے سوا کچھ اور بھی تھا۔

خاموشی کی گھنی چادر میں کوئی ایک تار بھی ایسا نہ تھا جس میں ذرہ بھر سراسراہٹ ہو۔ سکوت بھرے اندھیرے نے ہر شے کو ایسے ڈھانپ رکھا تھا جیسے کسی شے کا کوئی وجود نہیں۔

نیند بھی گہرے سمندروں کی تہہ کی ریت ہوتی ہے' سطح آب پر بے شک آبی پرندوں کے غول غل مچائیں ان کی آواز اس تہہ تک پہنچتی پہنچتی مدھم ہوتی دم توڑ دیتی ہے اور اس ریت کا ایک ذرہ بھی کروٹ نہیں بدلتا..ہاں اس ذرے کے وجود میں کہیں ایک نامعلوم ارتعاش اسے خبر کر دیتا ہے کہ سطح سمندر پر کوئی بولا ہے..ایسے ہی کوئی نامعلوم لہر بہت مدھم معدوم ہوتی اس کے کانوں میں آ رہی تھی..بہت آہستہ مگر ایک تسلسل والی ٹھک ٹھک تھی..کبھی وہ بہت گہری اور بے آواز ہو جاتی اور کبھی سنائی دینے لگتی...اس کی آنکھ کھل گئی..

تاریکی کے ایک گنبد میں بند' اس کے تلے گم سم وہ لیٹا ہوا تھا اور ایک آواز آ رہی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



تھی' ٹھک ٹھک. اس نے سر اٹھا کر آس پاس دیکھنے کی کوشش کی.. الاؤ کی راکھ سے پرے کشتی تھی جو ایک رسے سے بندھی ہوئی تھی لیکن بار بار کنارے سے ٹکراتی تھی' ایک آہستگی ایک طے شدہ ردھم کے ساتھ' ٹھک ٹھک... کیا سندھ کے پانی چڑھ رہے ہیں جو کشتی یوں ڈول رہی ہے' شاید کوئی سیلاب آنے کو ہے... ٹھک ٹھک... کشتی کنارے سے ذرا ہٹتی' وہ رسہ تن جاتا جس کے ساتھ اسے باندھا گیا تھا اور پھر وہ کنارے کی ریت سے آ ٹکراتی.. ہوا کا ایک سانس تک نہ تھا.. اور پھر بھی کشتی قائم نہ رہتی تھی..

"سرور..." وہ سلیپنگ بیگ میں سے نکل کر اٹھ کر بیٹھ گیا "ہو سرور"

وہ سب بھی نیند میں روپوش تھے. کوئی ٹیلے پر.. کوئی ریت کے کسی ابھار کی اوٹ میں.. بوٹی کی مشک میں گم سوتے تھے.. سرور اور پکھی کشتی میں تھے.

کشتی بے طرح ڈولنے لگی' جیسے ابھی ایک حدت پر آئے ہوئے جانور کی طرح رسہ تڑا کر آزاد ہو جائے گی..

"ماماں جعفر..."

تھوڑی دیر کے بعد.. اور اس دوران رات' سردی اور تاریکی کسمساتی رہی.. کہیں دور سے ایک مشک بھری آواز اس تک پہنچی "جی سائیں..."

"کشتی ڈول رہی ہے.. کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"جی سائیں؟" پھر سوال ہوا.

"کشتی کنارے سے ٹکرا رہی ہے. کہیں اوپر سے پانی تو نہیں آ رہے؟"

"نہیں سائیں.." جعفر کی آواز خمار اور بیزاری میں گندھی ہوئی آئی "ہل جل کے کام میں کشتی تو ڈولتی ہے ناں سائیں.. سو جاؤ' یہ پانی ابھی اتر جائیں گے."

کشتی کی حرکت کو وہ اس تال سے ملاتا رہا جو کبھی اس کے بدن پر وارد ہوتی اور ایک تسلسل کے ساتھ دستک دیتی..

پھر کشتی کے ٹکراؤ میں وقفے آنے لگے..

اس کی نیند اچاٹ ہو گئی تھی.. بہت تردد اور کوشش کے باوجود' بھیڑوں کی گنتی کرنے سے لے کر تسبیح کا ورد کرنے تک اس نے اپنے آپ کو نیند کی مدہوشی میں لے جانے کے تمام حربے آزمائے مگر اس کی آنکھیں کری ہو گئیں اور ہر کروٹ کے ساتھ نیند سے



مزید خالی ہوتی گئیں.. وہ بازو پر سر رکھے' ریت کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا' اندھیرے میں گھورتا' آسمانی گنبد میں سجی ٹمٹماتی بارات کو دیکھتا لیٹا رہا.. اور پھر اسے خیال آیا کہ آبی سفر کے اس الجھاؤ نے.. عام زندگی سے یکلخت کٹ جانے کے بعد اس نے عام زندگی کو بھلا دیا تھا.. اپنے بلڈ پریشر کو نارمل رکھنے کے لیے روزانہ کی گولی نہیں نگلی تھی.. اور ایک ناغے کی پاداش میں اگلی صبح اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو جاتا تھا' دل کی دھڑکن بے قابو ہو جاتی تھی... آپ اپنی پچھلی زندگی کی ہر شے پیچھے چھوڑ آتے ہیں لیکن بیماریاں آپ کے ساتھ چلی آتی ہیں' آپ انہیں بھول جانے کی سعی بے شک کریں لیکن وہ آپ کو فراموش نہیں کرتیں.. اس نے اپنی جیب کو ٹٹول کر اطمینان کیا کہ وہاں زفرول کا پتہ موجود ہے اور پھر جعفر کو آواز دی.. اس کے "جی سائیں" کے جواب میں مزید بیزاری تھی.. خاور نے ایک لجاجت بھری سرگوشی میں کہا "ماماں مجھے پانی چاہیے.. میں نے دوائی کھانی ہے"

جعفر اپنے بدن کو کھجلاتا قدرے مدہوش ڈولتا ہوا تاریکی میں سے نمودار ہوا "سائیں آپ ذرا ڈھارس رکھو.. میں نیچے جا کر دریا سے کچھ پانی بھرتا ہوں تمہارے واسطے..."

"نہیں نہیں.. وہ تو گدلا اور آلودہ ہو گا" اسے یاد آیا کہ سامان کی فہرست میں اس نے خاص طور پر منرل واٹر کی بوتلیں لکھوائی تھیں لیکن برمانی نے ان پر لکیر کھینچ دی تھی.. خاور سائیں آپ سندھ سائیں کے پانیوں کی بے عزتی تو نہ کرو.. آپ کے معدے کو وہ کچھ نہیں کہیں گے بلکہ زیادہ پکا کریں گے.. پر سندھ سائیں کے پانی ایسے تھے کہ انہیں دیکھ کر اس کا دل کچا ہوتا تھا.. اس نے مہانوں کے بچوں کو ان کے کنارے فارغ ہوتے دیکھا تھا.. اس کی گدلاہٹ میں بہت کچھ زندہ اور مردہ تیرتا تھا.. وہ ان عناصر کا جز نہ تھا کہ وہ اس پر اثر نہ کرتے "ماماں جعفر تم لوگ اپنے ساتھ صاف پانی نہیں لائے؟"

جعفر نے اپنا سر کھجایا پھر بدن کے دیگر حصے کھجائے "دریا ساتھ ہے تو پانی ساتھ کیوں لانا تھا سائیں.. مہانوں کے پاس نلکے ٹونٹیاں تو نہیں ہوتے.. ہم لوگ تو ڈیرہ جاتے ہیں تو ٹونٹی کا پانی نہیں پیتے اس میں بیماری ہوتی ہے' مٹکے میں سائیں سندھ کا پانی ساتھ لے جاتے ہیں.. ہم جس پانی کے پونگ ہیں اس میں رہتے ہیں اور اسی کو پیتے ہیں."

"ڈیم اٹ تم پانی کا پونگ ہو پر میں تو نہیں ہوں.." وہ دانت کچکچا کر بڑبڑایا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"سائیں کیا کہتے ہو؟" جعفر نے جھک کر دریافت کیا۔

"ادھر کوئی صاف پانی ہے یا نہیں؟"

اس کی ناراضگی کا جعفر پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ آنکھیں ملتا ہوا اس کے پاس گوٹھ مار کر بیٹھ گیا "تھوڑی سی بوٹی بچی ہے سائیں.. اس سے ستھری دنیا میں کوئی شے نہیں.. اس کے ساتھ دوائی کھالو تو مشک آجائے گی سائیں.."

یہ کمبخت بوٹی جو ہے کم از کم الکوحل کی طرح جراثیم وغیرہ سے تو پاک ہو گی..

پہلی بار اس اندھیرے میں جس میں سندھ کے دوپٹے میں ٹانکی گئی مکیش رات کے اس پہر اب مدھم پڑتی تھی جیسے ایک عرصے سے کسی صندوق میں پڑی پڑی اپنی لو کھو چکی ہو اس نے بلڈ پریشر کی گولی منہ میں رکھ کر سلور کے پچکے ہوئے گلاس میں سے بوٹی کا ایک گھونٹ بھرا... عجیب کچا سا سواد تھا.. جیسے چارے کے کھیتوں میں ہریاول کی باس ہوتی ہے.. ہری ہری اور بے ذائقہ... گولی حلق میں آسانی سے اتر کر بدن کے گنجلک نظام میں کہیں اتر گئی.. لیکن پھر بھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اٹکی ہوئی ہے.. اس نے گلاس سیدھا کر کے فہیم کی طرح ایک ہی ڈیک میں خالی کر دیا..

جعفر جدھر سے آیا تھا ادھر ڈولتا ہوا روپوش ہو گیا..

ریتلے کنارے سے کشتی ایک اڑیل بھینسے کی مانند بار بار پیچھے ہٹتی تھی اور پوری قوت سے سر ٹکراتی تھی... اور ریت بُھرتی دریا میں گرتی تھی۔

نیند نے اسے مکمل طور پر تیاگ دیا تھا..

اس کی کوری آنکھیں بند نہ ہوتی تھیں..

بارہ کہو کے گھر میں بھی ایسی راتیں بہت آتی تھیں.. وہ اپنے بستر سے الگ ہو کر ٹیبل لیمپ آن کر کے کوئی کتاب پڑھنے لگتا تھا.. گزری ہوئی زندگی کے ان لمحوں کی تصویریں دیکھنے لگتا تھا جب اس کی بیٹیاں اس پر انحصار کرتی تھیں اور اس کے بدن سے لپٹ کر کبھی بھی جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں.... اور اب وہ ان کے لیے تقریباً معدوم ہو چکا تھا.. ان کے بچے اب ان کے بدن سے لپٹ کر تصویریں اترواتے تھے اور وہ بھی ان سے کبھی جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے..

اس نے اپنے آپ کو سلیپنگ بیگ سے الگ کیا... کشتی کی ٹھک ٹھک ابھی جاری



تھی.. اٹھا اور اٹھتے ہوئے قدرے لڑکھڑایا.. کہ اس نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو سیدھا نہیں کیا تھا اور پھر ریت میں اپنے ننگے پاؤں کھینچتا بجھے ہوئے الاؤ اور اپنے پڑاؤ سے آہستہ آہستہ پرے ہونے لگا.. گھپ اندھیرے میں وہ ایک نابینا تھا اور ہاتھ پھیلائے سنبھل سنبھل کر چلتا جاتا تھا.. جب ریتلا کنارا بلند ہوا اور وہ اس پر جھکا ہوا اوپر ہوا تو سامنے وہی مدھم پڑتی مکیش کا دوپٹہ تاحد نظر پھیل گیا... سندھ کے پانی جیسے سکوت کی گرفت میں دم بخود تھے' پھیلے ہوئے اور خاموش.. وہ رکا اور پھر ریت پر مہانوں کی مانند گوٹھ مار کر بیٹھ گیا..

نظریں مکیش کے ٹمٹماتے ٹانکوں پر رکھے... آسمان سے اترتے بے آواز پالے میں سکڑتے' ریت میں دھنستے ہوئے وہ تادیر بیٹھا رہا.. اونچے کنارے پر آسن جمائے' گئی رات کے سندھ کے بہاؤ کی نہایت ہی مدھم مدھم سرسراہٹ میں جو اس کے قدموں تلے رواں تھی اور ستارے اس پر ڈولتے اور بجھتے تھے اور ان میں سے کوئی ایک ستارا تھا جس کی لو پانیوں پر تیرتی ان کے پڑاؤ تک آئی تھی اور پھر اپنی کوکھ میں لوٹ گئی تھی..

ایسی دنیا جہاں سے الگ تھلگ تنہائی میں 'اس نے کہیں پڑھا تھا کہ شگون آسمانوں سے اترتے ہیں اور آنے والے دنوں کی شکلیں ظاہر کرتے ہیں.... اس تنبیہ کے ساتھ کہ اگر مستقبل میں برے آثار ہیں تو وہ تمہیں ابھی سے بے حوصلہ کر دیں گے اور اگر اچھے دنوں کی نوید ہے تو ان کے یکدم وارد ہو جانے کی سرخوشی تم سے چھن جائے گی.. اس لیے شگونوں پر دھیان دو گے تو زندگی بے کیف ہو جائے گی.. اس کے باوجود وہ جاننا چاہتا تھا کہ شگون اس بے جواز سفر کا کیا جواز دیتے ہیں.. لیکن آسمان شگونوں سے خالی تھے..

اسلام آباد سے نکلتے ہی.. راول جھیل کو جاتے گھنے درختوں میں بمشکل سانس لیتے راستے سے آگے بارہ کہو کی ان دکانوں سے آگے جہاں مری جانے والے مسافروں کے لالچ میں خورد و نوش کی اشیاء کے سٹال شاہراہ پر امڈتے تھے وہاں بسوں' ویگنوں اور سوزوکیوں کی بھرمار میں دائیں ہاتھ پر ایک سڑک آبادی کے اندر جاتی تھی... جونہی اندر جاتی تھی تو ٹریفک کا ہجوم چھدرا ہو جاتا تھا اور پھر وہ سڑک پراپرٹی ایجنسی کے دفاتر' نئے گھروں ورکشاپس اور تھانے کے وجود سے غفلت برتتی' ذرا ڈھلوان پذیر ہوتی تھی اور یکدم سامنے ندی کا یکطرفہ پل سامنے آجاتا تھا... یہ سڑک اسلام آباد کی آبی شہ رگ سملی ڈیم تک جاتی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



تھی..اس کے آس پاس سطح مرتفع پوٹھوہار کی خصوصی خصلت والی اونچی نیچی بے آباد اور کہیں کہیں سبزے میں ڈھکی پہاڑیاں تھیں اور پھر کسی ایک کو نہیں بہت سارے پیسے کے معاملے میں ذی شعور لوگوں کو یکلخت خیال آیا کہ یہاں ہوا ابھی تک آلودگی سے مبرا تھی' منظر ابھی تک شفاف اور کھنکتے ہوئے تھے اور زمین بنجر تھی اور تقریباً بے دام تھی تو یہاں گھر بن سکتے تھے..صرف ایک چھوٹی سی گرہ یا گانٹھ تھی کہ یہاں اتھارٹی کی جانب سے قانونی طور پر کسی قسم کی کوئی بھی تعمیر کرنے پر پابندی تھی..تعزیر لگتی تھی..یہ گرہ مکمل طور پر تو نہ کھل سکتی تھی لیکن اسے چپکے چپکے کھولنے کے عمل میں مقامی سیاستدان' جمہوریت اور بارسوخ لوگ کسی حد تک معاون ثابت ہو سکتے تھے..

جب عقاب اور سرخاب کہیں اپنا گھونسلا بنانے کا قصد کر لیں تو چڑیاں بھی اپنے چھوٹے دلوں کو ہمت دیتی ہیں اور ان کی جلو میں آشیانے کے تنکے جمع کرنے لگتی ہیں..

خاور بھی ایک ایسی ہی چڑیا تھا.

اسلام آباد کے سستے ترین سیکٹرز میں بھی اس کے پر جلتے تھے..چنانچہ اس نے بھی عقابوں اور سرخابوں کے سائے تلے ندی کے پار پوٹھوہار کی پہاڑیوں کے سائے میں ایک..اگرچہ ڈرتے ڈرتے..گھر بنا لیا..اور اس گھر کو غیر قانونی قرار دے کر اتھارٹی کے بل ڈوزر کئی بار ڈھانے کے لیے آئے تھے مگر آس پاس مقامی ایم این اے کے حواریوں کے بھی گھر تھے..بیوروکریسی کے خوشہ چینیوں کے بنگلے بھی تھے اور ایٹمی سائنس دانوں کے قرابت داروں کی بھی آماجگاہیں تھیں..اس لیے وہ بل ڈوزر حاضری لگوا کر در دولت پر جھک کر صرف کارروائی ڈال کر واپس چلے جاتے تھے..

سرخابوں اور عقابوں کے نشیمن ایک چڑیا کے گھونسلے کے وجود سے بے خبر ہونے کے باوجود اس کی بقا کے ضامن بن گئے تھے..

چڑیا کے اس گھونسلے کے اندر..اس گھر کے اندر...خاور کا باورچی کم ڈرائیور کم چوکیدار بشیر ہر شب اپنے فرائض منصبی سے فارغ ہو کر...اسے "اور تو کوئی خدمت نہیں سر.." کہہ کر اسے تنہا چھوڑ کر اپنے کوارٹر میں اپنی نو بیاہتا پہاڑی اور ان پڑھ اور پہلی بار شہر میں آئی ہوئی پرانتیاق دولہن کے ساتھ جا سوتا تھا...کم از کم اس کا کوارٹر تو بار بار ٹھک ٹھک کرتا اس کے گھر کی چاردیواری سے تو نہیں ٹکراتا تھا۔



ہو سکتا ہے اس لمحے..جب وہ گئی رات میں سندھ کے کناروں پر گوتھ مارے بیٹھا آسمان سے اترنے والے شگونوں کا منتظر تھا..اس لمحے اس کے گھر کے کھنڈر میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہو..

اس کے بچے..اس کی بیٹیاں ہمیشہ رات کے اس پہر اسے فون کرتی تھیں کہ یہ اقتصادی طور پر انہیں موافق آتا تھا...ہیلو ڈیڈی آپ سو تو نہیں گئے تھے..میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا...میں ثانیہ بول رہی ہوں..آواز آ رہی ہے ناں..آر یو آل رائٹ ڈیڈی..بلڈ پریشر کی گولی کھائی ہے..سستی نہیں کرنا ڈیڈی..آئی لو یو..ٹیک کیئر..بائے..

ابا جی..کی حال اے؟..ہیلو والد جی..عائشہ ہیئر...آئی مس یو..

ڈیڈ...ہاؤ آر یو...انجائنگ یور سیلف..کتنا اچھا لگتا ہے آپ کی آواز سن کر..نہیں ڈیڈ ثانیہ اور عائشہ سے ملاقات تو نہیں ہوئی..ہم مختلف سٹیٹس میں ہیں ناں ڈیڈ..آپ کو پتہ نہیں کہ یہاں فاصلے کتنے ہیں..لیکن فون پر بات ہوتی رہتی ہے..ہم تینوں آپ کے لیے بہت فکر مند ہیں ڈیڈ....جلال ابھی تک ہاسپٹل سے نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ آپ کہ آپ...

وہ تینوں..بغیر کسی منصوبے کے..جیسے جیسے رشتے ملتے گئے..وہ تینوں امریکہ میں تھیں۔

ہمیشہ گئی رات ان کی محبت جاگتی تھی اور وہ اس کے اظہار کے لیے فون کرتی تھیں..لیکن پاکستان آنے کا نام نہیں لیتی تھیں....بس ڈیڈی آئی پرامس نیکسٹ ایئر انشاءاللہ...ان دنوں تو میں بے حد مصروف ہو گئی ہوں..ایک اللہ والی کے درس اٹینڈ کرتی ہوں...ہولی پرافٹ واز دی گریٹسٹ ہیومن بی اِنگ...جج اے کیوٹ پرسن..میں نے تو اب ریالائز کیا ہے..ڈیڈ آپ نماز تو باقاعدگی سے پڑھتے ہیں ناں..یہ فرض ہے ناں..اپنا خیال رکھا کریں..سردیوں کے لیے میں بہت تھک سویٹر بھیج رہی ہوں آپ کے لیے....ڈیڈ آئی مس یو...

اسے مرے ہوئے دس برس ہو گئے تھے..اور ہر ٹیلی فون کال کے بعد اسے وہ یاد آتی تھی جو خاموشی سے اس کا خیال رکھتی تھی۔

شائد اسی لمحے بارہ کہو کے کھنڈر میں اس کی تینوں میں سے ایک غمزدہ بیٹی کے ٹیلی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



فون کی گھنٹی لگاتار بج رہی ہو..

بُوٹی اس کے اندر مشک مچا رہی تھی..

وہ ریت میں دھنسا بیٹھا تاریکی میں تاریک ہوتا تھا.. دریا کی قربت میں ایک سردیلی بے چینی کی بجائے ایک آرام دہ آسودگی اس کے بدن میں جذب ہوتی چلی جاتی تھی.. سندھ کی چادر میں ٹانکے ہوئے تارے مدھم ہو کر ایک ایک کر کے ڈوبتے جاتے تھے.. اس کے پپوٹے نیند سے بھاری ہونے لگے.. بند ہونے لگے.. صرف آنکھیں بند ہونے سے پانی کی رواں سرسراہٹ قدرے قریب محسوس ہونے لگی.. یہاں سے اٹھ کر اپنے سلیپنگ بیگ تک جانے اور اس میں گھس کر سو جانے کے لیے جو ارادہ درکار تھا وہ کاہلی کے سامنے ڈولتا تھا..

پپوٹوں پر ہلکی روشنی کا شائبہ سا ہوا.. اس نے آنکھیں کھول دیں.. اور وہاں... روشنی تھی.. سندھ کے پانیوں میں کروٹیں ابھر رہی تھیں.. ان میں ہلچل سی پیدا ہوئی' جتنے بھی ستارے بر آب تھے' مکیش کے چند ٹانکے جو ابھی ڈوبے نہ تھے ان کا جمود ٹوٹا اور وہ بری طرح لرزنے لگے جیسے کوئی وجود ان کے سکوت میں بل چلاتا داخل ہو گیا ہو.. پہلے اس کا پانیوں پر اٹھا ہوا نوکدار بھاری پن تاریکی میں سے ظاہر ہوا پھر گورا کپتان ایک ہاتھ سے اپنی کیپ درست کرتا' نیلے بلیزر میں اڑسی ہوئی ٹائی ٹٹولتا اور دوسرا ہاتھ نئے نکور ہیملٹن وڈ سر کے بنے ہوئے وہیل پر جمائے اسے آہستہ آہستہ دائیں بائیں حرکت دیتا دکھائی دیا... پھر عرشے کی روشنیاں تاریکی کو سمیٹتی ظاہر ہوئیں.. ریلنگ کے اوپر گیس کے ہنڈولے لٹکتے تھے جن کی دودھیا روشنی میں عرشے پر موجود مسافروں کے چہرے آہستگی سے دودھیا روحوں کی طرح حرکت کرتے تھے..

گیس لیمپس کی روشنی سندھ کے پانیوں پر پڑتی اور حرکت کرتی جاتی تھی..

مسافروں کی آوازوں کی بھنبھناہٹ اس تک آ رہی تھی۔

''انڈس کوئین'' اس کے سامنے پانیوں پر منعکس کہیں کہیں ٹمٹماتے جو دیے تھے انہیں دھکیلتی چلی جا رہی تھی.. کچھ مسافر ریلنگ کا سہارا لے کر ادھر دیکھتے تھے جدھر وہ ایک اونچے کنارے پر ریت میں دھنسا بیٹھا انہیں دیکھتا تھا.. اور وہ اسے نہ دیکھتے تھے کہ وہ تاریکی کا ایک جز تھا پر انہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ گیس کے ڈولتے ہنڈولوں کی روشنی میں تھے..



''انڈس کوئین'' ایک جگمگاتی گہما گہمی میں آوازوں کی بھنبھناہٹ پیچھے چھوڑتی سندھ میں رواں تھی..

ریلنگ کے آسرے سے جو مسافر سامنے تاریکی میں کچھ نہ دیکھتے تھے یونہی بے سبب گھورتے چلے جاتے تھے ان میں سے کچھ تھے جن کے ہاتھوں میں باریک کرسٹل کے گلاس تھے جن میں برانڈی اور سکاچ کے سنہری پانی ''انڈس کوئین'' کے عرشے کی خفیف سرزش سے دمکتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو اپنی پگڑیاں سنبھالتے تھے مونچھیں سنوارتے تھے اور نظر رکھتے تھے کہ کب صاحب یا میم صاحب کا گلاس خالی ہو اور کب وہ اسے دوبارہ لبریز کرنے کی سعادت حاصل کریں..

کہیں یہ بوٹی تو نہیں جو مشک مچاتی ہے اور فریب دیتی ہے اور وہ کچھ دکھاتی ہے جو وہاں نہیں ہو سکتا..

پر یہ ''انڈس کوئین'' ہی تھی جو اس کے سامنے سندھ کی رات میں سفر کرتی تھی.. اس کے مستول پر ایک یونین جیک مرجھا رہا تھا.. اور حیرت یہ بھی تھی کہ عرشے کے کونے میں واقع اس لیٹرین کی دیواریں اب بھی نہیں تھیں اور کموڈ پر ایک بوڑھا انگریز اطمینان سے بیٹھا تھا' اس اطمینان سے کہ دیواریں ہیں..

ریلنگ کے سہارے گیس کے ہنڈولوں کی لرزتی روشنی سے ہٹ کر نیم تاریکی میں ایک ایسی عورت کھڑی تھی جسے وہ جانتا تھا...

عرشے پر جو مسافر چہل قدمی کر رہے تھے' ریلنگ پر جھکے تاریک پانیوں میں جھانکتے تھے سفر کی رات میں مخمور خوش اور بے حجاب تھے وہ ان سے الگ تھی' فاصلے پر تھی' اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتی' حیادار غلافی آنکھوں کو سنبھالتی' تین جوان بیٹوں کی نابالغ ماں.. اپنے خاوند کی جنسی قوت سے تنگ آئی ہوئی' ہینڈ بیگ میں سپیشلسٹس کی رپورٹیں چھپائے... وہی تھی۔

لیکن بقیہ مسافروں سے الگ.. بدنامی کے دھبوں سے ڈرتی ہوئی.. وہی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اندھیرے کے پار ایک ریتلے ٹاپو کے اونچے کناروں پر ریت میں دھنسا بیٹھا وہ مرد ہے.. جس کی بے ثمر چاہت میں اس نے اپنے آپ کو فاش کر دیا تھا.. اپنے گھروندے کی دیواریں مسمار کر کے اپنے آپ کو عریاں کر دیا تھا' بے پردہ اور نمایاں کر دیا تھا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"انڈس کوئین" اس کی نظروں کے سامنے گیس کے ہنڈولوں سے روشن جگمگاتی آوازوں سے جھنجھناتی سندھ کے پانیوں کو پچھاڑتی چلی جارہی تھی اور عرشے کے ایک کونے میں ریلنگ کے سہارے اپنی زندگی کے بقیہ دن متعین کرتی غلافی آنکھیں جھپکتی وہ کھڑی تھی' اس کی جانب دیکھتی تھی.. پر اسے نہیں دیکھتی تھی.. اگر دیکھ لیتی تو بلا سوچے سمجھے بے دریغ ریلنگ پر پاؤں رکھ کر پانیوں میں کود جاتی اور تیرتی ہوئی اس تک پہنچ جاتی کہ وہ اسی قسم کا پاگل خانہ تھی..



"می آؤں.. می آؤں"

ایک مور اس کے کان میں بولتا تھا اس کے اونگھتے بدن اور بھیتر میں بولتا تھا..

اس کے اُس کان میں بولتا تھا جو کشتی کے چھپر تلے لیٹے ہوئے آزاد تھا اور سندھ سے آتی نم ہوا کو محسوس کرتا تھا اس کان میں بولتا تھا اور زور زور سے بولتا تھا' می آؤں.. می آؤں... چونکہ وہ کروٹ لے کر لیٹا ہوا تھا اس لیے دوسرا کان جو گندے گدیلوں میں دھنسا ہوا تھا اس کی کرخت آواز سے قدرے محفوظ تھا.. پکار پہنچتی تو تھی لیکن مدھم اور ڈوبتی ہوئی.. اس نے پہلو بدل کر کروٹ لی.. تو مور بھی کروٹ بدل کر دوسرے کان میں بولنے لگا..

یہ عمر کا بہاؤ اور زوال ہے جس میں وہ کچھ سنائی دیتا ہے جو بولتا نہیں.... اور وہ کچھ دکھائی دیتا ہے جو ہوتا نہیں..

پچھلی شب ریت کے ٹاپو پر پہلی رات میں..

جب "انڈس کوئین" کی جھلملاتی روشنیاں پانی پر اپنے عکس چھوڑ کر آگے چلی گئی تھیں تو وہ انہیں دیکھتا رہا.. ایک "انڈس کوئین" اوجھل ہو چکی تھی اور دوسری وہیں اپنی روشنیوں سمیت پانی پر نقش تھی.. اور یہ نقش بھی آنکھ جھپکنے سے کھل گیا.. لیکن وہ وہیں رہی.. اسی حالت میں' اُس ریلنگ کو تھامے جو اب وہاں نہیں تھی' اُس کے چہرے پر جو ہلکی سی دودھیا روشنی تھی وہ بھی اس کے ساتھ ٹھہری رہی اپنے گیس لیمپ کے ساتھ انڈس کوئین کے ہمراہ رخصت نہیں ہوئی... سندھ کی تاریکی کے اوپر ایک اندھیرے خلا میں اپنی غلافی آنکھیں جھپکتی وہ اسی طور کھڑی رہی.. "انڈس کوئین" نے سیاہ منظر کو خالی کیا تو وہ مادہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



مینڈکوں اور جھینگروں کے شور سے زندہ ہو گیا۔ان بولیوں میں پانی کی جانے کیا کیا مخلوق تھی جو شامل ہوتی جاتی تھی اور پھر ایک پرندہ تھا جو شب بھر بولتا رہا تھا..وہ دکھائی تو نہ دیتا تھا لیکن اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ معدوم ہو چکی ریلنگ کے سہارے کھڑی غلافی آنکھوں کے آس پاس سے کہیں بولتا تھا..

اس ایک پرندے نے عمر بھر اسے چین نہیں لینے دیا تھا..

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے پروں کے رنگ کیسے ہیں' وہ کس شکل کس نسل کا ہے..اس کی چونچ کیسی ہے' کہاں سے آجاتا ہے اور اس کے بدن کے کس ٹہنی پر بیٹھتا ہے اور بولنے لگتا ہے..

وہ ہمیشہ تاریکی کے دل میں بولتا تھا اس لیے دکھائی نہ دیتا تھا..

بچپن سے لے کر اب تک...جہاں کہیں اس کے لیے شرمندگی' شکست موت یا محبت کی قربت ہوتی وہ بولنے لگتا تھا۔

وہ بھی اس کی عمر کا تھا لیکن نہ اس کا سانس پھولتا تھا نہ اس کی آواز میں نقاہت آتی تھی نہ وہ تھکتا تھا' بس ویسے ہی بولتا تھا جیسے وہ رسول پور کی کچی گلیوں کی ویرانی اور دل کو کھا جانے والی سیاہ دوپہروں میں پہلے پہل بولا تھا....اس پر عمر کا کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

نوجوانی میں تو اسے یقین ہو گیا تھا وہ اطمینان میں چلا گیا تھا کہ وہ ایک عارضی..سرد تنہائیوں اور برفیلی رتوں سے تنگ آکر گرم موسموں کی تلاش میں اڑان کر کے اس کی زندگی میں ایک عارضی گھونسلا بنا کر اپنے وجود کا اعلان کر کے پھر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے والا ایک پرندہ تھا...وہ اس دوران جیسے تھا ہی نہیں..اتنے عرصے وہ بالکل چپ رہا تھا..اسی لیے وہ اطمینان میں چلا گیا تھا کہ میں نے اس کے آخری بول سن لیے ہیں..

لیکن عمر کی پہلی جھری نے جب چہرے پر کروٹ بنائی تو وہ پھر کہیں سے بولا..

پھر وقفے وقفے سے اس کے بول سنائی دینے لگے..

ہر نئی جھری کے ساتھ...جونہی کوئی شکن ابھرتی وہ بولنے لگتا اور اس کی آواز ہر مرتبہ قریب آتی جاتی۔

وہ کہیں نہیں گیا تھا..اس کے بھیتر میں بسیرا کر چکا تھا...گھونسلا بنا کر شکنوں اور جھریوں کے نمودار ہونے تک چپ تھا....اور اب مسلسل بولتا تھا..اسے چین نہ



لینے دیتا تھا..

یہ پچھلی شب میں ہوا تھا..

لیکن آج...اب..جب کشتی کو ٹھلتے ہوئے دوپہر ہونے کو تھی اور وہ چھپر چھت تلے اونگھ رہا تھا..پچھلی رات میں جو نیند رہ گئی تھی اس کے خمار میں اونگھتا تھا تب وہ مور بولنے لگا تھا..پرندہ وہی تھا مگر مور کے روپ میں تھا..می آؤں..می آؤں!

خوشی کا چار مرغابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا'ان دو سے بھی نہیں جو سرور کے نشانے سے بچ نکلی تھیں تو پھر یہ مور کیوں بولتا تھا..وہ اٹھا اور بمشکل اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے کیل سے لٹکتے نیلے پلاسٹک میں جڑے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا..یقیناً کہیں ایک اور شکن اس کے چہرے پر ابھری تھی جو یہ مور بولتا تھا لیکن وہ اس شکن کو تلاش نہ کر سکا...شاید وہ چہرے پر نہیں بدن کے کسی اور حصے میں ابھری تھی..

اس نے سر جھکا کر کشتی کے پائیدان پر پاؤں رکھا اور اپنا ہاتھ آگے کر دیا..سرور نے اس کا ہاتھ سیاہ پنجے میں جکڑ لیا اور وہ اس کے سہارے باہر آگیا..تیز دھوپ نے اس کی اونگھتی آنکھوں میں چمک اور نمی بھر دی..وہ پائیدان پر چلتا عرشے کی اٹھی ہوئی تکون کے تختوں پر آکھڑا ہوا...اپنے آپ کو مسلسل سنبھالتا..اگرچہ کشتی کے بہنے میں کوئی رکاوٹ کوئی اٹک یا جھول نہ تھا اس کے باوجود پانیوں پر رواں ہر شے میں اس کے وجود میں زمین سے الگ ہو کر ایک بے یقینی سی ہوتی ہے..ایک بے نام لرزش بدن کو ہوشیار رکھتی ہے..

کشتی گہرے پانیوں میں تھی اور ایسے آسانی سے کھسکتی آگے ہوتی جاتی تھی جیسے اس کے پیندے پر چربی کی تہہ تھی اور وہ پانیوں کی کوکھ میں پھسلتی ہوئی بے آواز داخل ہوتی جاتی تھی..

سندھ کے پانیوں پر جہاں کہیں سورج ترچھا ہو کر اپنی پوری آب و تاب سے لشکتا تھا ادھر نظریں جاتی تھیں تو چندھیا جاتی تھیں...کنارا دور نہ تھا..وہاں کائی' سرکنڈوں' آک اور لانی کے بوٹوں کا گھنا ذخیرہ ابھرتا تھا۔خزاں رسیدہ زردی اور نیم ہریاول کی ایک پٹی پانیوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

اس ذخیرے کی زردی اور نیم ہریاول کے اندر سے ایک بار پھر ایک مدھم سی آواز آئی..می آؤں!می آؤں!

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



خزاں رسیدہ زردی بھی اس کے بھیتر میں تھی اور ابھی تک کچھ ہریاول بھی باقی تھی اور اس میں اس نے اپنا گھونسلا بنا رکھا تھا۔

ماماں جعفر کشتی کی نوک پر کھڑا اپنی مختصر لنگی میں مشکل سے لپٹا آنکھوں کے سامنے ایک چھجہ بنائے سندھ کے پانیوں کو تکتا تھا..ایک منحنی سیاہ اور جنی کیپٹن اہاب جو اس سفید وہیل موبی ڈک کی تلاش میں تھا جو اس کی ٹانگ چبا کر سمندروں میں روپوش ہو چکی تھی۔

"ماماں جعفر..."

جعفر نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اسے اپنے قریب پا کر کیپٹن اہاب سے یکدم ایک قدموں میں بچھ جانے والا سیاہ فام غلام ہو گیا "جی سائیں.."

"کیا کرتے ہو؟"

"نظارہ کرتا ہوں سائیں.. آپ تو اندر سوتے ہو ناں.. نظارہ نہیں کرتے.."

"سائیں سندھ کے پانیوں اور کناروں کا نظارہ کوئی کہاں تک کرے..."

"جہاں تک حیاتی ہے سائیں.. میری جم پل تو ادھر پانیوں پر ہی ہوئی سائیں.. پر ساری حیاتی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی نظارہ دوبارہ دیکھا ہو... آنکھ جھپکتا ہوں ناں تو نظارہ بدلا کھڑا ہے.. ابھی آپ جب آرام کرتے تھے ناں تو ایک کالا پرندہ پانیوں پر اترا تھا..ایک کرڑ آسمان سے آیا تھا جسے ہم دریائی عقاب بولتے ہیں..پانیوں کے اندر غرق ہو گیا پھر باہر آیا ہے تو اس کی چونچ میں... میں جھوٹ بولوں تو مجھے تیرنا بھول جائے..اس کی چونچ میں کچھ نہیں تو تین کلو بھار کی مچھلی پھڑکتی تھی جسے وہ آسانی سے اوپر عرش تک لے گیا تھا... مچھلی پانی سے باہر آ جائے تو اس کا زور اور طاقت سو گنا ہو جاتے ہیں.. میرے ہاتھوں میں آئی ہوئی ایک چھوٹی سی مچھلی میری انگلیاں توڑ دیتی ہے اپنی جان بچانے کے لیے..اور وہ کرڑ اسے عرش پر لے گیا تھا..اس کی چونچ شکنجہ تھی سائیں..یہ نظارہ میں نے کیا سائیں.."

"ایسا نظارہ تم نے پہلے کبھی نہیں کیا؟"

"کیا سائیں.. پر میں نے بولا ہے ناں کہ آنکھ جھپکتا ہوں تو نظارہ بدلا کھڑا ہے.. کرڑ کے دریائی عقاب کو مچھلی دبوچتے بہت بار دیکھا ہے.. پر سائیں ہر بار کرڑ کوئی اور ہوتا ہے' وہی ہو تو بھی جس مچھلی کو وہ اپنی چونچ کے شکنجے میں باندھ کر پانیوں کے اندر سے



باہر لاتا ہے.. وہ مچھلی کوئی اور ہوتی ہے.. تو نظارہ بھی کوئی اور ہوتا ہے' بدلتا ہے سائیں آنکھ جھپکنے سے بدلتا ہے.."

جعفر کی آبی منطق نے اسے چیزوں کو... انہی تغیرات' انہی موسموں اور انہی عناصر کو جنہیں ہزاروں بار دیکھا جا چکا ہوتا ہے ایک سراسر نئی اور اچنبھے میں ڈال دینے والی نگاہ سے روشناس کیا.. جیسے ندی کا پانی سدا وہی نہیں رہتا جس پر آپ نظریں جمائے اسے دیکھتے ہیں' بدلتا رہتا ہے.. وہ پانی جن پر آپ کی نگاہ ہے بہہ جاتے ہیں اور نئے پانی آ جاتے ہیں.. اور منظر بدل جاتا ہے.. جیسے ہر محبت پہلی سی نہیں ہوتی' جیسے ہر نوزائیدہ بچے کے کھیلنے کا انداز مختلف ہوتا ہے... ایسے ہی سندھ سائیں کے پانیوں اور کناروں کے نظارے حیاتی بھر اپنے آپ کو نہیں دوہراتے.. صرف وہ پرندہ جواب مور کی جون میں تھا اپنے آپ کو دوہراتا بولتا تھا..

"ماماں... ادھر جو سامنے کناروں پر بیلا گزرتا ہے.. سرکنڈوں اور کائی کے زرد اور نیم ہریاول کے گھنے بوٹوں کا.. تو اس میں سے کچھ بولتا ہے.. تم سنتے ہو؟"

"ادھر کیا بولے گا سائیں.. کچھ بولے گا تو پانی میں سے بولے گا..ادھر تو سنسان ہے۔"

"پانی میں سے کیا بول سکتا ہے؟"

"باغوں بلا سائیں.."

"کیا؟"

"پانی کی بلا ہوتی ہے سائیں..وہ کبھی کبھی حیاتی میں دو چار بار ہی بولتی سنائی دیتی ہے..وہ بولے تو ہم کشتی کو پھیر کر واپس چلے جاتے ہیں....جو سندھ سائیں کے سفر سے واپس نہیں لوٹتے ہم جان جاتے ہیں کہ باغوں بلا کے بولنے پر بھی وہ مچھلی اور مرغابی کے چاؤ میں اندھے ہو کر کشتی کو کھیتے رہے اور پھر بلا نے انہیں نگل لیا..."

"تو تم نے کچھ نہیں سنا... کسی پرندے کو.... کسی.. مور کو؟"

"مور کو؟...وہ نمانا ادھر پانیوں کے آس پاس کہاں سے آئے گا سائیں.. اُدھر چولستان میں جھنکارتا پھرتا ہے... میں نے تو آج تک اس کا نظارہ بھی نہیں کیا۔"

شاید وہ صرف اس کے تن بدن میں کوکتا تھا..اسے اور کوئی نہیں سن سکتا تھا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سرور کشتی کے پچھلے حصے میں منہ کھولے سو رہا تھا اور دریائی مکھیاں اس کے سیاہ چہرے پر بھنبھنا رہی تھیں.. پٹھی اس کے نیند میں ٹھہرے ہوئے جثے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کی لشکتی آنکھوں میں کسی ایسی پیاس کے قصے تھے جس نے ہزاروں برس پہلے اس کے دراوڑ بدن کو خشک کر دیا تھا لیکن اس نے وہ مٹھی نہیں کھولی تھی جس میں کنک کے چند دانے تھے..

صرف فہیم کشتی پر نہ تھا..

اس نے آج سویرے جب کہ اس کی آنکھوں میں ابھی تک انڈس کوئین تیرتی تھی.. تاریکی میں غیر مرئی ریلنگ کے سہارے کھڑی وہ پاگل خانہ اپنی غلافی آنکھیں جھپکاتی تھی فہیم نے آج سویرے اس کے لیے دیسی انڈے فرائی کیے تھے ڈیرے کی کسی نیم پختہ بیکری کی ڈبل روٹی کے سلائس توے پر سینکے تھے اور کسی ناآسودہ بھینس کے مکھن کو ان پر لگا کر اسے ایک صاحبوں ایسا ناشتہ مہیا کیا تھا اور پھر پوچھا تھا "سائیں رات کے کھانے میں کیا لو گے ؟"

"کچھ بھی.. " اس نے کہا تھا "دال چاول.. روٹی... اچار کے ساتھ.. کچھ بھی "

"نہ سائیں.. " فہیم آزردہ سا ہو گیا "یہ سب کچھ تو بے عقل مہانے بھی کھلا سکتے تھے.. میں جو اپنے ہیڈ ماسٹر کو ناراض کر کے آیا ہوں تو اس لیے تو نہیں آیا ہوں کہ آپ دال چاول اور روٹی کھائیں.. " یہ اس کی انا کا مسئلہ بھائی دیتا تھا "نہ سائیں... میں تو آپ کے لیے آج رات مرغی بھونوں گا اگر اللہ چاہے.. اور مرغی میں ابھی لاتا ہوں.. "

"کدھر سے ؟"

"سندھ ساگر کے کنارے ادھر سے تو بے آباد لگتے ہیں لیکن آباد تو ہیں ناں سائیں.. تو کسی گاؤں میں جاتا ہوں اور آپ کے لیے مرغی لاتا ہوں۔ "

اس سے پیشتر کہ وہ اسے بتاتا کہ وہ مرغی کا اتنا شوقین نہیں ہے' فہیم نے اپنے آپ کو کپڑوں کی قید سے آزاد کیا انہیں سمیٹ کر سر پر رکھا اور پھر اپنی محبوب ٹیوب کو آغوش میں لے کر سندھ میں کود گیا..

چنانچہ فہیم کشتی پر نہیں تھا..

جب سے وہ غازی گھاٹ سے چلے تھے.. کشتی نے کنارے کو چھوڑا تھا.. وہ سندھ ساگر میں تنہا مسافر تھے.. اس کے پانیوں پر اکیلے پکھیرو تھے جو تیرتے تھے... وہ اپنی تنہائی کے



اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ انہیں گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کے سوا اس دریا کی ملکیت کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے..

انہیں ایک دھچکا سا لگا جب انہوں نے پہلی بار کسی اور کو دیکھا..

دو بادبانی کشتیاں دکھائی دیں..

وہ اُن سے بہت فاصلے پر تھیں' ایک ویران پٹی کے دوسری جانب دریا کی تیز بہاؤ والی شاخ جو چوڑے اور دھوپ میں چمکتے پاٹ کی تھی اس میں وہ مختصر سائز کی بچوں کی سی جو ہڑ میں تیرتی کھلونا کشتیوں کی مانند تیرتی جاتی تھیں اور ان کی رفتار ایسی تھی کہ دھوپ سے روشن پانیوں پر تیزی سے پھسلتی ہوئی لگ رہی تھیں... ان کا رخ غازی گھاٹ کی جانب تھا.. ان میں سے ایک جس کا بادبان سفید رنگ کا تھا وہ ایک بے چین پتنگ کی طرح ہوا سے پھولتی ہوئی پانی سے اٹھنے کو لگتی تھی اور دوسری سیاہ بادبان والی تھی.. ایک چگادڑ نظر آتی تھی جو سطح آب پر تیرتی چلی جا رہی تھی..

"یہ بھی تمہارے قبیلے کی کشتیاں ہیں ؟"

"نہیں سائیں.. " جعفر نے ذرا آگے ہو کر سندھ میں تھوکا " یہ تو کمینے لوگ ہیں.. کاروباری لوگ ہیں.. یہ تو دریا میں نکلتے ہیں تو مچھلی اور پرندوں کی بربادی کر دیتے ہیں.. پکڑ کر شہر لے جاتے ہیں اور پیسہ بناتے ہیں... رہتے کہیں اور ہیں زمین کے باسی ہیں اور سندھ میں صرف لانچ لے کر اترتے ہیں.. ہماری طرح پانی کا پوتنگ نہیں ہیں' یہ تو پانی کو بیچ کھانے والے ہیں.. بے اعتبارے ہیں۔ "

"رزق کے لیے تو سب لوگ کوشش کرتے ہیں ماماں.. "

"نہ سائیں.. اپنے پیٹ کے لیے کریں تو جائز ہے.. پر یہ دوسروں کے پیٹ کے لیے سندھ کو اجاڑتے ہیں.. اللہ سائیں نے سندھ سائیں کے اندر اتنا رزق پیدا کیا ہے کہ روز قیامت تک اس میں کمی نہ آئے.. ہم اور پرند پکھیرو اور مچھلی برابر کی زندگیاں کرتے ہیں... پر یہ باہر والے جو ہیں یہ ان کا گھر نہیں ہے اس لیے ان کو کیا پروا کہ یہ بے شک اجڑ جائے.. مچھلی کم ہو گئی ہے.. سرور نہیں بیٹھا رہا کل اور سب کچھ بیکار گیا.. ان کی وجہ سے پرند پکھیرو بھی ہم سے بے اعتبارے ہو گئے ہیں.. میں ننڈھا تھا ناں سائیں' چھوٹا بچہ تھا تو اپنے بادا کے ساتھ سندھ میں نکلتا تھا.. ہماری کشتی جب کسی ایسے ٹاپو کے پاس سے گزرتی تھی ناں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



جس پر کونجوں اور سرخابوں کا بسیرا ہوتا تھا تو وہ بس ایک بار چونچیں اٹھا کر ہمیں دیکھتے تھے اور پھر اپنے دانہ پانی اور گھاس چگنے لگتے تھے' بیٹھے رہتے تھے.. پر اب تو ایسا ہو گیا ہے سائیں کہ وہ بے اعتبارے ہو گئے ہیں.... کشتی کو دور سے دیکھ لیں تو شور مچاتے اڑ جاتے ہیں.. مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں اپنے باوا کے ساتھ ایک ٹاپو پر اترا تھا اور ہم دونوں دم روکے پرندوں کے درمیان میں چلتے گئے تھے اور مجال ہے کہ ان میں سے ایک بھی پھڑ پھڑا کر اڑا ہو.."

دونوں کشتیاں.. سفید اور سیاہ بادبان پھڑپھڑاتی لحموں میں اوجھل ہو گئیں اور کرنوں سے دمکتی چادر پھر سے خالی ہو گئی۔

"تم لوگ سدا سے سندھ میں ہی رہتے ہو؟"

"ہاں سائیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سندھ سائیں کے ساتھ ہی پیدا ہوئے تھے.. اس کی پہلی بوند کے ساتھ.. پر کبھی ایسا ہو جاتا ہے شادی بیاہ کے موقع پر کہ ہم یہ بوٹی بہت پی لیتے ہیں تو ہمارا ایک بڑا ہے مہانوں کا... اس کو سب مامن ماسا بولتے ہیں.. پتلا چھمک ہے' بہت وڈیرا ہے پر ابھی تک جھکا نہیں ہے.. وہ کبھی خشکی پر نہیں اترا سائیں' ہمیشہ کشتی میں رہتا ہے.. تو جب وہ خشخاش اور کالی مرچ والی خاص بوٹی پیتا ہے جو منہ اندھیرے سے جب سویر کا تارا ابھی آسمان پر کھڑا ہوتا ہے گھوٹی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہم سدا سے سندھ کے باسی نہیں ہیں... او پر ادھر چولستان کی ریتوں میں کسی زمانے میں کوئی سرسوتی نام کا دریا تھا جس کے کناروں پر ہماری بستیاں تھیں.. بوٹی زیادہ پی لیتا ہے ناں مامن ماسا تو ایسی باتیں کرتا ہے.. اور پھر وہ کہتا ہے کہ وہ دریا اللہ سائیں کی مرضی سے سوکھ گیا تو ہم لوگ ادھر آ گئے.. وہ کہتا ہے۔"

"اگر سندھ سوکھ گیا تو پھر کہاں جاؤ گے؟"

"نہ سائیں یہ تو ہمارا پالن ہار ہے.. ان داتا ہے اور سائیں ہے یہ کیسے سوکھ سکتا ہے.. یہ بھی اگر اللہ سائیں کی مرضی سے سوکھ گیا تو پھر ہم بھی سوکھ جائیں گے۔"

برمانی کے آشرم میں' اس کے کنج کے اندر' جہاں ایک چوبیار بہتی تھی' ایک سانپ کا بسیرا تھا وہاں کتابوں کے شیلف کے نچلے حصے میں ٹھیکریوں' منکے موتیوں' پرانے سکوں اور ٹوٹے ہوئے برتنوں کی ایک بستی بے اعتنائی اور بے خبری کی دھول سے اٹی پڑی تھی.. کل سویرے جب تالاب کے گرد بلند ہوتے سرکنڈوں پر ابھی اوس چمکتی تھی اور اس کی



بوندیں پانی میں ٹپ ٹپ کرتی گرتی تھیں اور انہی سرکنڈوں کے اندر چڑیوں کا شور بے حساب اور کانوں میں کھلکھلاتا تھا اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے جب سرکنڈے اس کے بدن کو چھوتے تھے اور ہلتے تھے تو اوس کی بوندیں زیادہ تیزی سے تالاب میں گرتی تھیں اور سرکنڈوں کی دھاریں تیز تھیں اور اس کے یخ بستہ ہاتھوں پر خراشیں چھوڑتی تھیں..

وہ کمرے میں واپس آیا تو اس نے شیلف میں ڈھیر ٹھیکریوں اور منکے موتیوں میں اوندھی پڑی مٹی کی کہ اُس مورت کو دیکھا جس پر اس کی نظر نہیں گئی تھی... مٹی کی اس مورتی پر صدیوں یا شاید ہزاروں برسوں کی راکھ اور اس میں سے نمودار ہوتی چونے کی سفیدی تھی جو اس کے نقش و نگار پر جمی ہوئی تھی.. بڑی بڑی نیلی اور ترچھی آنکھیں جو مہر گڑھ کے کھنڈروں سے ملنے والی مورتیوں ایسی تھیں' ستواں مگر قدرے چوڑی ناک' بال نہایت جدید انداز میں گندھے ہوئے اور شانوں تک آئے ہوئے... اس کی ایک چھاتی قائم تھی اور دوسری اکھڑ چکی تھی... وہ موہنجوداڑو کے کنگ پریسٹ کے قبیلے کی لگتی تھی.. اس کی آنکھیں بے حد زندہ لگتی تھیں.. انہیں بہت دیر تک دیکھنے سے گھبراہٹ سی ہوتی تھی.. وہ بالشت بھر بھی نہ تھی لیکن دیکھنے والے کو اپنے اثر میں لے لیتی تھی.. اسے جس کسی نے بھی بنایا تھا.. مٹی گوندھ کر اسے شکل دی تھی اور پھر آگ میں پکایا تھا بے دھیانی میں نہیں بنایا تھا.. خیال سے اس کے نقش اور چھاتیاں نہیں ابھاریں تھیں' اس کے سامنے وہ تھی ایک ماڈل کے طور پر.. اس نے اسے جیتنے کے لیے اسے بنایا یا وہ اس کے بس میں نہ آتی تھی تو اسے پوجنے کے لیے اسے شکل دی.. بہر طور یہ مورتی بھی زندہ تھی۔

پکھی نے اپنا جھگا اٹھایا اور اپنے بچے کے سر کو چھاتی سے لگا لیا..

وہ دونوں ہو بہو تھیں.. مورتی اور پکھی!

اگرچہ اس کی دونوں چھاتیاں سلامت اور زندہ تھیں.. اور اس نے ان میں سے ایک دھڑکتی اور مدھر چھاتی کو بچے کے منہ میں دیا اور پھر جھگا نیچے کیے بغیر ماماں جعفر سے باتیں کرتے.. سیاہ اور سفید بادبانوں والی کشتیوں اور مامن ماسا اور سرسوتی کی باتیں کرتے اپنا جھگا نیچے کیے بغیر خاور کی جانب آنکھ بھر کر دیکھا.. نیلی اور ترچھی آنکھیں جو زندہ تھیں اور انہیں بہت دیر تک دیکھنے سے گھبراہٹ سی محسوس ہوتی تھی.. خاور نے نظریں جھکا لیں.. وہ جھجک گیا.. اس نے منہ پھیر کر ماماں جعفر کی طرف دیکھا جو ایک مرتبہ پھر کیپٹن اہاب کے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



انداز اپنا چکا تھا اور سندھ ساگر کو اپنی نظروں سے چھان رہا تھا..

جیسے منہ موڑنے کے باوجود وہ مورتی اس کی پشت سے آ لگی ہو.. اس کی ایک چھاتی اس کے ماس کو چھوتی ہو اور دوسری کا خلا اسے بے چین کرتا ہو کہ کسی طرح وہ بھی بھر جائے اور اس کے ساتھ آن لگے.. اس کا اپائے تو صرف پکھی کے پاس تھا کہ وہ سلامت تھی.. وہ عمر کے اس ادھیڑ پن تک پہنچتے ہوئے ترغیب اور کشش سے تقریباً بیگانہ رہا تھا.. جان بوجھ کر اپنے آپ پر قابو رکھ کر نہیں بلکہ اس کے اندر یہ حس شروع سے ہی کم تھی.. جن دنوں میں ہر شے نئی نویلی اور چکیلی اور ناتجربہ کار تھی اور اس کے دوست کسی ایک ٹخنے کی جھلک دیکھ کر بھڑک جاتے تھے وہ بے اثر اور ٹھنڈا رہتا تھا اور اسے حیرت ہوتی تھی کہ نسوانی وجود میں وہ کیا ہے جو انہیں یکدم بے حال کر دیتا ہے.. ان وقتوں میں اس کے بس سے باہر جو بدنی مجبوریاں تھیں ان کی بھڑک شادی کے دو تین برسوں میں ہی بجھ گئی اور وہ ان سلسلوں سے تقریباً بے نیاز ہو گیا.. اور اب تو پت جھڑ کی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں.. اور اس کے باوجود یہ جو مکمل مورتی تھی جان بوجھ کر اپنا جھگا اٹھائے اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہوئی وہ اس کے اندر چھید ڈالتی تھی..

اس نے اسے پہلے بھی کہیں تو دیکھا تھا..

مورتی کی صورت میں نہیں.. کہیں اور.. پر کہاں.. شاید یہ ان پانیوں کے علم میں تھا جو اس کشتی کو سہارتے اسے آگے لے جاتے تھے..

وہ ایک اور ریتلے ٹاپو سے کھیتے ہوئے گزرے... ریت شکستی اور ویران تھی..

جعفر نے پانیوں کو چھانتی نظروں کو الگ کیا اور مڑ کر کہنے لگا "سائیں آپ کے آنے میں دیری ہو گئی ہے.. کونجیں وداع ہو گئی ہیں.. یہ ٹاپو ان سے بھرا رہتا تھا.. آپ ریت کو تو دیکھو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھرا ہوا تھا۔"

ٹاپو بہت نزدیک تھا.. کشتی اس کے کناروں سے چھوتی اٹکتی آگے ہوتی تھی اور شفاف دھوپ میں دکھائی دیتا تھا کہ وہاں جو ریت ہے ان چھوئی نہیں ہے.. اس پر پنجوں کے نشان ثبت ہیں.. جیسے اجرک کے کپڑے پر جا بجا چھاپے لگے ہوں.. کونجوں کے بھار سے وہ نشان اتنے گہرے تھے کہ ہوا انہیں پوری طرح بھر نہیں سکی تھی اور ریت کے سپاٹ چہرے پر دھوپ انہیں نمایاں کرتی تھی...



"کونجیں وداع ہو گئی ہیں سائیں.." جعفر کی آواز میں ہر ایک کونج کا جو اس پر اتری تھی' دکھ تھا "ادھر سے اڑ کر وہ کونج دشت کو جاتی ہیں اور پھر واپس ہو جاتی ہیں جدھر ان کے گھر اور گھونسلے ہوتے ہیں۔"

"کدھر؟"

"اپنے وطنوں کو لوٹتی ہیں سائیں.. ادھر تو مہمان ہوتی ہیں.. پر جب آتی ہیں تو کونج دشت کو ایسے بھرتی ہیں کہ زمین دکھائی نہیں دیتی.. لگتا ہے پوری کائنات میں صرف کونجیں ہیں جو کرلاتی ہیں اور کلبلاتی ہیں.. ان کی چونچیں اور پر ہیں اور ان کے پنجے ہیں اور ان کا ہجوم زمین پر بچھنے کے لیے آیا ہے.."

کونج دشت تو ویران تھا.. وہاں کوہ سلیمان کے دامن تک ایک بھی کونج نہ تھی..

کونج دشت.. دلورائے کے گمنام اور پرشکوہ کھنڈر.. جہاں سے برمانی کو شدید بارشوں کے بعد ٹھیکریوں میں سے ظاہر ہوتی صرف ایک چھاتی والی جدید ہیئر ڈو والی لمبی آنکھوں والی مورتی ملی تھی.. جام پور... اور ہڑپہ کی گندم پیسنے والی چکیوں کے زمانے کی بستی داجل سے پرے.... برمانی اسے کوہ سلمان کے دامن تک ہڑند قلعہ کے باقیات دکھانے کے لیے لے گیا تھا..

سورج کا سنہری رتھ کوہ سلمان کے عقب میں اتر چکا تھا..

ڈھلتی شام میں اس سلسلہ کوہ میں کاہا درّے کی دراڑ چٹانوں کے اندر تک جاتی تھی.. اور وہاں سے بلوچستان تک جا نکلتی تھی... اسی نام کی.. کاہا رود کی بھی اپنے پانی کو سنبھالتی یہاں سے ظاہر ہوتی تھی۔ اسی درے کے قریب... آس پاس دور دور تک صرف خشک اور بے آباد چٹانیں تھیں لیکن اس درّے کے دروازے میں کھجوروں کے جھنڈ تھے جہاں مدتوں پہلے قافلے ٹھہرتے تھے..

ہڑند کے شکستہ داخلے کے باہر ایک مکان میں ایک لالٹین روشن تھی۔

دروازے کے اندر داخل ہونے پر نہ کوئی شیش محل تھے اور نہ کوئی دیوان خاص.. شام کی اترتی سیاہی میں تاحد نظر مٹیلے ٹھیکریاں اور ایسے کھنڈر تھے جن کی تاریخ کی کڑیاں ابھی تک نہیں جڑ سکیں.. مقامی روایتیں تھیں' سکندر اعظم کے کسی ثبوت کے بغیر قصے تھے... ہڑند کا شہر.. موہنجو ڈارو کا بھائی تھا یا اس سے بھی قدیم کوئی بستی تھا یہ کوئی نہیں جانتا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اسے ہڑ ندکی کڑیاں گم ہو جانے کا قلق نہ تھا..

لیکن اس کے راستے میں پڑتے کونج دشت کی ویرانی نے اسے بے گھر اور بے آسرا کر دیا..

کچی اور حالیہ بارشوں کی زد میں آکر کیچڑ بھری سڑک.. جس پر شام کے خوف میں ان کی دھواں دیتی بار بار رکتی اور دل کو روکتی کہ اگر یہاں رات ہو گئی تو کیا ہو گیا.. وہ جیپ ایک ویران جہان میں ہچکولے کھاتی جاتی تھی جب برمانی نے دائیں جانب اشارہ کر کے کہا "سائیں یہی کونج دشت ہے.."

جیپ سے پرے کائنات کے آخر تک اور شاید اس سے بھی پرے ایک ویرانہ جاتا تھا.. اور اس سے بھی پرے تصور اور خیال کی حدوں سے آگے وہ دشت وہ ویرانہ جاتا تھا جو کوئی موسم یا زمانے ایسے تھے جن میں یہ کونجوں سے بھر جاتا تھا..

اور جب ہڑ ندکی مسافت کے راستے میں یہ دشت آیا تو ویران نظر آیا اور وہاں ایک بھی کونج نہ تھی..

یہ سرسوتی کی مانند خشک ہو چکا تھا..

لیکن سرسوتی کی پاروشنی اب سندھ کے کناروں پر آکر بس چکی تھی اور اب اپنا جھکا بیچے نہیں کرتی تھی تاکہ وہ دیکھ لے کہ وہ ابھی تک سالم ہے.. ہزاروں برس گزرنے کے باوجود اس کی ایک چھاتی دلورائے کے کھنڈروں میں سے ظاہر ہونے والی مورتی کی مانند اکھڑی نہیں قائم ہے اور اس بچے کو دودھ پلاتی ہے جو سرسوتی کی خشک ریت پر پیاس سے سکڑتے بدنوں کے ملاپ کا ثمر تھا..

سومرو کے بیچ سے پھوٹا تھا..

سرسوتی خشک ہو چکا تھا..

راوی خشک ہو رہا تھا..

....اور سندھ نے ابھی خشک ہونا تھا..



دولہا دولہن اپنے کمرے میں جا چکے تھے..

سائیڈ ٹیبل کا لیمپ ابھی تک روشن تھا.. دیواروں پر تازہ پینٹ تھا اور وہ شیڈ میں سے نکلنے والی ہلکی روشنی کو گیلاہٹ کی وجہ سے جذب نہیں کرتا تھا بلکہ اسے دوچند کر کے کمرے کی ہر شے کو نمایاں کرتا تھا..

"لیمپ آف کردو بھئی..." مرزا صاحب ناگواری اور تھکن میں بڑبڑائے' آنکھیں کھولیں جو تھکاوٹ میں بوجھل اور پژمردہ تھیں اور ان کے چہرے کی نسبت کہیں زیادہ بوڑھی اور بے جان لگتی تھیں' کروٹ بدل کر اپنے برابر میں چھت کو گھورتی غلافی آنکھوں پر ایک غصیلی اور شکایت آمیز نظر ڈالی "سوجاؤ... صبح ولیمے کی تیاری کرنی ہے۔"

اس کی نیم سنہری غلافی آنکھیں کھلی تھیں اور چھت کے اس حصے کو دیکھے جا رہی تھیں جس پر پینٹ کا فائنل کوٹ ہونے سے رہ گیا تھا.. اور وہاں ہلکے گلابی رنگ کا ایک پیچ باقی تھا جو چھت کے بقیہ حصے سے بالکل الگ نظر آرہا تھا.. دن کی روشنی میں وہ نامعلوم رہا تھا اور اسے نظر نہیں آیا تھا ورنہ وہ پینٹ کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کرتی.. اب یوں چت لیٹے ہوئے لیمپ شیڈ کی بالائی گولائی میں سے ایک خاص زاویے پر نکلنے والی براہ راست روشنی میں وہ صاف دکھائی دے رہا تھا اور اسے الجھن ہو رہی تھی.. اگرچہ ایمر جنسی میں پورے گھر کو رینوویٹ اور پینٹ کرنے کے دوران اس قسم کی چھوٹی موٹی خامیاں تو رہ ہی جاتی ہیں لیکن پھر بھی اسے الجھن ہو رہی تھی اور وہ اس پیچ پر سے نظریں نہیں ہٹا سکتی تھی اسے گھورے چلی جاتی تھی... کیا فرید کے کمرے کی چھت کا بھی کوئی حصہ اسی طور دوبارہ پینٹ ہونے سے رہ گیا تھا.. اگر ایسا ہوا تھا تو فرید تو اسے نہیں دیکھتا ہو گا اس کی دولہن دیکھتی ہو گی کیونکہ شادی کی پہلی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



رات تو دولہن کے نصیب میں ان لمحوں میں صرف چھت کو دیکھنا ہی ہوتا ہے جو بے چارگی اور خیالی تمناؤں کی ناآسودگی کے آنسوؤں میں دھندلی نظر آتی ہے..

وہ اس لمحے کیا کر رہے ہوں گے؟..اس کا دل یکدم حسد اور جلن کی مٹھی میں بھینچا جانے لگا اور اس نے منہ کھول کر ایک لمبا سانس لیا..وہ اپنی پہلی رات کا اس رات سے موازنہ کرنے لگی اور اس کا ذہن سلگنے لگا..شٹ اپ یُو بچ..شٹ اپ..اس نے اپنے آپ کو ڈانٹا..آر یو جیلس؟ یس آئی ایم... بچ نے غراتے ہوئے کہا..ہاں میں ہوں..بیٹے محبوب ہوتے ہیں اور وہ ایک ہی شب میں تمہاری عمر بھر کی ممتا اور محبت فراموش کر دیتے ہیں..صرف ایک اجنبی بچی کی خاطر...

شٹ اپ..اس نے پھر اپنے آپ کو سرزنش کی اور اپنے آپ کو پرسکون کرنے کے لیے اور اپنی کمینگی سے توجہ ہٹانے کے لیے زیرلب وہ تسبیح دوہرانے لگی جو زندگی بھر دوسروں کے خاوندوں کو تاکنے اور انہیں زیر کرنے والی مسز آفریدی نے توبہ تائب ہو کر اپنے گھر میں درس کا آغاز کرنے کے بعد اسے بتائی تھی.. لیکن اس کا دھیان بار بار فرید کے کمرے کی چھت کی جانب جاتا تھا اور اس پر نظریں جمائے دولہن کی جانب جاتا تھا..

لیمپ کے نیچے تپائی پر کارک کے بنے ہوئے میٹ پر پانی کا گلاس دھرا تھا..

بہت دنوں بعد آج شادی کے ہنگامے میں جب کہ مہمانوں کو خوش آمدید کہتے کہتے اس کی باچھیں پتھرا چکی تھیں' ٹانگوں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں' بھاری بروکیڈ کے لباس کے بوجھ سے اس کے کندھے دکھنے کو آئے تھے اور کمر کے گرد جہاں اس نے لہنگے کو کسا تھا ابھی تک ازاربند کی گرفت ماس میں کھبی ہوئی تھی' اس نے اپنی گولیوں اور کیپسول کو فراموش کر دیا تھا...وہ اس کے ذہن میں تو تھیں لیکن موقع ہی نہیں ملا تھا..اگر ایک دن کا ناغہ ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے..اگرچہ جو آنے کو ہے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا..اس نے چھت سے نظریں ہٹائیں اور دونوں کہنیاں فوم میں ٹکا کر اٹھی اور کمبل پرے کر کے بیٹھ گئی مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ خراٹے لیتے مرزا صاحب ڈبل بلینکٹ کے ذرا سے کھسکنے کو محسوس نہ کریں..

اس کا ہینڈ بیگ تپائی کے نچلے حصے میں تھا..وہ جھکی اور آہستہ سے اس کے سٹریپ پر انگلیاں جما کر اسے اٹھا لیا..بیگ میں درجنوں لفافے ٹھنسے ہوئے تھے جن میں فرید کی



سلامیاں تھیں...ہر لفافے پر جلی حروف میں کسی رشتے دار کسی دوست کسی سہیلی کا نام تھا اور اس کے اندر کرنسی نوٹ کے ساتھ بھی یقیناً ان کا کارڈ سٹیپل کیا ہوا تھا تاکہ یہ پوری طرح عیاں ہو جائے کہ یہ قرض کس نے اتارا ہے یا کون ہے جس نے آیندہ کے لیے اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے یہ رقم انوسٹ کی ہے..اس نے ان لفافوں میں سے بڑی مشکل سے دوائیوں کے پتے اور بوتلیں تلاش کیں' پھر خوراک کے مطابق انہیں نکال کر اپنی ہتھیلی پر سجایا اور ایک گہرا سانس لے کر انہیں پھانکا اور گلاس اٹھا کر پانی کا ایک گال پھلا دینے والا بڑا گھونٹ بھرا..اگرچہ گولیاں اور کیپسول حلق میں سے اتر گئے لیکن اس کے باوجود یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ابھی وہیں اٹکے ہوئے ہیں اور اس نے متعدد گھونٹ لے کر گلاس کو خالی کر دیا..

مرزا صاحب کا منہ کھلا ہوا تھا اور اگر ان کی ناک میں سے ایک خرخراہٹ تھراتی ہوئی باہر آتی سنائی نہ دیتی اور ان کی ناک کے متعدد بال بار بار اٹھتے نظر نہ آتے تو وہ مردہ لگتے..نیند ہر شخص کو بدصورت بنا دیتی ہے..

فون نمبر اس نے کئی ہفتے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا...اس روز جب وہ فرید کی شادی کی تاریخ مقرر کر کے گھر آئی تھی..اسی روز..اور اسے زبانی یاد تھا..اتنی بار ذہن میں دوہرا چکی تھی کہ اگر صرف سوچ سے ٹیلی فون کے نمبر دبتے جاتے تو اس کے گھر میں ٹیلی فون کی گھنٹی دن رات متواتر بجتی چلی جاتی..

وہ اپنی خوراک نگلنے کے بعد لیٹی نہیں' بیٹھی رہی' لیمپ کی روشنی میں اس کی نیم سنہری' غلافی اور کشش میں بجتی ہوئی..سیال اور پل بھر میں متغیر ہونے والی جاندار آنکھیں...پورے کمرے پر راج کرتی تھیں...ان کی زد میں آنے والی ہر شے... ٹیبل لیمپ' گلاس' بک شیلف' بچوں کی فریم شدہ تصویریں' کرسٹل کے زیبائشی گھوڑے اور بادبانی کشتیاں اور جاپانی کمبل..ہر شے سیال حالت میں بہنے لگتے تھے..لیکن بچوں کو جنم دینے سے اور مرزا صاحب کی مجنونانہ جنسی زبردستیوں سے اس کا بدن بہت بگڑا تھا' ڈھیلا اور بدوضع ہوا تھا لیکن اس کی آنکھیں اس توڑ پھوڑ میں سلامت رہی تھیں..ان پر وقت کا بہاؤ اور بے چاہت دباؤ اثرانداز نہیں ہو سکے تھے..

صرف اس کے پاؤں کمبل میں روپوش تھے..انہیں سمیٹ کر وہ پلنگ سے اتری اور بیڈ روم سلیپرز کے بغیر ننگے پاؤں کمرے سے باہر آ گئی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نظر فرید کے بیڈروم کے دروازے کے نچلے حصے پر گئی اور وہاں فرش کے چپس کو نمایاں کرتی ہلکی سی روشنی ابھی تک تھی..

وہ دونوں کیا کر رہے ہیں... اس کے حسد نے پھر دوہائی دی اور پھر اس نے زیر لب بڑبڑا کر.. شٹ اپ یُو بچ کہا اور لاؤنج میں آ گئی..

لاؤنج میں اندھیرا تھا.. اور اس میں گوٹی کناری کے لہنگے اور غرارے تھے.. سلک کی قمیضیں اور زیور تھے اور ڈائمنڈ نیکلس اور بندے تھے جو تاریکی میں بھی کہیں کہیں چمکتے تھے اور جنہیں نیند میں اترنے سے پیشتر اتارنے اور سنبھالنے کی زحمت کسی نے گوارہ نہ کی تھی.. تھکے ہوئے بے سدھ لوگ صوفوں پر... قالین پر... کمبلوں.. گرم چادروں اور رضائیوں میں لپٹے گہری خوابیدگی کے عالم میں اپنے تن بدن کا ہوش نہ رکھتے تھے... البتہ قالین کا ایک حصہ خالی تھا کیونکہ وہاں دولہن نے پانی سے بھرا ہوا مٹکا توڑا تھا... مٹکے کی ٹھیکریاں بھیگے ہوئے قالین پر بکھری ہوئی تھیں... دولہا دولہن پر وارے گئے سفید چاولوں کے دانے تاریکی میں بھی فرش پر سفید اور بے حس و حرکت چیونٹیوں کی مانند دکھائی پڑتے تھے.. وہ پلیٹ ابھی تک ایک تپائی پر دھری تھی اور اس کی سطح سے وہ شیرینی چمٹی ہوئی تھی جس میں سے ایک چمچ کھیر کا دولہن نے اپنے منہ میں ڈالا تھا... جہیز کا سامان' مہمانوں کے جوتے' مسلے ہوئے پھولوں کے ہار' گلدستے' بچوں کے کھلونے اور سالن کے ڈونگے... اسے بار بار ٹھوکر لگتی اور وہ اندھیرے میں ہاتھ پھیلا کر سنبھلتی' رک کر سامنے دیکھنے کی کوشش کرتی اور پھر اگلا قدم اٹھاتی..

فرنچ ونڈوز کے قریب' لاؤنج کے آخر میں' ایک کونے میں' ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کی دبیز جلدوں کے اوپر سرخ رنگ کا ٹیلی فون پڑا تھا.. اس کی گھنٹی کی آواز بند کر دی گئی تھی تاکہ مہمانوں کی نیند میں خلل نہ پڑے.. اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے گرفت میں لیا' دوسرے ہاتھ سے اس کی کیبل کھینچ کر سمیٹی اور پھر اسے اٹھا کر لاؤنج کا دروازہ کھولا اور باہر برآمدے میں آ گئی.. وہ بے اختیار کپکپائی اور مشکل سے اپنے دانتوں کو کٹکٹانے سے بچایا.. نومبر کی رات میں جو سرد اور نوکیلی دھار تھی وہ اس کے تھکاوٹ بھرے بدن تک اس کے شب خوابی کے ہلکے لباس کو چیرتی پہنچی اور اس کے ڈھیلے ماس کو تناؤ میں لے آئی.. گھر کے اندرون میں انسانی جسموں کی گرمی سے ایک آسائش کی کیفیت والا ہلکی حدّت اور



سانسوں کا ایک موسم ٹھہرا ہوا تھا.. لیکن باہر ایک ایسی سردیلی کاٹ تھی جس کے لیے وہ تیار نہ تھی.... اس نے ایک مرتبہ پھر ٹیلی فون کی تار کو کھینچ کر اطمینان کیا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس راکنگ چیئر کو ٹٹولا جو صبح سویرے اخبار پڑھنے کے لیے مرزا صاحب کی مرغوب بیٹھک تھی..

برآمدے میں گھپ اندھیرا تھا.. تمام روشنیاں بجھ چکی تھیں.. درختوں اور جھاڑیوں میں سرِ شام جو کرسمس لائٹس ٹمٹماتی تھیں اور مہمانوں کی آنکھوں کو اپنی سجاوٹ سے خیرہ کرتی تھیں اب وہاں نہیں تھیں.. بجلی کی سجاوٹ اور نمائش کرنے والے انہیں اتار کر لے جا چکے تھے..

راکنگ چیئر پر بیٹھ کر' فون کو اپنی گود میں رکھ کر وہ نمبر کے بٹن دبانے لگی.. اور اسے وہ فون نمبر زبانی یاد تھا.. جس شخص نے پوری زندگی اس آس میں بسر کی ہو کہ بالآخر جب وہ فارغ ہو گا تو کوئی ایک نمبر ڈائل کرے گا تو وہ اس نمبر کو کیسے بھول سکتا ہے.. ابھی اس نے ایک نابینا کی طرح بریل کے ابھرے ہوئے لمس تلے آئے ہوئے... صرف تین ہندسے دبائے تھے کہ اس کے بہت قریب میں.. یکدم تاریک اور سکوت میں آتی ہوئی خاموشی میں ایک پھڑ پھڑاہٹ سی ہوئی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی.. ٹیلی فون اس کی گود سے پھسل کر فرش پر جا گرا اور لاؤنج کے اندر سے کسی مہمان کی نیند میں بجھی ہوئی آواز چونکی "کون ہے؟"

چونگا ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا اور ٹیلی فون فرش پر گرنے کا احتجاج کرنے کے بعد اب کہیں گہرے سکوت میں گم ہو چکا تھا.. وہ ڈر گئی تھی... وہ ڈرنے والی عورت تھی.. اسے اندھیرے سے.. چھپکلیوں سے.. چمگادڑوں سے.. اور مرزا صاحب سے ڈر آتا تھا.. دم روکے ہوئے اس کی غلافی آنکھیں مزید پھیل گئیں... برآمدے میں دھرے تین بڑے گملوں میں سے ایک پر.. جن میں انہی دنوں ڈبل پٹونیا کے پودے لگائے گئے تھے ان میں سے ایک گملے کے کنارے ایک کبوتر براجمان تھا.. اور وہ بھی اُس کی یکدم موجودگی سے اتنا ہی خوفزدہ ہوا تھا جتنی کہ وہ... اور وہی یکدم پھڑپھڑایا تھا۔

اس کے تنے ہوئے خوف کے مارے اعصاب سکون میں آ گئے..

یہ عجیب سی رسم جانے ان کے رواجوں میں کہاں سے در آئی تھی کہ دولہن چوکھٹ میں قدم رکھے تو تیل ڈالنے کے علاوہ کبوتر چھوڑنے از حد ضروری ہیں.. شادی بیاہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



کے موقعوں پر ویسے بھی تھوڑا سا احمق اور بے دلیل ہو جانا خوشی کی نشانی ٹھہرتا ہے اور انسان اس قسم کے مشوروں کو قبول کرتا چلا جاتا ہے.. اسے آج سویرے ہی یہ اطلاع دی گئی تھی کہ آنٹی دولہن کی آمد پر ہر صورت تین عدد کبوتر اس کی جانب اچھالتے ہیں' عام سلیٹی رنگ کے روشن دانوں میں بیٹیں کرنے والے کبوتر نہیں' بلکہ چتکبرے اور چینی پنکھوں ایسی گھیرے دار دموں والے کبوتر... اگرچہ پہلے دو بیٹوں کی شادی پر اس قسم کی کوئی پابندی نہ تھی لیکن ہر زمانے میں شادی کی رسمیں کچھ اور سے اور ہوتی جاتی تھیں.. وہ لوگ جو اپنی کاروں پر "کرش انڈیا" کے سٹکر لگائے پھرتے تھے شادیوں پر تیل مہندی اور دیگر شگن کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور تازہ ترین ہندوستانی فلم میں دکھائے گئے شادی کے ملبوسات خصوصی طور پر تیار کرواتے تھے اور ان رواجوں کی ہو بہو نقل کرتے تھے جو ان فلموں میں کولہے چھنکاتی اور ناف لرزاتی خواتین دولہا دولہن کے سامنے پرفارم کرتی تھیں.... شاید یہ رسم بھی ادھر سے ہی آئی تھی اور وہ بحث نہ کر سکی کہ اس کے جواب میں یہی جواز پیش کیا جانا تھا کہ آنٹی خوشی کا موقع ہے.. چنانچہ تین چتکبرے چینی پنکھوں ایسی دموں والے کبوتر بہت ضروری تھے..

وہ شادی کے دیگر انتظامات اپنی بڑی بہنوں کے سپرد کر کے ذاتی طور پر برڈ مارکیٹ گئی تھی اور بڑی افراتفری میں گئی تھی.. اور وہاں مسئلہ یہ آن پڑا کہ پوری مارکیٹ میں چتکبرے اور چینی پنکھوں ایسی دموں والے صرف دو کبوتر مل سکے اور اس نے یہ سوچ کر کہ کبوتر کی نسل سے کیا فرق پڑتا ہے مجبوراً ایک دیسی قسم کا وہی روشندانوں میں بسیرا کرنے والا سرمئی کبوتر خرید لیا تھا..

یہ وہی دیسی کبوتر تھا جو دلہن کے گھونگھٹ پر سے پرواز کر جانے کی بجائے سب کی نظروں سے اوجھل ہو کر یہاں پچونیا کے بڑے گملے پر آ بیٹھا تھا اور ابھی تک بیٹھا ہوا تھا اور اسی نے اپنی یکدم پھڑ پھڑاہٹ سے اسے ڈرا دیا تھا.. اپنی اس بد تمیزی کی معذرت میں وہ اب ہولے ہولے غٹر غوں غٹر غوں کر کے شرمندگی کا اظہار کر رہا تھا..

اس نے ایک طویل سانس اپنے تھکے ہوئے پھیپھڑوں میں اتارا اور پھر جھک کر ٹیلی فون اٹھایا.. راکنگ چیئر پر بیٹھ کر اس نے بٹنوں کو اپنی پوروں سے آہستہ آہستہ چھوتے ہوئے وہی نمبر مکمل کیا..



آخری ہندسہ دباتے ہی دوسری جانب گھنٹی بجنے کی آواز آئی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے ذرا سا جھلایا اور انتظار کرنے لگی..

کبوتر نے ایک آخری غٹر غوں کی اور صورت حال سے مفاہمت کر لی..

خاور کے بوٹوں پر قبرستان کی دھول کی باریک تہہ تھی..

اپنے تھکے ہوئے دکھتے پاؤں کو ان میں سے نکالتے ہوئے اس نے دھول پر انگلی پھیری.. ان ذرّوں میں.. اس نے ہتھیلی پلٹ کر دھول سے اٹی پوروں کو دیکھا.. ان ذرّوں میں جانے کیا صورتیں تھیں جو پنہاں تھیں.. ہر ذرے میں کوئی نہ کوئی صورت تھی..

اس کا کھانا ٹیبل پر لگا تھا اور بشیر اپنا یہ فرض پورا کر کے اپنے کوارٹر میں.. اپنی نوبیاہتا دوسری بیوی کے پاس جا چکا تھا اپنا وہ فرض پورا کرنے..

ٹیلی ویژن ابھی تک.. رات کے اس پہر بھی آن تھا اور اس پر کوئی عینک والا شخص موجودہ حکمرانوں کو پیغمبری کی قربت میں لے جا رہا تھا اور اس کے چہرے پر ایک مکار اور پر تکبر تقدس تھا..

طاہرہ کی موت سر شام ہوئی تھی اور اصولاً اسے کل صبح کسی وقت دفنانا چاہئے تھا لیکن میت انتظار کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی.. اسی لیے اسے فوری طور پر رات میں ہی دفن کر دیا گیا.. وہ ابھی طاہرہ کو ہی مٹی میں دبا کر آ رہا تھا.. بلکہ اسے کدالوں کی مدد سے دفن کرنے والے تو پیشہ ور گورکن تھے اور وہ صرف ایک جانب کھڑا.. جب کہ بہتر تصویر کی آرزو کرنے والے بے شمار اہم لوگ اسے دھکیل کر قبر کے کناروں پر جا تعینات ہوئے تھے وہ ایک جانب کھڑا.. دیکھتا رہا تھا کہ ایک پر بہار اور کومل بدن کو کیسے مٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے.. اور کیسے گیس کے ہنڈولوں کی روشنی میں لوگ اکتاہٹ سے پہلو بدلتے ہیں اور قبر کے مکمل ہونے کا انتظار کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے حصے کی مٹھی بھر مٹی ڈھیر پر پھینک کر فارغ ہوں اور گھروں کو لوٹیں..

ایک دھان پان سی گوری چٹی اور باریک ہنستی ہوئی آنکھوں والی لڑکی.. طاہرہ.. ایک پر اثر اور اپنی موجودگی سکرین پر ثابت کر دینے والی اداکارہ... اس میں تھوڑا سا فلمی رنگ تھا جو ٹیلی ویژن پر جچتا نہیں لیکن اس کے باوجود اس کی ظاہری معصومیت دل کو بھلی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



لگتی تھی.. اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا بے اختیار اور بے مثل رونا دھونا تھا.. وہ المیہ مناظر میں تو روتی ہی تھی لیکن خوشی کے موقعوں پر بھی دھواں دار روتی ہوئی ہنستی تھی اور مسرت کو المیے کی قربت میں لے جا کر ایک نیا انداز دیتی تھی.. اور وہ روتی ہوئی اچھی لگتی تھی۔

اگر ٹیلی ویژن کے لیے کوئی کھیل لکھتے ہوئے اسے پروڈیوسر یہ اطلاع دے دیتا تھا کہ فلاں کردار کے لیے میں نے طاہرہ کو منتخب کیا ہے تو وہ اس کی آسائش کے لیے خاص طور پر ایسے منظر تحریر کرتا تھا جن میں وہ دل کھول کر آسانی سے آنسو بہا سکتی تھی..

وہ ہمیشہ اسے "منی مدھوبالا" کہتا اور وہ منہ بنا کر ذرا نخریلی ہو کر روٹھنے کے انداز میں کہتی "خاور صاحب... آپ مجھے منی کیوں کہتے ہیں.. کیا صرف مدھوبالا کافی نہیں ہے؟"

"بھئی اس لیے کہ مدھوبالا تو پٹھانی تھی.. ہڈ پیر کی مضبوط اور ذرا فراخ.. اور تم ذرا دھان پان اور مختصر ہو.. اس کا منی ایڈیشن.. نو آفنس.."

آخری بار وہ اسے تب ملی تھی جب وہ ٹیلی ویژن سٹیشن کے صدر دروازے کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھا دھوپ تاپ رہا تھا اور وہ کسی ڈرامے میں شوٹنگ کے وقفے کے دوران باہر آکر اس کے برابر میں آ بیٹھی تھی.... وہ ٹھیک نہیں لگتی تھی.. اسے دیکھ کر خاور کو کچھ ملال سا ہوا.. میک اپ کے باوجود اس کے چہرے پر رونق نہیں تھی اور وہ پھولا ہوا سا لگتا تھا.. وہ پہلے سے بھی دبلی ہو چکی تھی..

"خاور جی.. آپ نے آج تک جتنی لڑکیاں دیکھی ہیں.. کیا میں ان سب سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوں.." اس نے بڑی سنجیدگی سے یہ سوال پوچھا تھا۔

دسمبر کی دھوپ میں اس کے چہرے کی زردی میک اپ کی تہوں میں سے پھوٹتی تھی اور وہ ہر بار جب سانس لیتی تھی تو اسے کھینچ کر لیتی تھی..

"صرف ایک کے سوا... تم سب سے زیادہ خوبصورت اور پرکشش لڑکی ہو" اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا..

"اور وہ ایک کون ہے؟" اس نے باقاعدہ برا منالیا "کون ہے؟"

"میں ابھی اس سے نہیں ملا.." اس نے پھر ہنس کر کہا..

"میں جیت گئی.. میں جیت گئی.." اس نے خاور کا ہاتھ اپنی مٹھی میں لے کر دسمبر



کی دھوپ میں بلند کر دیا اور بچوں کی طرح نعرے لگانے لگی۔

پھر اخباروں میں اس کی بیماری کی خبریں تواتر سے آنے لگیں..

کامپلیکس کے ہسپتال کے ایک پرائیویٹ کمرے میں.. ایک عام سے کمرے میں جس میں فینائل کی تیز بُو تھی اور جس کی کھڑکی کے باہر کوڑے کے ڈرم تھے جن میں غلیظ پٹیاں اور مریضوں کے اندر سے برآمد ہونے والی رسولیاں اور آپریشن کے ذریعے بدن سے الگ کر دیے جانے والے بدن کے کچھ حصے تھے اور ان پر ہمہ وقت دو تین موٹی موٹی بلیاں اپنی شکم پری کے بعد پنجوں سے مونچھیں سنوارتی تھیں اور کبھی کبھار کھڑکی کے اندر اس بستر کی جانب آنکھیں کرتی تھیں جس پر طاہرہ لیٹی تھی.. اگرچہ اس کا چہرہ بے روح ہو جانے کے باوجود وہی تھا لیکن اس کا بدن نہ تھا.. اس کا پیٹ بے طرح پھولا ہوا تھا اور اس پر چادر کھسکتی تھی اور وہ اپنے پاؤں بھی نہیں دیکھ سکتی تھی.. اس کی آنکھوں اور پاؤں کے درمیان ایک گنبد ابھرا ہوا تھا جو کبھی اس کا ستواں پیٹ ہوا کرتا تھا.. اور اس کی آنکھیں بار بار ناتوانی سے بند ہوتی تھیں... بستر کی پائنتی کے سامنے دیوار کے ساتھ ایک مستطیل میز تھی جس پر پھولوں کے درجنوں گلدستے دھرے تھے لیکن وہ انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی کہ اس کا پھولا ہوا پیٹ حائل ہوتا تھا..

سرہانے کے ساتھ ایک تپائی پر اپنے عہد کی ایک پرکشش اور مخبوط الحواس اور اپنے آپ میں کھو کر اداکاری کرنے والی ٹیلی ویژن کی اداکارہ... سکینہ بانو اس کا ہاتھ تھامے ہوئے نہایت رنجیدہ اور مغموم حالت میں از حد پریشان کہہ رہی تھی "طاہرہ.. تم اچھی ہو جاؤ گی.. میں نے ابھی ڈاکٹروں سے بات کی ہے.. وہ کہتے ہیں کینسر لاعلاج مرض نہیں رہا.. وہ تمہاری اداکاری کے شیدائی ہیں، تمہیں مرنے نہیں دیں گے.. تم اچھی ہو جاؤ گی اور پھر.. ہم دونوں ایک زبردست ڈرامے میں کام کریں گی.."

کمرے کا دروازہ کھلا...

برآمدے میں بیٹھا بوڑھا وارڈ بوائے طاہرہ بی بی کے کمرے میں ہر کسی کو آنے نہیں دیتا تھا..

اس لیے جو بھی آتا تھا وہ ایسا ہوتا تھا جسے دیکھ کر وارڈ بوائے پہچان جاتا تھا اور متاثر ہو جاتا تھا اور کھڑے ہو کر دروازہ کھولتا تھا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک ہی بہت ہی فکر مند اور گھبرائی ہوئی اور بیٹھی ہوئی آواز والی قدرے عمر رسیدہ اداکارہ نجمہ گیلانی داخل ہوئی اور روتی ہوئی طاہرہ کا دوسرا ہاتھ تھام کر ہچکیاں لیتے ہوئے بولی "جان تم فکر نہ کرو.. میں نے ابھی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے بات کی ہے.. تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے جان.. حوصلہ کرو.. تم تندرست ہو جاؤ گی اور پھر ہم دونوں.." اس کی نگاہ کھڑکی کے قریب کرسی پر سر جھکائے خاور تک گئی "اور پھر ہم دونوں خاور صاحب کے لکھے ہوئے ڈرامے میں کام کریں گی.. تم اچھی ہو جاؤ گی.."

طاہرہ کا دوسرا ہاتھ تھامے ہوئے سکینہ بانو نے یہ سنا تو اس کا پارہ یکدم چڑھ گیا "تم کس کھاتے میں ہو.... پروڈیوسروں کی چاپلوسیاں کر کے اور ان کے ہاتھ چوم چوم کر تو تم کاسٹ ہوتی ہو... میں تمہیں نہیں جانتی.. طاہرہ کے ساتھ میں کام کروں گی.."

نجمہ گیلانی ٹھنڈے مزاج کی اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی عورت تھی اس نے آواز بلند نہیں کی.. طاہرہ کا ہاتھ تھامے رکھا اور کہا "بانو میرا منہ نہ کھلواؤ.. تمہارے فلیٹ میں جو آمد و رفت ہوتی ہے اس سے میں بخوبی واقف ہوں.. تم اتنی بھی مخبوط الحواس نہیں ہو جتنی بنتی ہو.."

بانو طاہرہ کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی "تمہارے پاس کچھ ہو تو تمہارے فلیٹ میں بھی آمد و رفت ہو.. طاہرہ کے ساتھ صرف میں کام کروں گی.. کیوں طاہرہ؟"

طاہرہ کسی اور کرّے کسی اور سیارے میں تھی.. اس کی آنکھیں بار بار بند ہوتی تھیں اور جب کھلتی تھیں تو اس کے سامنے اس کا پھولا ہوا پیٹ آتا تھا جس کے پار اس کے پاؤں تھے اور مستطیل میز پر سجے گلدستے تھے جن کے پھول اسے نظر نہ آتے تھے..

کھڑکی کے باہر کوڑے کے ڈرم پر بیٹھی ہوئی بلیاں کسی مریض کے پیٹ میں سے برآمد کردہ ایک لمبی آنت کو نہایت رغبت سے کھا رہی تھیں.. انہیں اس سے غرض نہ تھی کہ وہ مریض جانبر ہوا ہے یا نہیں.. نجمہ نے طاہرہ کے رخساروں پر ایک تھپکی دی.. اس کے رخسار حنوط شدہ لگتے تھے "کیوں جان.. تم میرے ساتھ کام کرو گی ناں..."

اس کے بعد ایک عجیب تماشہ شروع ہو گیا.. بانو اور نجمہ باقاعدہ دست و گریباں ہونے کو آئیں اور خاور کو مجبوراً ان کے درمیان آنا پڑا... انہیں الگ کرنا پڑا..

اسے یاد تھا کہ اس لمحے طاہرہ کے باریک اور زرد ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ



آئی.. اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہ تھا..

کمرے سے باہر جاتے ہوئے بانو اور نجمہ کی طبیعت میں ٹھہراؤ آ گیا اور انہوں نے باہر کھڑے گدھ اخبار نویسوں کے سامنے آبدیدہ ہو کر کہا... یہ ایک ذاتی المیہ ہے.. لیکن آپ لوگ اگر رپورٹ کرنا چاہتے ہیں تو کر دیں.. کہ ہم طاہرہ کی بیمار پرسی کرنے کے لیے آئی تھیں.. اور ہمیں بہت دکھ ہے.. بہت ہی رنج ہے کہ وہ مر رہی ہے.. ہم تصویر نہیں اتروائیں گی.."

طاہرہ اگلے روز مر گئی..

آج اس کے جنازے پر ایک عجیب انکشاف ہوا.. پچھلے وقتوں کی جو تصویریں ان دنوں اخباروں کے خصوصی ایڈیشن میں شائع ہوتی تھیں کہ فلاں صاحب.. اور فلاں سیاسی شخصیت.. اور فلاں تحریک کے نامور کارکن... فلاں کی تدفین کے موقع پر سوگوار کھڑے ہیں تو ان تصویروں کا ماخذ کیا ہوتا تھا..

طاہرہ کے جنازے پر بیشتر جانے پہچانے لوگ جو چارپائی کو کندھا دیتے تھے آنکھیں کھلی رکھتے تھے اور دھیان میں رہتے تھے کہ پریس فوٹو گرافر کس جانب کیمرے سیدھے کرتے ہیں اور پھر اس جانب ایک سوگوار شکل کے ساتھ کندھا دیتے تھے۔

جب اسے گئی رات دفن کیا جا رہا تھا تو تمام اہم لوگ.. اداکار.. ادیب.. سیاستدان اور دیگر معززین... قبر کے اس کنارے پر کھڑے تھے جس کے مقابل میں پریس فوٹو گرافر اپنے کیمرے درست کرتے تھے اور جب طاہرہ کی چارپائی کو اس کے جسد سے جدا کر کے اسے قبر کے ڈھیر پر رکھا گیا اور اس کی لاش کو نیچے اتارا جانے لگا تو کیمرہ مین ایک بہتر زاویے کے لیے یکدم اس کنارے سے دوسری جانب چلے گئے تو سوگواروں میں ایک ہڑبونگ سی مچ گئی اور وہ فوراً ادھر جا کھڑے ہوئے جہاں سے تصویر اتر سکتی تھی۔

خاور کے بوٹوں پر قبرستان کی دھول کی باریک تہہ تھی..

وہ اپنے تھکے ہوئے پاؤں بوٹوں میں سے نکال رہا تھا..

اپنی پوروں پر جمے ذروں میں پنہاں ہو گئی صورتوں کو دیکھ رہا تھا.. اور ان بلیوں کی یادداشت اس کے ذہن سے غراتی دانت کچکچاتی محو نہ ہوتی تھی جو طاہرہ کے کمرے کی کھڑکی سے باہر کوڑے کے ڈرم پر بیٹھی شاید ایک آنت کو اور شاید ایک منقطع زندگی کے لوتھڑے کو

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



آپس میں جھنجوڑ رہی تھیں جب گھر کے سناٹے میں یکدم ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بجنے لگی....

چونگا اٹھانے سے پیشتر اس نے جلدی سے اپنی دھول بھری پوروں کو صوفے کے کپڑے پر رگڑ کر صاف کیا اور پھر نہایت بے دلی سے اسے اٹھایا اور صرف "جی.." کہا..

"خاور؟"

"جی میں بول رہا ہوں.."

جواب میں کچھ نہ آیا.. لیکن جو کوئی بھی تھا اس کا منہ رسیور کے بہت قریب تھا.. ایک مدھم سانس کی موجودگی سنائی دیتی تھی اور اس کے پس منظر میں ایک پھڑ پھڑاہٹ..

"کون ہے؟"

اسے واضح طور پر پھڑپھڑاہٹ کے ساتھ ایک غٹرغوں قسم کی آواز بھی اگرچہ بہت مدھم مگر سنائی دی..

"کون ہے؟" اس نے پھر پوچھا اور چونگا کریڈل پر رکھنے کو تھا کہ ادھر سے ایک اور تھکاوٹ بھری آواز آئی "تم کیسے ہو؟" جیسے صدیوں سے جان پہچان ہو ایسے کہ تم کیسے ہو....

"میں ٹھیک ہوں جی.. لیکن آپ کون بول رہی ہیں؟"

"مجھے آپ نہ کہو.. تم کہو.."

"لیکن آپ کون بول رہی ہیں؟"

"پاگل خانہ..." آواز میں خوشی اور یقیناً ایک کبوتر کی غٹرغوں تھی۔

"اگر آپ یہ نہیں بتائیں گی کہ آپ کون ہیں...اپنا تعارف نہیں کروائیں گی تو میں فون بند کر دوں گا.."

"تو میں دوبارہ کر لوں گی.. ابھی اور اسی وقت... سہ بارہ کر لوں گی... سو بار کر لوں گی یہاں تک کہ تم فون بند کرتے کرتے تنگ آ جاؤ.. اس لیے فون بند نہ کرنا.. تم کیسے ہو؟"

"میں.. بہت تھکا ہوا ہوں.. آپ بتائیں کہ آپ کون ہیں.. میں فون کو ڈس کونیکٹ بھی کر سکتا ہوں.."

اسے اس نوعیت کے فون آتے رہتے تھے..

میڈیا کا طلسم ایسا تھا جو راکھ کو بھی الاؤ کی شکل دے کر لوگوں کو فریب میں مبتلا کر دیتا تھا اور وہ اس فریب کا شکار ہو کر اسی قسم کے فون کرتے تھے..



"آج میرے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے کی شادی تھی.. وہ دونوں اپنے کمرے میں ہیں اور گاڈ نوز کہ کیا کر رہے ہیں.. مجھے ان تین گرہوں نے اب تک باندھ رکھا تھا.. آج آخری گرہ بھی کھل گئی ہے... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں... بتاؤ کب؟"

خاور نے فون رکھ دیا.. اگرچہ اسے اس نوعیت کے فون آتے رہتے تھے... لیکن وہ اس نوعیت کا شخص نہ تھا.. اس کی پوری زندگی میں اس کی بیوی واحد عورت تھی۔ اگرچہ وہ دونوں الگ خصلتوں کے مالک تھے 'جدا طبع رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں ایک باہمی قرار تھا جس کی بنیاد پر ان کی زندگی میں کسی حد تک روانی تھی.. وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت تو نہ کر سکے اور شاید وہ دونوں ہی محبت کے مفہوم سے ناآشنا تھے لیکن ایک دوسرے کی موجودگی میں وہ ایک پرسکون ٹھہراؤ محسوس کرتے اور زندگی گزرتی جاتی۔ دس برس پیشتر جب اچانک اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی تھی اور وہ لمحوں میں مردہ ہو گئی تھی تو اس کے بعد اس نے آج تک کسی اور عورت کی رفاقت کے بارے میں سوچا تک نہ تھا.. اس کے آس پاس نہ ہونے سے جو خلا پیدا ہوا تھا اسے پُر کرنے کا کبھی نہ اس کو خیال آیا تھا اور نہ ہی ضرورت محسوس ہوئی تھی..

فون کی گھنٹی فوراً ہی دوبارہ بجنے لگی تھی اور اس میں ایک دھمکی آمیز تسلسل تھا جو منقطع ہونے کا ارادہ نہ رکھتا تھا..

"میں نے کہا تھا ناں کہ میں دوبارہ فون کر لوں گی... سہ بارہ... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

وہ کوئی نفسیاتی مریضہ بھی ہو سکتی تھی.. جوان بیوہ' کوئی ٹین ایج یکدم میچور ہو جانے والی لڑکی' امریکہ وغیرہ میں سیٹل کسی شخص کی تنہائی کی ماری ہوئی بیوی.. یا کوئی مشہور شاعروں' ادیبوں' اداکاروں یا مصوروں کی "ٹرافیاں" جمع کرنے کی شوقین عورت.. اسی نوعیت کے فون آتے تھے..

"آر یو دیئر؟"

"جی..."

"تو پھر؟"

"آپ.. مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"کیوں' کے لیے تو بہت زمانے طے کرنے ہوں گے.." وہ بہت احتیاط سے ہنسی اور اسی احتیاط کی پیروی میں پس منظر میں ایک ہلکی پھڑ پھڑاہٹ ہوئی" جب میں کالج میں تھی..ایم اے انگلش لٹریچر کے آخری سال میں تھی..جب میں نے تمہاری پہلی کتاب پڑھی تھی..جب میں نے پہلی بار تمہیں ٹیلی ویژن کے ایک ادبی پروگرام میں دیکھا تھا..تب سے..اور پھر میں منتظر رہی کہ کب آخری گرہ مجھے آزاد کرے اور میں تمہیں یہ فون کروں..بس اسی پروسس کی وجہ سے چوبیں پچیس برس دیر ہو گئی.." وہ قطعی طور پر کوئی جذباتی خاتون نہیں تھی' نفسیاتی مریضہ ایسے اطمینان سے بات نہیں کرتی تو پھر وہ کس کیٹیگری میں آتی تھی..

"دیکھئے میں..میں شکر گزار ہوں لیکن .. شاید یہ ممکن نہ ہو..میں قدرے مصروف رہتا ہوں اور..جب تک.. آپ یہ نہ بتائیں کہ آپ مجھے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں اور کیا بات کرنا چاہتی ہیں..تو..."

"تم ملاقات کا ایجنڈا جاننا چاہتے ہو؟" وہ پھر احتیاط سے ہنسی "ایک ہی ایجنڈا ہے...محبت...کیا یہ کافی نہیں..اگر تم انکار کرو گے تو کل صبح ساڑھے نو بجے تمہاری ڈور بیل بجے گی..بارہ کہو کے علاقے میں سملی ڈیم کو جانے والی سڑک پر جو گہرے سبز رنگ کا گیٹ ہے اس کی بیل پر میری انگلی تب تک دبی رہے گی جب تک وہ کھلے گا نہیں اور اگر تم کھڑکی کے پردے کی اوٹ سے مجھے دیکھ کر باہر نہیں آؤ گے تو میں وہاں تب تک کھڑی رہوں گی جب تک تم باہر نہ آ جاؤ..." یہ آثار کسی ذہنی مریضہ کے ہو سکتے تھے..

"میں انکار کردوں تو بھی..."

"تو بھی . . تم اپنا ٹیلی فون تو صرف میرے لیے ڈس کونیکٹ نہیں کروا سکتے..ڈور بیل تو نہیں اتروا سکتے.."

"کیا تم شادی شدہ ہو؟"

"نیچرلی...اس کے بغیر میں تین بیٹے کیسے پروڈیوس کر سکتی تھی..."

بیزاری اور تھکن کی جگہ ایک تجسس نے اسے گرفت میں لے لیا..کیا اس قسم کے کردار حقیقی زندگی میں ممکن ہیں.."تو اس صورت میں آپ مجھے کیسے مل سکتی ہیں؟.."

"میں نے تمہیں بتایا ہے ناں کہ آخری گرہ کھل چکی ہے..میرے ہاتھ جو خاوند اور



اولاد کے شکنجوں میں کسے ہوئے تھے آزاد ہیں..پلیز آپ مجھ سے مل لو...کتنے بجے؟"

"کل صبح دس بجے..اگر مناسب ہو تو..."

"کہاں؟"

"اگر آپ مری روڈ کی اس کراسنگ پر آ جائیں جہاں سے بارہ کہو کے لیے سڑک نکلتی ہے تو..."

"میں آ جاؤں گی..اور اگر تم نہ آئے تو اسی سڑک پر جو سرخ کھپریل والا گھر ہے اس کے گہرے سبز رنگ کے گیٹ پر جو اسی رنگ کی کال بیل ہے اس پر ساڑھے دس بجے..."

"لیکن میں آپ کو کیسے پہچان سکوں گا؟"

"میں تمہیں پہچانتی ہوں..ایک مدت سے پہچانتی ہوں..سویٹ ڈریمز.." فون بند ہو گیا۔

پٹونیا کے تیسرے گملے پر بیٹھے سرمئی کبوتر نے بہت دیر سے غٹر غوں نہیں کی تھی..شاید وہ اس کی طویل گفتگو سے بور ہو کر اونگھ گیا تھا..

بیڈ روم میں واپس آ کر اس نے اپنے حصے کے بستر میں لیٹ کر چھت کے اس حصے کو ایک نظر دیکھا جس پر پینٹ کا آخری کوٹ نہیں ہوا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آف کر دیا..اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کے ہاتھ نے اس کے بدن کو ٹٹولا "ادھر آ جاؤ..."

"نہیں..."

"کیا مطلب ہے 'نہیں!'"..وہ انکار کے عادی نہیں تھے۔

"آج کے بعد اس ڈبل بیڈ کے درمیان میں ایک دیوار ہے جسے تم پار نہیں کر سکتے" اس نے مرزا صاحب کے ہاتھ کو سمیٹا اور جھٹک دیا اور پھر کروٹ بدل کر فوراً ہی گہری نیند میں چلی گئی..

مرزا صاحب کی آنکھیں حیرت اور غصے میں کھلی تھیں..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ہم سب کے اندر ایک ایسا وجود ہے جو ہمیشہ برقرار رہتا ہے.. اس پر موسموں کے تغیر کا... مہ وسال کے گزرنے کا' وقت کی کسی لہر کا... قدرتی تنزل کا.. کسی ٹوٹ پھوٹ کا کچھ اثر نہیں ہوتا.. آپ اس کی برقراری سے بحث نہیں کر سکتے' اسے قائل نہیں کر سکتے کہ کسی بھی شے کو دوام نہیں.. کیونکہ آپ خود بھی تو اس یقین کے اسیر ہوتے ہیں کہ نہیں میں وہی ہوں جو کہ میں تھا اور وہ نہیں جو کہ میں ہوں... اسی لیے اس وجود میں کوئی دراڑ نہیں پڑتی یہ قائم و دائم رہتا ہے' سالم رہتا ہے.. اس وجود کی گردن کا ماس ادھیڑ عمری کے باعث مردہ جھریوں میں سمٹ کر کریہہ المنظر نہیں ہو جاتا.. یہ راتوں کو بار بار باتھ روم جانے کے لیے بستر سے نہیں اٹھتا اور ہر بار واپس آکر اسے اپنا سانس درست نہیں کرنا پڑتا.. سردیوں کے پچھلے پہروں میں یہ ایک نامعلوم بخار زدہ کیفیت میں مبتلا ہو کر سست' بیزار اور بے مقصد محسوس نہیں کرتا.. اس کا بلڈ پریشر نارمل رہتا ہے' شریانوں میں کوئی اٹک نہیں ہوتی اور اس کے دانت خزاں رسیدہ ہو کر جھڑنے کو نہیں ہوتے.. وہ سخت خوراک کھانے سے مکئی کے بھنے ہوئے سخت دانے چبانے سے اور غسل خانے میں پانی سے بھری ہوئی بالٹی یا کوئی بڑا گملا اٹھانے سے پرہیز نہیں کرتا.. وہ دوائیوں اور خصوصی خوراکوں سے آگاہ نہیں ہوتا..

آپ کے اپنے وجود کے اندر یہ برقرار اور دائم وجود آپ کو اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے.. ایک دھند بھری سرد کٹیلی سویر میں کسی پارک کی ٹھٹھری ہوئی گھاس پر پڑتی سورج کی بے حدت زرد شعاعوں سے جب کہرے کے ذرّے ہیرے کی کنی میں بدل کر چمکتے ہیں تو یہ وجود ایک کروٹ لیتا ہے.. کسی سناٹے میں لے جانے والی پرکشش عورت کو دیکھ کر.. ایک فاسٹ باؤلر کو میچ کا بیسواں اوور اس شدت اور قوت سے کرواتے ہوئے دیکھ کر



جیسے وہ اس کا پہلا اوور ہو.. یہ وجود کہتا ہے کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں.. اور ایک جمناسٹ کو بازو پر ہاتھوں کے سہارے فضا میں تادیر معلق دیکھ کر.. اس کا یونانی دیوتاؤں ایسا مجسمہ بدن دیکھ کر... کہ یہ تو مشکل نہیں.. چنانچہ وہ برقرار وجود آپ کے موجود وجود کو یکسر بھلا دیتا ہے لیکن آپ ہمہ وقت آگاہ رہتے ہیں کہ یہ فریب ہے.. ہیرے کی کنی.. پرکشش عورت.. فاسٹ باؤلر اور جمناسٹ بہت پیچھے رہ گئے ہیں.. اگرچہ یہ فریب ہے پھر بھی شک باقی رہتا ہے اس لیے کہ برقرار وجود ہار نہیں مانتا...

یہ برقرار وجود خاور کو بھی بہت اذیت دیتا تھا..

وہ سر جھکا کر' شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دینے کے لیے میز پر بیٹھنا چاہتا تھا اور وہ اسے بیٹھنے نہیں دیتا تھا.. وہ اسے عمر کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرنے دیتا تھا.. اور وہ کرنا چاہتا تھا۔

چوبیس گھنٹوں میں صرف وہ ایک لمحہ ہوتا تھا جب یہ برقرار وجود ایک دھچکے سے پیچھے ہٹ جاتا تھا.. جب وہ صبح کی سیر سے واپسی پر شیو بنانے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا تھا.. سوجی ہوئی بے روح آنکھیں اور ان کے گرد کوے کے پنجوں ایسی بے جان جھریاں' گال وہاں وہاں سے پچکے ہوئے جہاں سے اس کی داڑھیں نکل چکی تھیں.. چوڑے ماتھے کی شکنوں سے بھی بٹتے ہوئے باریک ہوتے الگ الگ نظر آتے ہیئر کلر کی بے قاعدگی کے سبب بدرنگ ہوتے بال... ایسے کہ ان کے چھدرے پن میں سے سر کا ماس جگہ جگہ سے نمایاں ہوتا ہو.. اور چہرے کی جلد کو چٹکی میں بھر کر چھوڑنے سے وہ اپنی اصلی حالت کو نہیں لوٹتی تھی.. تادیر وہیں اسی مقام پر پڑی رہتی تھی..

وہ جونہی آئینے سے ہٹتا تھا تو برقرار وجود پھر سے اس پر حاوی ہونے لگتا تھا..

اسے ٹیلی ویژن پر نمودار ہونے کے لیے اب قدرے گھنے میک اپ کی ضرورت پیش آتی تھی۔ لائٹ میک اپ میں اس کے چہرے کی جھریاں نمایاں ہو کر اس کی عمر کے ہر برس کی منادی کرتی تھیں.. اس صبح ناشتے کی میز پر وہ ابھی تک اپنے اصل اور زوال پذیر وجود کے شکنجے میں تھا کیونکہ وہ چند لمحے پیشتر باتھ روم میں اس کے مقابل تھا..

شب بھر کی تسلی کے باوجود بشیر کو اپنی دوسری دلہن کے پاس لوٹنے کی بے چینی ہوتی تھی اس لیے وہ پورے آٹھ بجے ناشتہ لگا کر اپنے کوارٹر میں جا چکا تھا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ٹوسٹ ٹھنڈے ہو چکے تھے اور ان پر چھری سے بچھایا جانے والا زرد مکھن بھی منجمد حالت میں تھا' پگھلتا نہ تھا.. میدے کے ٹوسٹ چبانے میں اسے دقت ہوتی تھی.. وہ ابھی کورن فلیکس اور دلیے کی نرمی کو اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا.. آنے والے دنوں میں انہی کی نرمی بچے کھچے دانتوں کے لیے قابل قبول ہونی تھی تو جتنے روز وہ ڈبل روٹی کی چکیلی سختی کو برداشت کر سکتا تھا کیوں نہ کرے.. بڑھاپے کی مرغوبیت پر ڈاکٹر طاہر نے عینک اتار کر بار بار سر ہلایا تھا' اتنی چکنائی اس عمر میں تو خودکشی ہے سر...

البتہ پرانی وضع کی ٹی کوزی میں ڈھکی کافی ابھی تک گرم دھواں دیتی تھی..

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ اخبار اٹھائے اپنے مختصر لان میں آ گیا.. اور ہر صبح کی طرح آج بھی اس کا جی خوش ہو گیا.. اس منظر کو ہر صبح دیکھنے کے باوجود وہ ہمیشہ ٹھٹک جاتا تھا۔ بارہ کہو کی سرسبز پہاڑیاں لان کی دیوار پر سے جھانکتے اس کے گھر کے اندر چلی آتی تھیں..

سرخ رنگ کی کیمپنگ چیئر پر بیٹھ کر اس نے اپنے دن کا پہلا سگریٹ سلگایا اور اس کے آخری کش نے اسے بے دم کر دیا.. تمباکو کا اصل نچوڑ ہر کش کے ساتھ فلٹر کی قربت میں جمع ہوتا رہتا ہے اور جونہی سلگاہٹ اس تک پہنچتی ہے تو وہ اپنی گھنی مہک کا سحر پھیپھڑوں میں بھر دیتا ہے.. کینسر آر نو کینسر وہ ایک کش زندگی کو مسحور کر دیتا ہے..

اس نے یہ مکان تعمیر کر کے جوا کھیلا تھا..

تب تک اسے علم نہ تھا کہ عقابوں اور سرخابوں کی موجودگی میں ایک چڑیا کا گھونسلا بھی محفوظ رہ سکتا ہے..

وہ اسلام آباد میں اپنے کرائے کے دو کمروں کے فلیٹ کی قید میں سے نکل کر ایک مرتبہ چند بااثر دوستوں کے ہمراہ سملی ڈیم گیا تھا جس کے پانیوں میں لنگر انداز ایک بیکار اور زنگ آلود موٹر بوٹ میں کراچی سے آئے ہوئے کسی بیزار اور سٹاک ایکسچینج میں بہت بلند مرتبے پر فائز بزنس مین کے اعزاز میں ایک پارٹی تھی.. جانے یہ کس کے مفاد میں تھی اور کس نے اس کا بندوبست کیا تھا.. یہاں آفیشل ڈرنک صرف واڈکا اور جن تھی جن کی سفید رنگت ان کے شراب ہونے پر پردہ ڈالتی تھی اور ڈیم کی سیر کو آنے والے خاندان اور معززین اگر ان کی جانب دیکھتے تھے تو یہی سمجھتے تھے کہ بوٹ کے عرشے پر جو معززین لاپروائی سے کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں پانی کے گلاس ہیں تو یہ صرف سوکھتی ہوئی



جھیل کے نظارے میں محو ہیں.. دیسی خوراک کے رسیا مہمانوں کے لیے چکن تکا اور کڑاہی گوشت کا بندوبست تھا اور بین الاقوامی ذائقے سے آشنا اس قسم کی پارٹیوں کے عادی لوگوں کے لیے کراچی سے کنگ پران اور مختلف قسم کی مچھلیاں اور لابسٹر منگوائے گئے تھے جنہیں گرل کیا جا رہا تھا.. اس پارٹی سے واپسی پر شام ہو رہی تھی جب اس نے راستے کے آس پاس ابھرتی سرسبز پہاڑیوں اور ان میں سے اترتے ندی نالوں کو اس نظر سے دیکھا کہ شہر سے پرے اور پھر بھی اس کی مناسب قربت میں ان کھلی فضاؤں میں جو ابھی تک ویران ہیں اگر ایک گھر بنایا جائے تو کیسا رہے.. اور جب اس نے اس علاقے میں چار کنال کا رقبہ نہایت معمولی قیمت پر خرید لیا تو دوستوں نے اس کی حماقت کی داد دی کہ یہاں تو پابندی ہے مکان تو بننے کا نہیں تو اس پتھریلی اور بے آباد زمین پر تو مرغی خانہ بھی نہیں بن سکتا اس کا کیا کرو گے.. لیکن دوست نہیں جانتے تھے کہ سرخاب اور عقاب یہاں بسیرا کرنے کے لیے آئیں گے اور اس چڑیا کا گھونسلا بھی تعمیر ہو جائے گا..

اگرچہ یہاں تعمیر شدہ تمام گھروں کو غیر قانونی قرار دے کر ادھر بلڈوزر بھی آتے رہتے تھے.. چند جھگیوں کو مسمار کر کے بااثر سیاست دانوں اور ایٹمی سائنس دانوں کے بنگلوں سے چشم پوشی کر کے واپس چلے جاتے تھے پھر بھی دھڑکا لگا رہتا تھا... اگر کوئی پانسہ پلٹ گیا اور بلڈوزر سنجیدہ ہو گئے تو پھر کیا ہو گا.. دھڑکا لگا رہتا تھا..

یہ جوا ابھی تک چل رہا تھا۔

وہ یہ جوا نہ کھیلتا تو ٹیلی ویژن اور ادب کی قلیل آمدنی سے ابھی تک جی ایٹ کے اس دو کمروں کے فلیٹ میں ہی بند ہوتا جس میں اس نے زندگی کے پچھلے بیس برس گزار دیے تھے..

ہر برس اس کی کوئی ایک بیٹی بقیہ دو بہنوں سے مشورہ کر کے کہ اس سال کس کی باری ہے اپنے نہایت آزردہ اور پاکستان سے بیزار بچوں کو سنبھالتی اس کے پاس آ ٹھہرتی... بچوں کو ٹہوکے دے کر مجبور کرتی کہ وہ گرینڈ ڈیڈ کے گالوں پر پیار کریں اور اپنے مدر کنٹری کو انجائے کریں اور رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ہمیشہ کہتی "ڈیڈی وہائی ڈونٹ یو گیٹ میریڈ اگین؟"

لیکن اسے کوئی چاہت نہ تھی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



وہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا..

وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ زندگی کی اس سٹیج پر ایک سراسر غیر اور انجانا وجود اس کے روزمرہ کے معمولات میں خلل ڈالنے لگے اور اس کے بستر میں شریک ہو جائے..اس کے ایک جاننے والے نے بالکل اسی قسم کے حالات میں اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے ایک مڈل ایج بیوہ سے شادی کر لی تھی اور صرف دو ماہ بعد سلیپنگ پلز پھانک کر اسے پھر سے بیوہ کر گیا تھا..

وہ جہاں تھا.. جس لحۂ موجود میں جیسا تھا' مطمئن تھا..

نہ ہی اسے محبت وغیرہ کا کوئی وسوسہ کوئی چاہت تھی..اسے اس جذبے کا کچھ تجربہ بھی نہ تھا..اگر اس کی کوئی حقیقت تھی تو...اگرچہ نوعمری میں اس کے بیشتر دوست اسی محبت میں مبتلا تھے لیکن ان میں سے تقریباً ہر ایک ذاتی کاوش اور محنت سے اس محبت میں مبتلا ہوا تھا.. یعنی ذرا آگے بڑھ کر..ڈھیٹ بن کر.. عزت نفس تیاگ کر سیٹیاں مارتے لڑکیوں کے کالجوں کے گرد منڈلاتے اور متعدد آہ وزاری اور دکھی شعروں سے اٹے خط متعدد لڑکیوں کو لکھ کر..وہ بھی یہ سب کچھ اگرچہ کرنا چاہتا تھا لیکن جھجکتا تھا اس لیے اس عظیم نعمت سے محروم رہا۔

تو وہ جہاں تھا' جیسا بھی تھا مطمئن تھا..

یکدم اسے پچھلی رات آنے والے اس فون کا خیال آیا جس کے دوسرے سرے پر جو بھی عورت تھی اس کی کیٹیگری کا تعین نہیں ہو پا رہا تھا..ذہنی مریضہ ہی ہو سکتی ہے..اس سے ملنے میں کہیں کوئی رسک تو نہیں..کسی سکینڈل کا پیش خیمہ نہ ہو..اس نے خواہ مخواہ اسے وقت دے دیا تھا..اگر میں اسے ملنے نہ جاؤں تو...لیکن اس نے کہا تھا کہ وہ جانتی ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے..تو پھر...

بارہ کہو سے مری روڈ میں شامل ہونے والی کراسنگ ویگنوں اور مقامی بسوں کے ہارنوں سے گونجتی تھی اور ٹریفک بے حد گھنی اور بے ترتیب تھی..اس نے اپنی کار ایک چائے خانے کے قریب پارک کی جس کے مالک کو وہ جانتا تھا اور پھر باہر کھڑا ہو کر اسلام آباد سے آنے والی کاروں کو ایک احساس جرم کے ساتھ دیکھنے لگا کہ ان میں سے کوئی ایک کار اس کی



ہو سکتی تھی..وہ آنے کو آ تو گیا تھا لیکن اب نروس ہو رہا تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ پچھلی شب جس کسی نے بھی فون کیا تھا محض دل لگی کے لیے کیا تھا..اس نے فیصلہ کیا کہ وہ صرف پانچ منٹ انتظار کرے گا محض فرض کی ادائیگی کی خاطر اور پھر چلا جائے گا..

سردیوں کی آمد کے باوجود مری کا رُخ کرنے والی ٹریفک میں کمی نہیں آئی تھی....

رینج روورز' پجاروز' ہونڈاز اور ٹویوٹاز اور لاتعداد سوزوکیاں اور بے شمار موٹرسائیکل..دیوانگی کی حالت میں شرلاٹے بھرتے تیز رفتاری سے اس کے سامنے سے گزرتے جاتے تھے..

زیورات سے لدی پھندی عورتیں' گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی امارت کے بھڑکیلے مظاہرے' مڈل کلاسیئے..بچوں کے ڈھیر...لپکتے چلے جا رہے تھے..گرمیوں میں ان کے لیے مری کی ٹھنڈک کی وارفتگی تو کسی حد تک سمجھ میں آتی تھی..لیکن ان دنوں جب ہوا میں ایک منجمد ٹھہراؤ تھا یہ وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں..شاید یہ دولت کی فراوانی تھی یا ایک اجتماعی گھبراہٹ تھی جو فرار چاہتی تھی۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے اسلام آباد کی جانب سے آنے والے ٹریفک کے ہجوم میں سے ایک گرے رنگ کی چھوٹی سوزوکی اِنڈی کیٹر جھپکاتی الگ ہوئی اور آہستہ ہوتی ہوئی اس کے قدموں میں آ رکی۔

کھڑکی کا شیشہ اترتا ہوا نیچے آیا کیونکہ وہ فُلی لوڈڈ نہیں تھی "ہیلو..."

"جی..." وہ یکدم دیکھ نہیں سکا کہ اندر کون ہے۔

"جی کیا..اپنی کار کو لاک کرو اور میرے ساتھ بیٹھ جاؤ"...سکول کے بچے کو جیسے استانی ڈانٹتی ہے..

اس نے مڑ کر چائے خانے کی جانب دیکھا..اس کا مالک گاہکوں کو بھگتانے میں مصروف تھا اور اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا..اس نے اپنی کار کو لاک کیا اور گرے سوزوکی کے وا ہو چکے دروازے میں سے جھک کر نہایت فرمانبرداری سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا..

"دروازہ تو بند کر دو.."

"سوری..." اس نے دروازے کو اپنی جانب دھکیل کر بند کر دیا۔

کار کا اندرون مختصر تھا اور اس میں کسی خوشگوار ایئر فریشنر کی مہک کو ابھی چند لمحے پیشتر آزاد کیا گیا تھا..یہ مہک تمباکو کی خوشبو میں گھل کر بدن میں ایک عجیب سی سستی بھرتی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



تھی.. ایک مخصوص پرائیویسی کا احساس ہوتا تھا.. ٹریفک گزر رہی تھی 'لوگ باتیں کر رہے تھے 'ہارن بج رہے تھے لیکن وہ خاموش تصویریں تھے ان کی آوازیں باہر رہ گئی تھیں..

سوزوکی کی چابی کو گھمانے کے لیے جو ہاتھ اس پر آیا اس کی انگلیوں میں سفید چاندی کی ہمہ وقت پہنی ہوئی چھوٹے چھوٹے ہیروں سے مزین انگوٹھیاں تھیں اور کلائی میں دو بریسلٹ تھے.. کلائی کی رگیں ابھری ہوئی اور نیلی تھیں لیکن رنگت سفید تھی..

"تم میری طرف دیکھو گے نہیں؟"

"جی..."

"جی کیا.. ڈیم اٹ میں تم سے ملنے آئی ہوں.. اور یونہی سرسری طور پر نہیں.. من کی موج میں میں نے آج دس بجے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ تم سے ملا جائے.. پچیس برس کی منصوبہ بندی کے بعد آئی ہوں.. اور تم... کھڑکی سے باہر دیکھ رہے ہو.." آواز میں ایک مسلسل لرزش تھی.. لہجے میں ایک تہذیبی رچاؤ تھا جو مناسب خاندانی پس منظر اور بہت ہی مناسب پرورش کے بعد ہی عادت کا ایک حصہ بنتا ہے.. "کدھر چلیں؟"

"وہ... مجھے نہیں معلوم.."

"ہم یہیں کھڑے تو نہیں رہ سکتے.. چائے خانے کا مالک جو تمہارا واقف ہے اور جس سے تم اکثر ڈبل روٹی اور کشمش والے بن خریدتے ہو وہ ہمیں دیکھ لے گا اور تم یہ نہیں چاہتے..."

"نہیں..." اس نے یکدم چونک کر کہا.. اور اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ کہاں ہے اور کس صورت حال میں ہے.. "جدھر آپ کا جی چاہے.."

"میرا جی تو تمہیں کچا کھا جانے کو چاہتا ہے.."

"میں بہت مزیدار نہیں ہوں گا بچی حالت میں..." اس کے اندر ایک بیزاری نے اس بے سبب ملاقات کے خلاف ایک احتجاج نے سر اٹھایا اور پھر اس نے پہلو بدل کر ڈرائیور کو دیکھا..

اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور انہی پر اس کی پہلی نگاہ گئی.. وہ رو رہی تھی.. اور روتی چلی جا رہی تھی لیکن بغیر کسی کاوش کے جیسے یہ روزمرہ کا ایک قدرتی عمل ہو جو جاری رہتا ہے.. وہ آنکھیں جھپکتی اور ان آنکھوں میں مسرت کے دیے سے جلتے تھے.. تو آنسو اپنا



انفرادی وجود کھو کر ایک دھار میں بدل جاتے.. اور وہ زیادہ دیر خالی نہ رہتیں دیکھتے دیکھتے پھر سے بھر جاتیں.. یہ آنکھیں تہہ دار اور غلافی تھیں اور جب کبھی خالی ہوتیں تو ان کا نیم سنہری پن عیاں ہونے لگتا.. سٹیئرنگ پر جمی انگلیاں کانپ رہی تھیں اور ان کی لرزش کلائی کے بریسلٹس پر اثر انداز ہوتی تھی..... وہ بہر طور مڈل ایجڈ تھی 'ڈھیلے 'خزاں رسیدہ پتوں کے ڈیزائن کے بھورے ریشمی شلوار قمیض میں ملبوس تھی..... اس لیے اس کے بدن کے نشیب و فراز کا کچھ اندازہ نہ ہوتا تھا.. وہ یقیناً ایک ایسی عورت تھی جسے کسی سٹور میں داخل ہو کر سیلزمین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اس سے مخاطب نہیں ہونا پڑتا تھا.. کسی پارٹی میں صوفے پر براجمان وہ کوئی ایک عورت نہیں ہو سکتی تھی.. وہ ہجوم میں گم نہیں ہو سکتی تھی... وہ کوئی یکدم دیکھنے والے کو اپنے حسن سے سناٹے میں لے جانے والی عورت ہرگز نہ تھی لیکن اس کی موجودگی کو نظرانداز کر جانا ممکن نہ تھا.. اور اس کا سبب اس کی غلافی آنکھوں کی اداس کشش تھی اس کے دیگر خدوخال نہ تھے..

سٹیئرنگ پر اس کی انگلیاں مسلسل کانپ رہی تھیں اور اس کے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے..

"اِف یو ڈونٹ مائنڈ..." اس نے گلوکمپارٹمنٹ میں سے سگریٹوں کا ایک پیکٹ نکالا اور اس میں موجود کار کے کاغذات کو بہت اتھل پتھل کر کے تلاش کر کے نکالا... اور پھر ایک سگریٹ نکال کر لبوں میں دبا لیا.. اس کے لب بھی لرزش میں تھے.. اس نے کار لائٹر کی ناب کو دبایا اور لائٹر کی رگوں میں مناسب حدت پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے کھینچ کر سگریٹ کے قریب لے گئی اور اسے سلگانے کی کوشش کرنے لگی.. سگریٹ کی پوری گولائی کے تمباکو کا ایک کنارہ بمشکل روشن ہوا "ایک لیڈی ڈسٹریس میں ہو تو تم اس کی مدد نہیں کر سکتے.." اس نے جھلا کر کہا..

"جی..."

"یہ تم نے کیا جی جی لگا رکھی ہے.. سکول بوائے کی طرح.. سگریٹ جلانے میں میری مدد کرو.."

خاور سہم گیا اور فوراً کوٹ کی جیب میں سے اپنا لائٹر نکال کر اس کے نیم سلگتے سگریٹ کے نیچے معلق کر کے روشن کر دیا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اس نے لائٹر کے شعلے کو سگریٹ سے چھونے کی بجائے آنکھیں جھپک کر اس کی جانب ایک گہری ہنستی اگرچہ آنسوؤں سے بھری نظر سے دیکھا "تھینک یو" اور دیکھتی رہی.. خاور کا انگوٹھا لائٹر کے لیور کو دبائے رکھنے لگا اور شعلے کی حدت اس کی پوروں کو جلانے لگی..

"آپ اپنا سگریٹ جلالیں.."

"میں اپنا سگریٹ جلالوں تو تم اپنا لائٹر بند کر کے جیب میں رکھ لو گے اور میری جانب یوں نہیں دیکھو گے... منہ پرے کر لو گے..."

خاور نے جھلا کر انگوٹھا اٹھایا اور لائٹر کو جیب میں رکھنے کو تھا کہ اس کا ہاتھ آگے آیا.. اس کا لمس بے حد ٹھنڈا اور یخ تھا جو ہاتھ اس کے اس ہاتھ پر آیا جو لائٹر کو جیب میں واپس رکھنے کو تھا.. "پلیز..."

سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے ایک طویل کش لیا "ہم یہیں تو کھڑے نہیں رہ سکتے.. کدھر چلیں... سملی ڈیم روڈ پر..."

"ہاں یہ مناسب رہے گا.. وہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور... میں دیکھا نہیں جانا چاہتا اور نہ ہی آپ مجھے یقین ہے ایکسپوز ہونا پسند کریں گی..."

"مجھے اس کے بعد "آپ" نہ کہنا.. تم.. کہو... سکول بوائے.."

گرے سوزوکی ذرا پیچھے ہٹی.. وہ کار کو بیک کرنے کے لیے پیچھے دیکھ رہی تھی اور اس کی گردن پر جھریاں ابھرتی تھیں.. اور وہ ونڈ سکرین میں سے دیکھ رہا تھا کہ چائے خانے کا مالک جواب گاہکوں سے فارغ ہو چکا تھا اس گرے سوزوکی کو حیرت سے تک رہا تھا...

گرے سوزوکی مری روڈ کے کراسنگ سے الگ ہو کر بارہ کہو کی آبادی کے درمیان حرکت کرنے لگی.. کار کے اندر ایئر فریشنر کی مہک پر تمباکو کی کڑواہٹ کا دھواں اثر کر رہا تھا.. وہ اپنے دونوں ہاتھ گود میں سمیٹے چپ بیٹھا رہا.. سٹیئرنگ پر جمے دائیں ہاتھ میں کچھ اطمینان تھا اور عمر سے ذرا سکڑتی انگلیوں میں وہائٹ سلور میں جڑے جو ہیرے تھے ان کی دمک میں ٹھہراؤ تھا لیکن بایاں ہاتھ جب کبھی سٹیئرنگ سے اٹھتا کہ اس میں سگریٹ سلگتا تھا کپکپا رہا ہوتا اور منہ تک لے جاتے ہوئے اسے تردد کرنا پڑتا.. اگرچہ وہ مڈل ایجڈ تھی لیکن یہ عمر لمحہ بھر کے لیے اس کے آس پاس آ کر ٹھٹک گئی تھی... عین کنارے پر تھی.. اور یکدم اپنا آپ ظاہر کر دینے کے آثار وہاں منتظر تھے.. کسی ایک اگلے ثانیے میں... سگریٹ کے اگلے کش



کے بعد وہ اس پر اتر سکتی تھی.. لیکن ابھی وہ اس کی قربت میں آ کر ٹھٹک گئی تھی..

وہ ابھی تک رو رہی تھی..

اس کی آنکھیں خشکی سے آشنا نہیں ہوتی تھیں..

جیسے کچھ لوگوں کی آنکھوں میں سے کسی جسمانی عارضے کے باعث مسلسل پانی بہتا رہتا ہے... ایسے وہ روتی تھی.. اور ابھی تک آنسو اپنا انفرادی وجود برقرار نہیں رکھ سکتے تھے اور آنکھیں جھپکنے سے دھاروں میں بدل جاتے تھے.. اور اس کے باوجود اس کے نین نقش پر کوئی المیہ، کوئی ٹریجڈی یا دکھ تحریر نہیں تھا جو گریہ کا سبب بنتے ہیں...

"آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"آپ نہیں.. تم... سکول بوائے۔"

"تم.."

"اس لیے کہ میں خوش ہوں۔"

"میں خوشی کے ایسے اظہار سے آشنا نہیں۔"

"اس لیے کہ تم مجھ سے آشنا نہیں.." اس نے شرمندگی سے اور اپنی عزت نفس کو استوار کرنے کے لیے فوراً اپنے آنسو پونچھے.. "میں رونے والی عورت نہیں ہوں.. مجھے اپنے کسی قریبی عزیز کی حادثاتی موت پر بھی رونے میں بہت دشواری پیش آتی ہے.. میں چادر کو اپنے چہرے پر کھینچ کر سر جھکائے بیٹھی رہتی ہوں تا کہ میری خشک آنکھوں کو دیکھ کر میرے رشتے دار یہ نہ سمجھیں کہ مجھ پر اثر نہیں ہوا.. مجھے دکھ نہیں ہوا.. اگرچہ میں ان سے کہیں زیادہ دکھی ہوتی ہوں لیکن.. میں آسانی سے رو نہیں سکتی.. اگر اس لمحے میرے بیٹے مجھے دیکھ لیں تو کبھی یقین نہ کریں کہ یہ ان کی ماں ہے.."

"طاہرہ بھی بہت روتی تھی..."

"طاہرہ.." اس کی غلافی آنکھوں کے بھاری پپوٹے اس کی جانب اٹھے..

"کل رات جب آپ کا... تمہارا ٹیلی فون آیا تھا تو میں اسے دفن کر کے لوٹا تھا.. وہ بھی بہت روتی تھی..."

"ہاں.. طاہرہ بخاری.. مجھے بہت دکھ ہوا... آج کے اخبار میں اس کی تدفین کی تصویریں تھیں لیکن ان میں تم نظر نہیں آئے.. ہاں وہ روتی بہت تھی.. لیکن وہ ایک اداکارہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



تھی.. میں نہیں ہوں.."

"ہاؤڈو یو نو..."

"آئی ایم سوری..."

بارہ کہو کی آبادی کے خاتمے پر سڑک یکدم نیچے چلی گئی.. اور گہرائی میں ایک چوڑے خشک اور پتھروں سے اٹے پاٹ کے بیچ میں بہتی ندی پر بندھا ایک تنگ پل سامنے آگیا.. ٹریفک یک طرفہ تھا اور ابھی دوسری جانب سے آنے والوں کی بے چینی تھی اور وہ رک گئے..

اس نے سگریٹ کا ایک اور... اور آخری کش کھینچا اور کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے باہر پھینک دیا "ہم پل کے پار جائیں گے تو ذرا آگے جہاں سے چڑھائی کا آغاز ہوتا ہے دائیں ہاتھ پر تمہارا گھر ہے.. سرخ کھپریل کی اطالوی طرز کی چھت والا... گہرے مونگیائی رنگ کا گیٹ اور تمہاری کال بیل جس کا بٹن نیلے رنگ کا ہے۔"

"آپ... تم یہ کیسے جانتی ہو.."

"اس لیے کہ پچھلے دس برس سے.. جب سے تم نے یہاں شفٹ کیا ہے میں ہر ہفتے.. سوموار کے روز.. پچھلے پہر صرف اس گیٹ کو... اور اس پر لگی تمہارے نام کی تختی کو دیکھنے کے لیے آتی تھی.. اس لیے.."

یہ عورت صرف ایک سادہ ذہنی مریضہ نہیں تھی.. اس سے کہیں آگے کی کوئی شے تھی.. کیا میں نے ایک دلچسپ اور عجیب شخصیت سے ملنے کے چاؤ میں ایک فاش حماقت تو نہیں کی... کی ہے تو اب پانی سر سے گزر چکا تھا..

بارہ کہو کی ندی کے تنگ پُل پر سے دوسری جانب سے آنے والی ایک سوزوکی ویگن کھڑکھڑاتی ہوئی گزر گئی اور پُل خالی ہو گیا.. ان کی پشت میں اس پل کے خالی ہونے کے منتظر جو ڈرائیور تھے ان کے ہاتھ فوراً اپنے اپنے ہارن پر بے چینی سے دبنے لگے..

"میں یہیں کھڑی رہوں اور کار کو سٹارٹ نہ کروں تو یہ باسٹرڈ ہمارا کیا کرلیں گے.."

"پلیز..."

دوبارہ کار سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے اتنی تاخیر ضرور کی جس سے پیچھے رکی



ہوئی ٹریفک کو اندازہ ہو جائے کہ وہ ان کے بار بار ہارن بجانے کے دباؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی من مرضی سے حرکت کرنے لگی ہے... پُل کے پار ہو کر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد جب اس کے گھر کا مونگیا گیٹ دکھائی دیا تو اس نے جان بوجھ کر متعدد بار ہارن بجایا اسے بتانے کے لیے کہ وہ اس کی رہائش گاہ کے حدود اربعے سے بخوبی واقف ہے اور وہ صرف کہانیاں نہیں سنا رہی تھی..

"اگرچہ تمہیں یہ ڈبل بریسٹڈ نیلا بلیزر بہت پسند ہے.. تم اسے بہت پہنتے ہو' زیادہ تر ہلکے رنگ کے شلوار قمیض کے ساتھ... اور جیب میں سے جھانکتا ایک سرخ ریشمی رومال جو بہت چیپ لگتا ہے... لیکن تم اپنا براؤن سکاٹش ٹویڈ کوٹ بہت کم پہنتے ہو جو مجھے زیادہ پسند ہے.. براؤن سکارف کے ساتھ..."

"میری وارڈروب کے بارے میں تمہاری معلومات حیرت انگیز ہیں.." وہ بے آرام کرنے والی باتیں کرتی تھی اور وہ ابھی سے اس سے تنگ آچکا تھا..

"ہاں.. میں تمہاری مکمل وارڈروب سے واقف ہوں.. سوائے انڈرویئرز اور بنیانوں کے... یہاں تک کہ کچھ جرابوں کے رنگ بھی بتا سکتی ہوں.... میں اس جامنی رنگ کی ویسٹ کوٹ کے بارے میں بھی جانتی ہوں جو تم نے اب تک صرف ایک مرتبہ پہنی ہے.. شکر ہے کہ ایک مرتبہ ہی پہننے سے تمہیں احساس ہو گیا کہ اس قسم کا رنگ صرف سرکس کے مسخروں کو ہی سوٹ کر سکتا ہے.." خاور نے بڑی مشکل سے اپنے کھولتے ہوئے غصے پر قابو پایا.. ایک سراسر اجنبی عورت کس دیدہ دلیری سے اس کی ذات کے بارے میں اتنے بے ہودہ ریمارکس دے رہی تھی "اور ہاں وہ براؤن رومال جو تم ہر جیکٹ ہر ویسٹ کوٹ کی جیب میں اڑس کر سمجھتے ہو کہ وہ میچ کرتا ہے..."

غصے کی بجائے خوف غلبہ پانے لگا... اس قسم کی عورت سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے بیڈروم میں داخل ہو کر وارڈروب کی تلاشی لیتی رہی ہو.. "لیکن تم... یہ سب کیسے جانتی ہو؟"

"میں نے تمہیں کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا" وہ بہت کھل کر ہنسی.. اور جب اس کے پھیلے ہوئے ہونٹ دانتوں پر واپس آئے تو اس نے انہیں زور سے بھینچا اور اس دوران بھی اس کے آنسو گرتے رہے اور آنکھیں ڈھلتی رہیں "میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ہر

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ہفتے... جمعرات کے روز صبح ساڑھے دس بجے کی فلائٹ سیون او تھری سے کراچی جاتے ہو اور اگلے روز شام کی فلائٹ سے آٹھ بجے واپس اسلام آباد آجاتے ہو.. ہر ہفتے.."

"یہ تم کیسے جانتی ہو؟" وہ باقاعدہ دہل گیا.... وہ اس کی ذاتی زندگی کا ہر پرت الٹتی جاتی تھی اور وہ اپنے کو بے لباس ہوتا محسوس کرتا تھا.. کیونکہ وہ درست کہتی ہے.. وہ انہی اوقات میں ہر ہفتے انہی ایام میں انہی پروازوں پر سفر کرتا تھا.. ایک اشتہاری فرم کے کنسلٹنٹ کی حیثیت سے وہ جمعرات کو کراچی جاتا تھا اور اپنا کام نپٹا کر اگلے روز واپس آجاتا تھا۔

"یہ میں ایسے جانتی ہوں سکول بوائے کہ پچھلے دس برس سے میں ہر جمعرات کو صبح ساڑھے دس بجے تمہاری روانگی پر اور اگلے روز تمہاری واپسی کے وقت پر ایئرپورٹ پر موجود ہوتی ہوں.... پچھلے دس برس سے ہر ہفتے... اور اسی لیے میں تمہاری مکمل وارڈروب سے واقفیت رکھتی ہوں.. تم جو کچھ بھی پہنتے ہو میں اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیتی ہوں.. تم چیک کرنا چاہو تو کرسکتے ہو شاید کوئی آئٹم رہ گئی ہو.. کوئی شرٹ کوئی ٹائی..." اس کا لہجہ بے حد نرم تھا... نہ وہ اسے ڈرانے کے انداز میں کچھ کہتی تھی اور نہ داد لینا چاہتی تھی۔

"تم ایسا کیوں کرتی رہی ہو؟"

"تمہیں دیکھنے کے لیے..."

"لیکن کیوں؟"

"تمہیں دیکھنے کے لیے.." اس نے پھر کہا جیسے یہی ایک مکمل جواز ہو.. اور اس میں کوئی بے چینی کسی اذیت کا شائبہ نہ تھا.. اگرچہ اس کی انگلیاں ابھی تک اس کے قابو میں نہ تھیں' ان کی کپکپاہٹ کلائی کے بریسلٹس میں سرایت کر کے انہیں بھی کپکپاتی تھی..

سملی ڈیم روڈ پر اس کی گرے سوزوکی ایک ہموار رفتار سے چلتی رہی.. پھر اس نے دائیں جانب سٹیئرنگ گھمایا اور اس ویران سڑک پر ہوگئی جو ایک ویران علاقے کے بعد پہاڑیوں کے اوپر بلند ہو رہی تھی.... بارہ کہو کے نواح کی یہ پہاڑیاں وادیٔ سون کی قدیم تہذیب کے زمانوں سے لے کر صرف چار برس پہلے تک اپنی آبائی کیفیت میں بے آباد اور ویران پڑی تھیں... پھر کراچی کے کسی انوسٹر کا ادھر سے گزر ہوا اور اس نے انہیں غریب چرواہوں اور غیر حاضر مالکوں سے کوڑیوں کے داموں خرید لیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہاں گھر بنانے کی اجازت کبھی نہیں ملے گی' اس نے پورے علاقے کی پیمائش کروا کے پلاٹنگ کی



اور سڑکوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا.. اس کے لیے یہ ایک معمولی سرمایہ کاری تھی لیکن کل کلاں اگر وہ کسی مؤثر سیاسی شخصیت کو ایریزونا یا ٹیکساس میں کوئی فارم آفر کر کے اس علاقے میں گھر بنانے کی پابندی کے قانون کو ذرا آگے پیچھے کروا لیتا ہے تو ان پہاڑوں نے سونا ہو جانا تھا.. فی الحال تارکول کی سڑکوں کے کنارے جنگلی گھاس اگی تھی اور ان پر کوئی آمدورفت نہ تھی سوائے چھپکلیوں' خرگوشوں اور نیولوں کے جن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کی آماجگاہوں کے اوپر یہ کیسی سختی بچھ گئی ہے کہ وہ اپنے سوراخوں اور بلوں میں رینگتے ہوئے اوپر پہنچتے ہیں تو یکدم روشنی میں نہیں نکلتے.. پتھروں کی چادر سے جا ٹکراتے ہیں.. البتہ سانپ خوش تھے.. سرد راتوں میں وہ کملائے اور ادھ موئے ٹھنڈک سے لاچار رینگتے ہوئے اپنے بلوں سے باہر آتے تھے اور سڑک پر لوٹتے تھے اور اپنے آپ کو آسودہ کرتے تھے.. تارکول سورج کی گرمی کو رات گئے تک سنبھالے رکھتا تھا.. سڑک آس پاس کی زمین کی نسبت گرم ہوتی تھی..

گرے سوزوکی ذرا آہستہ ہوگئی.. ہولے ہولے بلند ہونے لگی..

"یہ تم کدھر جا رہی ہو؟"

"گھر..."

سڑک کے ایک بل کھاتے حصے کو طے کر کے اس نے کار کو بائیں ہاتھ پر موڑا اور پھر بریک پر پاؤں رکھ دیا.. "گھر آگیا ہے.." وہ اپنا بیگ سنبھالتی باہر نکل گئی..

"تم بھی آجاؤ.." اس نے تھوڑی دیر کے بعد جھک کر اسے اُسی حالت میں بیٹھے دیکھا "آجاؤ سکول بوائے... ڈرو مت یہاں کوئی نہیں ہے.."

وہ اس سکول بوائے کے لقب سے چڑنے لگا تھا.. اور مناسب موقع کے انتظار میں تھا جب وہ اسے بتا سکے کہ لیڈی تم خواہ مخواہ میرے ساتھ فرینک ہو رہی ہو.. میں عمر میں تم سے کہیں بڑا ہوں' اگر تم میری تعظیم نہیں کر سکتیں تو کم از کم یہ سکول بوائے بل شٹ تو استعمال نہ کرو.. لیکن وہ تعین نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ مناسب موقع کب مناسب ہے کیونکہ پچھلے پچیس منٹ میں کہ مری روڈ کراسنگ سے یہاں تک کے سفر کی مدت اس سے زیادہ نہ تھی.. وہ مختلف اور سراسر مخالف کیفیتوں اور احساسات سے دوچار ہوا تھا.. سراسیمگی' خوف' ہمدردی' حماقت اور اس کی ڈھلتی غلافی آنکھوں کی کشش.. وہ کسی ایک مقام پر ٹھہرتا تو موقع کی مناسبت کا تعین ہوتا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



وہ باہر آ گیا..

سرسبز اور پتھریلی پہاڑیوں میں کہیں سرکنڈے تھے ہوا میں دوہرے ہوتے ہوئے' جنگلی جھاڑیاں اور کھردری گھاس تھی جس کی خودرو قدرتی ترتیب کو نو تعمیر شدہ سڑکوں کا جال بے رحمی سے کاٹتا تھا' بلندیوں پر چڑھتا تھا اور پھر نشیب میں گرتا تھا.. سنسناتا ویرانہ تھا اور بڑے بڑے پتھر تھے.. یہاں سے بارہ کہو کی آبادی مری روڈ سے لپٹی ہوئی اس کی قربت میں جاتے جاتے گھٹی ہوتی دکھائی دیتی تھی... پہاڑیوں کے دامن میں بکھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ڈیرے تھے اور وہ غیر قانونی مکان تھے جو ندی کے پار کے علاقے میں اپنی جدید مگر اس قدرتی ترتیب میں بے ربط تعمیر کے باعث بہت نمایاں اور بے جواز لگتے تھے.. ان میں اس کا گھر بھی شامل تھا جس کی سرخ کھپریل کی چھت یہاں سے بھی دکھائی دے رہی تھی.. ندی کے دوسرے کنارے پر مری روڈ کا بل کھاتا فیتہ بھی نظر آتا تھا لیکن دوری کے باعث اس پر رینگتی ٹریفک فاصلے کی بے نام دھندلاہٹ میں گم تھی... ہوا بے لگام اور تیز تھی اور چہرے کو اس کی عادت نہ ہوتی تھی..

وہ دونوں کچھ دیر تک ایسے کھڑے رہے جیسے ایک دوسرے کی موجودگی سے آگاہ نہ ہوں' سامنے دیکھتے رہے اور پھر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا.. تیز ہوا اس کی آنکھوں میں سے گرنے والے پانی کو اس کے رخساروں پر پھیلا دیتی تھی "وڈیو لائک اے ڈرنک؟.." اس نے ہتھیلی سے اپنے رخساروں کو پونچھا...

"آئی ڈونٹ ڈرنک..."

"آئی نو یو ڈو..." وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی.. اس کی کمر میں تین بچوں کو جنم دینے کے باوجود اتنی لچک تھی کہ وہ دوہری ہو سکتی تھی.... "میں نے بندوبست کر رکھا ہے" سڑک سے ہٹ کر جہاں سے ڈھلوان شروع ہوتی تھی وہاں ایک بڑے حجم کی چٹان یوں ٹھہری ہوئی تھی جیسے وہ کسی قدیم دور میں لڑھکتی ہوئی اتری اور عین ڈھلوان کے کنارے پر آ کر رُک گئی.. وہ اپنے آنسو پونچھتی اس چٹان تک گئی اور جھک کر اس کی کوکھ میں پوشیدہ دو پیپر کپس نکالے اور انہیں دونوں ہاتھوں میں بلند کر کے وہیں سے پوچھا "پیپسی یا اورنج جوس؟... دونوں مہیا کیے جا سکتے ہیں.."

"کچھ بھی..." وہ منہ کھولے حیرت سے اس عجوبہ عورت کو دیکھتا رہا.. وہ اس کے



تجربے سے باہر کی کوئی چیز تھی.. اس کی فہم سے الگ اور بالاتر کوئی وجود تھی..

دونوں پیپر کپس پہلے اس نے چٹان پر رکھنے کی کوشش کی مگر ہوا انہیں اوندھا کر دیتی یا زمین پر گرا دیتی.. پھر اس نے سر جھٹک کر ایک مسرت آمیز کیفیت میں انہیں چٹان کے نیچے زمین پر رکھا.. تھوڑی دیر تک انہیں سانس روکے گھورتی رہی کہ یہ گریں گے تو نہیں اور جب وہ قائم رہے تو اس نے چٹان کی پوشیدگی میں سے پیپسی کولا کی ایک کنگ سائز بوتل نکال کر اس کا ڈھکن گھمایا اور کاغذ کے گلاس لبریز کر دیے..

"یور ڈرنک از ریڈی.." اس نے ہاتھ لہرا کر اسے دعوت دی..

خاور نے آگے بڑھ کر اپنا کپ وصول کر لیا..

"چیئرز..." اس نے اپنا کپ ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا.. مشروب کی گیس کو ایک ڈکار کی صورت میں باہر آنے سے روکنے کے لیے اس نے لب بھینچے.. اس کے لبوں پر ایک گیلاہٹ تھی جو ان کے مساموں میں سے پھوٹتی تھی "تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گے کہ یہ تمہاری تواضع کے لیے یہ سب کچھ یہاں پہلے سے کیسے موجود ہے.." وہ اس کے چہرے پر لکھی بے یقینی سے لطف اندوز ہو رہی تھی.. وہ چپ کھڑا رہا... ایک سکول بوائے کی طرح جس کی ٹیچر کے پاس دنیا کے ہر سوال کا جواب موجود ہوتا ہے..

"میں پچھلے کئی برس سے اسلام آباد کے گردونواح کے علاقوں کی خاک چھانتی رہی ہوں یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ جب میں تم سے پہلی بار ملوں گی تو ہم کس سپاٹ پر آ کر رُکیں گے.. راول جھیل کا دوسرا کنارا ابھی بہت الگ تھلگ اور دیدہ زیب ہے مگر وہاں بھی اتنی غیر قانونی کنسٹرکشن ہو رہی ہے کہ کچھ نہ کچھ آتا جاتا رہتا ہے.. گولڑہ کا تقریباً بے آباد ریلوے سٹیشن جہاں برگد کے بہت ہی پرانے جن کی داڑھیاں زمین تک آتی ہیں درخت سایہ کرتے ہیں مجھے پہلے پہل بہت آئیڈیل لگا لیکن پھر میں نے سوچا کہ وہ تمہارے گھر سے بالکل مخالف سمت میں اور پورا اسلام آباد عبور کرنے کے بعد آتا ہے.. دامن کوہ میں بہت ہجوم ہوتا ہے.. تب جا کر میں نے اس سپاٹ کو دریافت کیا جو تمہارے گھر کے قریب بھی تھا اور میں تمہیں گارنٹی دیتی ہوں کہ اس سے بہتر' تنہا' الگ اور ویران اور ایسے منظر والا سپاٹ اس پورے خطے میں نہیں ہے.. مائنڈ یو یہ برسوں کی تحقیق کا نتیجہ ہے.. اور تم نے ابھی تک یہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نہیں پوچھا کہ چٹان کے نیچے یہ چھوٹا سا ریستوران کہاں سے آگیا.."

"میں کیسے پوچھ سکتا ہوں جب کہ بولنے کے تمامتر اختیارات تمہارے پاس ہیں.."

"وجہ بہت سادہ ہے.. تمہارے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ میں تمہارے بارے میں سب کچھ پہلے سے جانتی ہوں.. تم مجھے نہیں جانتے اس لیے میں بولتی چلی جاتی ہوں.. کل صبح.. فرید کی بارات لے جانے سے پہلے... جب میں جانتی تھی کہ آج رات میں تمہیں فون کروں گی.. صبح سویرے کسی بہانے میں گھر سے نکلی تھی اور اس چٹان کے نیچے یہ ڈرنکس سٹور کر گئی تھی.. کیونکہ آج ہم نے یہاں آنا تھا.."

"اور تم نے قطعی طور پر اس امکان کو ذہن میں جگہ نہیں دی کہ میں تم سے ملنے سے انکار بھی کر سکتا ہوں.."

"نہیں.." اس نے سر ہلایا اور پھر یکدم اس کے چہرے کا رنگ نچڑ گیا جیسے پہلی بار اسے خیال آیا ہو کہ یہ امکان بھی ہو سکتا تھا.. "نہیں.."

"تم نے یہ سوچا کہ ہمارے معاشرے میں مرد تو منتظر رہتے ہیں.. وہ کبھی انکار نہیں کر سکتے.."

"نہیں.." اس نے پھر کہا.. ہونٹ چباتے ہوئے اس نے موضوع بدلنے کے لیے فوراً کہا "یہاں صرف ڈرنکس ہی نہیں ہیں... کشمش والے بن بھی ہیں جو تمہیں بہت پسند ہیں.. تمہارے اس چائے خانے کے مالک نے مجھے بتایا تھا اور کچھ چکن اینڈ ٹومیٹو سینڈوچ بھی سٹور میں ہیں اگر وہ باسی نہیں ہو گئے تو.."

"کیا آپ رونا بند نہیں کر سکتیں؟"

"کیا میں اب بھی رو رہی ہوں.." اس نے آنکھوں پر ہتھیلی رکھ کر انہیں پونچھا اور پھر انہیں گیلی پا کر پہلی بار شرمندہ ہوئی "آئی ایم سوری... آئی کینناٹ ہیلپ اٹ.. پچیس برس کی قید کے بعد میں آج رہا ہوئی ہوں اس لیے میرا بس نہیں چل رہا.. آئی کینناٹ ہیلپ اٹ.."

اس کا چہرہ... خلائی آنکھوں کے سیال سحر کے باوجود کچھ پھولا ہوا سا لگا.. شاید یہ عمر تھی جو ماس کو بے حس اور ہڈیوں سے جدا کرتی تھی..



اس کا تہذیبی اور تعلیمی پس منظر کانونٹ کا تھا اسی لیے اس نے ٹماٹو کی بجائے ٹمیٹو کہا تھا..

سورج سر پر آگیا..

ایک زرد رنگت کا.. کہرے میں ٹھٹھر کر پیلاہٹ میں ڈھل جانے والی گھاس کی خاصیت کا.. ایک لمبوترا چھوٹے منہ اور ایک تکون نما کھردری دُم والا کرلا چٹان کی اس کوکھ میں سے برآمد ہوا جہاں اشیائے خورد و نوش کا سٹور تھا اور پھر ان دونوں کو یکدم سامنے پا کر نروس ہو گیا.. کچھ دیر سناٹے اور اچنبھے میں ششدر رہا اور پھر تیزی سے تارکول کی سطح کو پار کر کے دوسری جانب گھاس میں روپوش ہو گیا.. اس رینگنے والے کرلے کو اگر کئی ہزار گنا بڑا کر لیا جاتا تو وہ لاکھوں برس پیشتر معدوم ہو چکے اپنی گرانڈیل دموں سے تباہی مچاتے ایک گوشت خور جانور کی صورت اختیار کر جاتا تھا..

کرلے کے نمودار ہونے پر... اس نے ایک خوفزدہ سسکی بھری اور اس کے پہلو میں آکھڑی ہوئی..

اپنا ڈر کم کرنے کے لیے اس نے کہا "دھوپ کی تیزی تمہارے ماتھے پر ظاہر ہو رہی ہے.. تم اپنا بلیزر اتار سکتے ہو..."

خاور نے اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا اور ایک سرکشی کے انداز میں پوچھا "تم چاہتی کیا ہو؟"

"یہی کہ تم اپنا بلیزر تار دو..."

"میں سنجیدگی سے تم سے مخاطب ہوں اور اگر تم اپنا رویہ نہیں بدلو گی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا.. میں ذرا کند ذہن واقع ہوا ہوں اور اس سارے تماشے کو سمجھنے سے قاصر ہوں.. تم کیا چاہتی ہو؟"

"تمہیں..." اس کے آنسو بالآخر خشک ہو چکے تھے.. اور ان کے بغیر وہ اب بہت مختلف مزاج اور شکل کی لگتی تھی.. "کوئی خاص قصہ نہیں کوئی کہانی نہیں.. ہاں یہ درست ہے کہ یہ ایک تماشا ہی ہے.. یہی جو کچھ کل رات میں نے فون پر تمہیں بتایا تھا اس کے سوا کچھ بھی نہیں.. کالج کے دنوں میں جب تمہاری پہلی کتاب پڑھی، تمہیں پہلی بار ٹیلی ویژن پر باتیں کرتے دیکھا.. اور تم اصلی زندگی میں اتنے غصیلے اور ڈرا دینے والے نہیں لگتے... تو تب

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سے.. میرا خیال تھا کہ یہ ایک ٹین ایج کرش ہے 'گزر جائے گا.. لیکن نہیں گزرا... پرورش پاتا رہا اور جڑیں پھیلاتا مضبوط ہوتا رہا... تب مجھ میں ہمت نہ تھی تم سے رابطہ کرنے کی.. شادی کے بعد بھی اس حماقت انگیز لگاؤ میں کوئی کمی نہ ہوئی... میرے بچے بھی جانتے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر تمہارا کوئی پروگرام چل رہا ہو تو ممی کیسے اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جاتی ہیں' چپک جاتی ہیں.. وہ اکثر مجھے چھیڑتے ہیں اور میں جواب میں انہیں ڈانٹ دیتی ہوں لیکن دل ہی دل میں ان کی شکر گزار ہوتی ہوں کہ انہوں نے تمہارا تذکرہ کیا.. وہ تمہاری ہر نئی کتاب خرید کر میرے لیے لاتے ہیں کہ ممی آپ کے خاور صاحب... ظاہر ہے ان کے گمان میں بھی نہیں کہ یہ سب کچھ جسے وہ تفریح سمجھتے ہیں ممی ڈیئر کی زندگی کا سب سے گمبھیر مسئلہ ہے.. بس یہی تماشا ہے..."

"تم مجھے ایک کچے ذہن کی جذباتی عورت نہیں لگتیں جو لفظوں کے ہیر پھیر سے فریب میں آجائے... اپنے آپ کو فریب میں ڈال لے... صرف ٹیلی ویژن کی سکرین پر کسی چہرے کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھے..."

"ہاں میں ایسی ہرگز نہیں ہوں.. بہت عملی اور حقائق کی روشنی میں نتیجے اخذ کرنے والی عورت ہوں.. زندگی کے بارے میں پُرعمل رسائی میری طبع میں گندھی ہوئی ہے اور خاندان کے افراد جو مجھ سے عمر میں بڑے بھی ہیں میری رائے جان کر کسی بھی مسئلے پر اپنی رائے تبدیل کر دیتے ہیں... میں تمہیں سینڈوچ لا کر دیتی ہوں.." اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ چٹان کی طرف گئی اور سیلوفین میں پیک کیے گئے سینڈوچ لے کر واپس آگئی "بالکل فریش ہیں..." اس نے سینڈوچز کو سونگھا اور پھر ایک گلہری کی مانند ان کا ایک کونہ دانتوں سے کتر کر چبایا "بالکل تازہ ہیں... چکھ کر دیکھو..."

"مجھے بھوک نہیں ہے..."

"ناشتے کے بعد اب تک تم نے کچھ نہیں کھایا اس لیے بھوک تو ہوگی.. شاید تم میرا جوٹھا سینڈوچ کھانے سے کترا رہے ہو.. ہو سکتا ہے میں نے اس پر کوئی ٹونا کر دیا ہو..." وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرا تی گئی "میں نے صرف ایک بائٹ لی تھی تم دوسری طرف سے کھا لو.. پلیز..."

کھلی فضا میں سینڈوچ کا ذائقہ بہت تازہ اور تسلی دینے والا تھا.. ٹو میٹو البتہ تھوڑے



پژمردہ تھے لیکن ان کی بھی تازگی برقرار تھی..

"اگر تم بقول تمہارے زندگی کے بارے میں پُرعمل رسائی پر یقین رکھتی ہو تو میرے بارے میں تمہارے رجحان میں عملیت کہاں ہے..؟"

"صرف اس میں نہیں ہے.." اس نے اپنے خوبی سے رنگے ہوئے بالوں کو ماتھے پر سے سمیٹ کر درست کیا "اینڈ آئی کینٹ ہیلپ اٹ"

"لیکن تم اس حقیقت سے آگاہ تو ہو کہ ادب 'لکھا ہوا لفظ ایک سراب ہے.. کم از کم اسے لکھنے والا اصلی زندگی میں وہ نہیں ہوتا جو تحریر میں ظاہر ہوتا ہے.. اس کے بس میں کوئی مسیحائی نہیں ہوتی.. اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے کسی درد کی دوا کرتا' اپنے بکھیڑوں کو سلجھاتا.. میں بھی وہ نہیں جو کتابوں میں دکھائی دیتا ہوں.. کسی حد تک مکار ہوں اور جھوٹا بھی ہوں.. ٹیلی ویژن پر بھی میرا چہرہ میک اپ کی ایک موٹی تہہ کا محتاج ہوتا ہے.. تم چونکہ میرے بارے میں ہر شے جانتی ہو اس لیے تمہیں یقیناً میری تاریخ پیدائش کا بھی علم ہوگا..."

"تم ساٹھ برس کے ہو گئے ہو.."

"تو پھر..."

"تو پھر یہ کہ عمر سے کچھ فرق نہیں پڑتا.."

"عمر سے بہت فرق پڑتا ہے... جب تم میری عمر کو پہنچو گی تب تمہیں بھی احساس ہوگا.."

"تم ایک وکیل کی طرح دلائل دے رہے ہو.." اس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں چہرے پر عمر کی جو کرونیں ابھی نہیں ابھری تھیں وہ رنج کی کڑواہٹ سے ظاہر ہونے لگیں.. "میں نے بھی اپنے آپ کو تم سے چھڑانے کے لیے متعدد بار یہی دلائل دیے لیکن یہ قطعی کارگر نہیں ہوتے.. ہر دلیل اپنے آپ کو رد کرتی چلی جاتی ہے.."

"اور اس پورے تماشے کا ڈراپ سین یہ ملاقات ہے.. یہی آخری مقصد ہے' مجھ سے ملنا..."

"تم سے ملنا اور.. تمہیں دیکھنا.. میک اپ کی دبیز تہوں کے بغیر تم بہت بہتر لگتے ہو.."

"لیکن اس عمر میں ہم دونوں کے درمیان محض ایک رومانوی تعلق تو ممکن

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



نہیں.. تو پھر تمہاری خواہش کیا ہے.. سیکس؟"

"نہیں..." اسے احساس ہوا کہ آنکھیں بھرنے کے بعد اس کے رخساروں پہ گیلاہٹ پھیلنے لگی ہے اور اسے تعجب ہوا اور اس نے ہتھیلی سے انہیں پونچھا.. "نہیں.. مرزا صاحب اس سلسلے میں بہت پوٹنٹ ہیں اور بہت تسلی دینے والے ہیں... بلکہ ضرورت سے اور خواہش سے کہیں زیادہ ابنارمل حد تک.. لیکن ان کے لیے میری ذات یا وجود کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے... میری جگہ کوئی بھی ہو.. کوئی کال گرل... کوئی ادھیڑ عمر نوکرانی.. ہانگ کانگ کی کسی سیکس شاپ سے خریدے ہوئے بے شک صرف نسوانی اعضاء ہوں.. انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا.. میں سیکس سے بھری ہوئی ہوں ناک تک.. بیزار ہوں.. تو خاور صاحب یہ میری ترجیحات میں کہیں بھی شامل نہیں.. اگرچہ مرزا صاحب اس معاملے میں زیادہ پرشوق نہ ہوتے تو اس کے بارے میں بھی غور کیا جا سکتا تھا.. لیکن پھر بھی تمہیں ملنے میں اس کی کشش کا کوئی کردار نہ ہوتا... میڈیا میں تمہاری موجودگی یا تمہاری تحریر بھی صرف ایک پہلا تعارف تھا.. اور پھر یہ دونوں بھی پس منظر میں چلے گئے.. کسی پارٹی میں یہ دو مہمان تھے جو مجھے تمہارے قریب لائے اور پھر رخصت ہو گئے.. مجھے ان سے بھی کوئی غرض نہیں.. چنانچہ جب ٹین ایج کرش نہیں گزرا... ہر دلیل نے اپنے آپ کو موقوف کر دیا تو میں تم سے ملنے کی تمنا پالنے لگی.. شادی کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں مرزا صاحب کے بچے پال کر بڑے کروں گی.. ان کی شادیاں کروں گی اور پھر.. جو میں چاہتی ہوں وہ کروں گی..."

وہ اس آنسوؤں سے لبریز غلافی آنکھوں والی عورت کے لیے کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا... سوائے جنس مخالف کی موجودگی میں جو بے وجہ بے آرامی ہوتی ہے اس کے... ہوس، فخر، کشش یا فتح کا کوئی احساس کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا.. وہ ایک شے تھی، ایک کیس ایک کردار تھی اور خاور اسے بارہ کہو کی پہاڑیوں کے اندر ایک سٹیج پر پرفارم کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا ایک تماشائی کی طرح... وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ مکالمے تھے جو اس نے یاد کر رکھے تھے اور اس کا چہرہ بولے گئے لفظوں کی ترجمانی کر رہا تھا.. اگرچہ وہ بالکل الگ اور ایک فاصلے سے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا لیکن اس کی پرفارمنس میں ایک جھول تھا.. وہ بھرپور تاثر دینے کے لیے نہ ٹھہرتی تھی اور نہ کسی لفظ پر زور دیتی تھی متاثر کرنے کی کوشش نہیں کرتی تھی جس سے شائبہ ہوتا تھا کہ وہ محض اداکاری نہیں کر رہی..



"...اور اب میں وہی کر رہی ہوں جو میں چاہتی ہوں۔"

"آر یو میڈ؟"

"ہاں میں ہوں.. جہاں دلیل نہیں ہے جواز نہیں ہے وہاں تم ہو.. اس لیے آئی ایم میڈ..." اس نے پیک میں سے ایک اور سگریٹ نکالا اور اس کی انگلیاں جو کب کی شانت ہو چکی تھیں پھر سے کپکپانے لگیں اور اس نے وہ سگریٹ مشکل سے نکالا اور اس کی جانب بڑھا دیا "اسے سلگا کر مجھے دو... کیونکہ میں یکدم بہت نروس ہو گئی ہوں"

ڈھلتی دوپہر بارہ کہو کی پہاڑیوں کے خدوخال میں کہیں کہیں جہاں گہرائی تھی سائے بچھا رہی تھی.. تارکول کے فیتے جوان کے کنوارپن کو مجروح کرتے تھے ابھی دھوپ میں تھے.. بہت نیچے جہاں سے وہ اوپر آئے تھے سملی ڈیم روڈ پر کبھی کبھار کوئی مسافر ویگن یا کار ایک ڈنکی کھلونے کی طرح رینگتی ظاہر ہوتی تھی اور پھر سلوموشن میں ان کی نظروں کے سامنے بہت دیر تک رہتی اور آہستہ آہستہ دائیں ہاتھ پر بلند ٹیلے کے پیچھے روپوش ہو جاتی..

اسے بلیزر اتارنے کی ضرورت نہ تھی، ہوا میں خنکی کا تناسب بڑھتا جا رہا تھا..

نہایت احتیاط سے رنگے اس کے بال ماتھے پر بکھرتے اور سمٹتے تھے لیکن وہ انہیں ہٹاتی نہ تھی.. بے دھیانی میں سگریٹ کے کش لگاتی اس کی موجودگی سے شاید غافل ہو چکی تھی..

شام ہونے لگی..

جس چٹان کی کوکھ میں مشروبات اور سینڈوچ سٹور کیے گئے تھے اس کا سایہ طویل ہوتا جھاڑیوں اور دوسرے پتھروں کی جانب رینگتا اور ان کی دھوپ جذب کرتا لمبا ہو رہا تھا.....

سملی جھیل کی جانب سے آنے والی ہوا جو کچھ دیر پہلے تک دھوپ کی حدت سے مہکتی تھی اب بے جان اور سرد ہو رہی تھی..

وہ تمنا اور عشق کی ایک متروک شدہ دیوی کی طرح تنہا اپنے آپ میں گم اس سے غافل سگریٹ کے کش لگاتی رہی.. اگرچہ متروک شدہ دیویوں کی آنکھیں اتنی غلافی اور دل پر اثر کرنے والی نہیں ہوتیں.. ایک طویل خاموشی کے بعد جس میں سردی در آئی تھی،

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سائے طویل ہوئے تھے اور نیچے بارہ کہو کی آبادی اور پہاڑیوں میں سمٹے دیہات میں کہیں کہیں بلب ٹمٹمانے لگے تھے وہ بولی.. جیسے ہوا سے مخاطب ہو"تم جانتے ہو میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے... تمہیں ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کردوں اور اس کے تالے کی چابی میرے پرس میں ہو... جب جی چاہے اسے کھولوں اور تمہیں دیکھ لوں..."

"اس کوٹھڑی کے اندر آنے کی اس کی تنہائی میں کچھ وقت بسر کرنے کی خواہش نہیں ہے؟"

"نہیں.. مجھے تمہارے ساتھ سیکس کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے... صرف اس کا قفل کھولوں کواڑ دھکیل کر تمہیں دیکھ لوں... اور گھر لوٹ جاؤں.. جب جی چاہے.."

"ایک ساٹھ سالہ شخص کو؟"

"یہ تو ایک دلیل ہے جو کارگر نہیں... عمر سے فرق نہیں پڑتا' یہ تم کب سمجھو گے؟"

دھوپ کی چادر سمٹ چکی تھی اور تاریکی اتر رہی تھی.. پہاڑیوں کا سبزہ گہرا ہو کر اندھیرے میں گم ہونے کو تھا.. نیچے سملی ڈیم روڈ پر کاریں بہت غور کرنے سے دکھائی دیتی تھیں لیکن ان کی ہیڈلائٹس سڑک کے ایک مختصر حصے کو روشن کرتیں آگے بڑھتی تھیں..

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے جھنجلا کر اپنے آپ سے کہا..

"محبت..." اس نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں تھاما اور ماتھے پر ایک طویل بوسہ دیا.. اس میں جنس نہ تھی' خود سپردگی کا کوئی شائبہ نہ تھا.. جیسے سکول جانے والے بچے کو اس کی ماں بوسہ دیتی ہے..

"میں.. اس جذبے سے واقف نہیں ہوں۔"

"نیور مائنڈ... لیکن ابھی مجھے جانا ہے.. آج رات آٹھ بجے میرے بیٹے کی دعوتِ ولیمہ ہے اور مجھے ایک معززماں کی طرح اس کے سسرال والوں کا استقبال کرنا ہے۔"



کہیں مڈل کلاس' کہیں متمول آسودہ اور کہیں بمشکل گزر اوقات کرنے والی اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی بھنبھناتی بھیڑ میں سے ایک لمبا تڑنگا نوجوان الگ ہوا اور اس کے پاس آ کر نہایت جھجک سے کہنے لگا.. "ایکس کیوزمی..."

وہ فلائٹ بورڈ کے ہندسوں کو سر اٹھائے بہت دیر سے تکتا جا رہا تھا اور ابھی تک وہ فلائٹ چار سو اکتالیس پی کے.. جو کہ کراچی جانے والی تھی اور اس کی فلائٹ تھی اس کے جلتے بجھتے ہندسوں کو تلاش نہیں کر سکا تھا یہ جاننے کے لئے یہ پرواز پورے وقت پر روانہ ہو رہی ہے یا نہیں.. اور اگر نہیں تو وہ اس فالتو وقت کا کیا کرے گا.. فلائٹ آپریشن میں اپنی ایک واقف ادھیڑ عمر ایئرہوسٹس کے پاس جا کر کافی کی فرمائش کرے گا یا کیا کرے گا جب اس لمبے تڑنگے نوجوان نے اس کے قریب آ کر ایک جھجک کے ساتھ "ایکس کیوزمی" کہا..

اس نے فلائٹ بورڈ پر سے نظریں نیچی کر کے اسے دیکھا... وہ ایک وجیہہ اور گورے چٹے رنگ کا نظروں میں سما جانے والا ینگ مین تھا جس کی مونچھوں میں سنہری پن تھا اور وہ ابھی مکمل طور پر گھنی اور مردانہ نہیں ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک اجنبی سے مخاطب ہونے والا ڈر اور نوجوانی کا الہڑپن تھا..

"معاف کیجئے گا..." وہ ذرا جھک کر بولا کیونکہ اس کا قد نکلتا ہوا تھا۔

"جی..."

"آپ خاور حسین ہیں ناں؟"

"جی میں ہوں"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



وہ نوجوان کشمکش و پیچ میں پڑ گیا.. جھجک گیا... اُس نے ایک اجنبی سے رابطہ کرنے کے لئے جو ہمت جمع کی تھی وہ شاید جواب دے گئی۔ وہ نظریں نیچی کر کے اپنی اُنگلیوں کو ایک دوسرے کے شکنجے سے جدا کرنے کی کوشش کرنے لگا اور پھر سیدھا ہو کر بظاہر بڑے اعتماد سے بولا "سر... آپ فلائٹ چار سو اکتالیس پی کے سے کراچی کیلئے سفر کر رہے ہیں؟"

"آئیڈیا تو یہی ہے.." اُس نے مسکرا کر کہا..

اُس کی مسکراہٹ نے نوجوان کے اعصاب کو بہتر کر دیا اور وہ نہایت مؤدب ہو کر کہنے لگا "سر.. میری والدہ بھی اِسی فلائٹ سے کراچی جا رہی ہیں.. اینڈ شی اِز الون... سر وہ آپ کو بے حد ایڈ مائر کرتی ہیں تو... کیا یہ ممکن ہے کہ... میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کر سکیں..."

"بھئی اس میں میری اجازت کی تو چنداں ضرورت نہیں.. ایک ہی فلائٹ میں جانے والے تمام مسافر ایک ساتھ ہی سفر کرتے ہیں.."

"شاید میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ بیان نہیں کر سکا" نوجوان کا اعتماد پھر زائل ہو گیا "میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کے برابر کی نشست حاصل کر لیں اور دورانِ سفر آپ کے ساتھ باتیں کر سکیں.. وہ آپ کو بے حد ایڈ مائر کرتی ہیں سر... بلکہ مجھے کہنا تو نہیں چاہئے لیکن ہم اور ابو اُنہیں کبھی کبھار آپ کے حوالے سے چھیڑتے بھی ہیں.. جسٹ فار فن..." نوجوان جھجکتے ہوئے ہنسنے لگا... "آپ کو یہاں دیکھ کر میں نے ہی ماں جی سے کہا تھا کہ.."

جھجکتے، ہنستے، نیم سنہری مونچھوں والے... عمر کی ناپختگی میں زندگی کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے زُعم میں گم نوجوان کے بلند قامت جُثے کے پیچھے وہ ہنستی تھی اور روپوش ہوتی تھی... پر اُس کی غلافی آنکھیں تیرتی ہوئی اپنے بیٹے کے چوڑے شانوں پر سے گزرتیں اُس تک آتی تھیں اور کہتی تھیں... چپ... بولنا نہیں!

وہ نہیں بولا۔

ایئر پورٹ کے اندر بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے لئے کراچی کی فلائٹ کے لئے مسافروں کی جو مختصر قطار تھی وہ اُس کی پشت پر کھڑی بار بار اُس کی کمر میں کچوکے دیتی تھی اور



ہنستی تھی... وہ بُت بنا کھڑا اُس کی بیباکی سے عاجز آیا ہوا اپنے چہرے کو سنجیدہ اور لا تعلق اور اپنی عمر کے مطابق مدبر بنانے کی کوشش کرتا تھا..

عین ممکن تھا کہ اُس کا بیٹا ابھی تک ایئر پورٹ ہال میں کھڑا شیشوں کے پار اس قطار کو دیکھ رہا ہو جو بورڈنگ کاؤنٹر کے سامنے آہستہ آہستہ رینگتی تھی اور اپنی ماں کو نظر میں رکھتا ہو...

لیکن وہ جو اُسکے پیچھے کھڑی تھی اُسے اس امکان کی کوئی پرواہ نہ تھی..

وہ کبھی اُس کی فربہ کمر کو تھپکتی اور کبھی اُس کی ریڑھ کی ہڈی پر اُسے تنگ کرنے کے لئے اپنی انگلیاں پھیرنے لگتی.. اُس کا ماتھا پسینے سے بھیگنے لگا..

کبھی وہ قطار کے دباؤ کو بہانہ بنا کر اُس کی پشت سے آلگتی اور دیر تک لگی رہتی.. جیسے اپنے بدن کی گرمی اُس میں انجیکٹ کر رہی ہو اور پھر پیچھے ہو جاتی..

وہ ابھی تک نہیں بولا تھا..

دل ہی دل میں کڑھتا اور ہونٹ چباتا تھا اور ایک بے نام خوف کا پسینہ اُس کے تن بدن میں پھوٹتا تھا.. اُس کے پیچھے جو بھی مسافر تھا وہ اتنا بیوقوف تو نہیں تھا کہ اپنے آگے کھڑی خاتون کی بے چین اُنگلیوں اور اُس سے اگلے مسافر پر ذرا سا دباؤ سے تا دیر جڑے رہنے کو ایک قدرتی عمل سمجھتا.. وہ اُس کی ناگہانی قربت میں ناخوش تھا.. اس بے خواہش رفاقت کو پسند نہیں کر رہا تھا.. لیکن وہ کیا کرتا... اُس زندگی کی حقیقتوں کے اچنبھے پن سے ابھی ناواقف نوجوان کو ٹکا سا جواب دے دیتا کہ نہیں تمہاری ماں میرے برابر کی نشست پر نہیں بیٹھ سکتی... اس لئے کہ یہ تقریباً ہر ہفتے بارہ کہو کی پہاڑیوں کے اندر میرے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے بوسے کی گیلاہٹ ابھی تک میرے ماتھے پر ہے اور جس کار پر تم اسے ایئر پورٹ چھوڑنے آئے ہو اس کا نمبر یہ ہے اور اُس کے اندر جو ایئر فریشنر ہے اُس کی مہک ایسی ہے..

وہ کیا کرتا..

مسافروں کی قطار ایک اذیت ناک آہستگی سے اٹک اٹک کر آگے بڑھتی تھی اور ہر اٹک کے ساتھ اُس کے سینے کا نرم اُبھار اُس کی پشت سے آلگتا تھا اور اُس کی حدت ٹویڈ کوٹ میں سرایت کر کے اُس کے بدن میں سلگنے لگتی تھی..

وہ وہ اس سلگاہٹ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیتی تھی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اُس نے اُسے اپنے بیٹے کے جُثّے کے پیچھے ہٹتے اور روپوش ہوتے دیکھنے کے بعد اب تک ایک بار بھی مڑ کر نہ دیکھا تھا..

اور وہ ہر بار جب کوئی مسافر کاؤنٹر سے اپنا بورڈنگ کارڈ وصول کر کے جگہ خالی کرتا اور قطار میں کھڑے مسافر ایک قدم آگے بڑھاتے وہ اُس کی پشت سے آلگتی اور لگی رہتی تا آنکہ وہ اپنا قدم آگے بڑھا کر اُس کے نرم جُثّے سے الگ نہ ہو جاتا..

وہ ابھی تک ایک ایسا کراس ورڈ پزل تھی جس کا ہر چوکور خانہ خالی تھا..

کہیں بھی کسی خانے میں کوئی ایک حرف ایسا نہ تھا جس کی مدد سے کوئی لفظ بنتا جو اُسے جاننے یا مکمل کرنے میں معاون ثابت ہوتا.. کہیں کوئی سراغ نہ تھا..

معمے کا ہر خانہ خالی تھا..

اور اُس میں اُس کا نام تک نہ تھا..

ٹیلی فون نمبر نہ تھا..

وہ کہاں سے 'کس رہائشی علاقے کے کونسے مکان سے برآمد ہو کر مری روڈ کی اُس کراسنگ پر آتی تھی اور پھر ہمیشہ اُسے اپنی کار لاک کر کے اپنے برابر میں بیٹھ جانے کو کہتی تھی اور ہمیشہ اُسی بلندی پر لے جاتی تھی جہاں سے بارہ کہو کا ایک فضائی منظر مکمل تنہائی اور سرسراتی ہوا میں نظر آتا تھا.. اور ہمیشہ چٹان کی کوکھ میں تازہ سینڈوچ اور مشروبات سٹور ہوتے تھے..

"تم نے ابھی تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا..."

"میرا کوئی نام نہیں..."

"اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہو تاکہ میں اس کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤں..."

"نہیں نہیں.. تم کہو تو اگلی ملاقات پر میں مرزا صاحب کو ساتھ لا سکتی ہوں.. لیکن واقعی میرا کوئی نام نہیں.. میں ابھی ابھی آسمان سے گری ہوں.. ابھی پیدا ہوئی ہوں.. اور نومولود بچے کا کوئی نام نہیں ہوتا.. تم مجھے نام دے دو..."

"کہاں رہتی ہو؟"

"اس کوٹھڑی کے باہر جس میں میں نے تمہیں بند کر رکھا ہے.. میں وہیں بیٹھی



رہتی ہوں اور جب جی چاہتا ہے تالا کھول کر تمہیں دیکھ لیتی ہوں.."

"اور ٹیلی فون نمبر؟"

"نومولود بچوں کے پاس فون نہیں ہوتا..."

اُسے ہمہ وقت یہ احساس تو تھا کہ وہ کسی مصلحت کے تحت اپنی شناخت سے گریز نہیں کر رہی بلکہ وہ اس رشتے اور اس میل ملاپ میں ان چیزوں کو فروعی اور بیکار سمجھتی ہے... نام اور فون نمبر کا سوال کہیں آٹھویں ملاقات کے بعد ہوا تھا..

پہلی چند ملاقاتوں میں وہ بڑی دیدہ دلیری سے آتی تھی۔ اُسے دیکھ لئے جانے کا یا پہچان لئے جانے کا کوئی ڈر نہ تھا بلکہ وہ اُس کا مزاق اُڑاتی کہ کبڑے ہو کر کیوں بیٹھے ہو.. تمہارا خیال ہے کہ ہر سامنے سے آنے والی کار میں تمہارے واقف کار ہوں گے رشتے دار ہوں گے.. اگر وہ دیکھ بھی لیں تو کیا ہو گا.. زیادہ سے زیادہ تمہاری قسمت پر رشک کریں گے.. دیکھ لو مجھے کوئی پرواہ نہیں حالانکہ یہ علاقے مرزا صاحب اور میرے بیٹوں کی جان پہچان والوں سے بھرے پڑے ہیں... پھر آہستہ آہستہ وہ احتیاط برتنے لگی اُس کا اعتماد ساتھ چھوڑنے لگا.. ایک بہت بڑی سفید شال میں لپٹی 'ڈھکی اور چھپی ہوئی' پلاسٹک کے کنگ سائز گوگلز میں اپنا آدھا چہرہ روپوش کئے.. صرف اُس کے ہاتھ دکھائی دیتے جو سٹیئرنگ پر کانپتے پھڑ پھڑاتے رہتے.. جیسے کسی ماتمی محفل میں جا رہی ہو.. کار رُکنے سے پیشتر ہی وہ دروازہ کھول دیتی "پلیز جلدی سے بیٹھ جاؤ یہاں ہمارے جاننے والے بہت ہیں"

کار کے اندر بیٹھتے ہی اُس کی پہلی ڈیوٹی یہ ہوتی تھی کہ وہ ایک سگریٹ سلگا کر اُس کی لرزتی اُنگلیوں میں پرو دے.. وہ ایک گہرا کش لگا کر اُس کی جانب دیکھتی اور ایک ذہنی طور پر پسماندہ بچے کی طرح مسکرانے لگتی.. اُس کے آنسو گرنے لگتے اور وہ بار بار اپنی غلافی آنکھیں جھپکاتی... اب وہ مری روڈ کراسنگ پر اُس چائے خانے تک نہیں آتی تھی جہاں اُن کی پہلی ملاقات ہوئی تھی کیونکہ اُسے شک تھا کہ سڑک کے پار جو ورکشاپ ہے وہی ہے جہاں سے اُس کا خاوند اپنی کار کی ٹیوننگ اور سروسنگ کرواتا ہے.. کوئی ایک سامنے سے آنے والی کار اُسے نروس کر دیتی اور وہ سن شیڈ نیچے کر کے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتی.. چنانچہ جس طور اُس نے بارہ کہو کی پہاڑیوں میں وہ چٹان اور اُس کا تنہا ماحول دریافت کیا تھا اسی طرح اسلام آباد میں اُس نے مرگلا روڈ کے اُس ٹی جنکشن کو بے حد محفوظ قرار دیا جس کے دائیں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ہاتھ پر آئی ایس آئی کی رہائش گاہیں اور فاران آفس ہوسٹل تھا... مرگلا روڈ پر بھی زیادہ تر ریٹائرڈ بیوروکریٹس کے بنگلے تھے اور وہ صبح کی سیر کے بعد کم ہی باہر آتے تھے.. ان بیوروکریٹس کی زندگی بھر کی عادت کہ سر اونچا کر کے ناک کی سیدھ میں دیکھنا اور عوام الناس کو اپنی ایک نگاہ کے قابل بھی نہ سمجھنا اُس کے لئے بے حد مفید تھا... وہ کسی اور کو پہچاننے کی بجائے خود پہچانے جانے کے عادی تھے چنانچہ یہی مقام اُن کے لئے محفوظ اور مناسب تھا.. بلکہ صرف اُس کے لئے مناسب تھا کیونکہ خاور کو بارہ کہو کے گھر سے نکل کر خصوصی طور پر اسلام آباد آنا پڑتا.. یہاں وہ مرگلہ روڈ پر ٹریک تھری کی پارکنگ لاٹ میں کار کھڑی کر کے ٹی جنکشن کے قریب اُس کا انتظار کرتا... یہاں سے وہ دونوں پھر بارہ کہو کے لئے روانہ ہو جاتے اور شام کو یہیں واپسی کے بعد ایک مرتبہ پھر وہ اپنی کار میں سوار ہو کر اپنے گھر لوٹ جاتا.. گرے سوزوکی مرگلہ روڈ سے نیچے اُتر کر بائیں جانب میریٹ ہوٹل کے پہلو میں سے نکل کر ٹیلی ویژن سٹیشن کے کونے میں پہنچ کر پھر دائیں ہاتھ مڑ جاتی.. پارلیمینٹ ہاؤس اور پریذیڈنٹ ہاؤس... شارع دستور پر.. اور وہ چپ بیٹھی ایک اعصابی بے چینی کو دباؤ سگریٹ کے کش لگاتی خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہتی.. جونہی وہ مری روڈ میں داخل ہوتے تو اُسے احساس ہوتا کہ وہ اسلام آباد کی گرفت میں سے نکل آئے ہیں اور اُس کا ذہنی تناؤ قدرے کم ہو جاتا.. صرف مری روڈ سے بارہ کہو کی آبادی میں داخل ہوتے ہوئے اُس کی اُنگلیاں پھر سے کپکپانے لگتیں اور جونہی وہ سملی ڈیم روڈ کو چھوڑ کر پہاڑیوں کے اوپر اپنی پناہ گاہ کے قریب پہنچتے وہ بالکل نارمل ہو جاتی اور پہلی بار اُس کی جانب دیکھ کر اپنے گوگلز اُتار کر مسکراتی ہوئی "ہیلو" کہتی اور پھر اپنی بستر کی چادر نما شال کو اُتار کر اُسے پچھلی نشست پر پھینکتے ہوئے کار سے باہر آ جاتی..

اس مقام کو وہ اپناز یروپوائنٹ بھی کہتی..

چٹان کی کوکھ میں تازہ سینڈوچ اور مشروبات ہمیشہ موجود ہوتے..

خاور کو بھی اس مقام کی عادت ہو گئی تھی.. وہ چٹان کی ہر رگ کو پہچانتا تھا' اس کا سایہ سورج ڈھلنے سے کس جھاڑی کی قربت میں سب سے پہلے رینگتا ہے اور اُس جھاڑی کے نیچے جس جنگلی چوہے کا بل ہے اُس نے پچھلی مرتبہ کی نسبت کتنی مٹی کھود کر بل کے باہر ڈھیر کی ہے.. پہلے روز اُس نے جو طویل تکونی دُم والا کرلا دیکھا تھا وہ اب بھی عین اُس وقت



پر جھاڑیوں میں سے برآمد ہو کر سڑک پار کر کے دوسری جانب گھاس میں روپوش ہو جاتا تھا.. یہاں تک کہ اُسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں سے نیچے نظر آنے والی سملی ڈیم روڈ پر جو کاریں گزرتی ہیں اُن میں کونسی مقامی لوگوں کی ہیں اور باقاعدگی سے دکھائی دیتی ہیں اور کونسی سملی جھیل پر پکنک کے لئے جانے والوں کی ہو سکتی ہیں..

اُس مقام کی طرح خاور کو اس بے جواز اور بے رمز تعلق کی بھی عادت ہو گئی..

لیکن اُسے اُس کی بے نامی اور غیب سے ایک آسیب کی طرح چادر میں لپٹی ہوئی ظاہر ہونے کی عادت نہ ہوئی..

ایک روز جب اُس نے اپنی کانونٹ اخلاقیات کے تحت شرمندگی سے آنکھیں جھکاتے ہوئے جنگلی کھڑی کر کے اپنی اشد ضرورت کی نشاندہی کی اور پھر چٹان کی ڈھلوان میں جو چند جھاڑیاں تھیں اُن میں روپوش ہو گئی تو اُس نے ایک بے حد معیوب حرکت کی لیکن وہ رہ نہ سکا.. خاور نے فوراً اگلی نشست پر پڑے ہوئے اُس کے ہینڈ بیگ کو کھول کر اُس کی تلاشی لی.. اس احتیاط کے ساتھ کہ جونہی وہ جھاڑیوں میں سے نمودار ہو گی اُس کے کار تک پہنچنے سے پہلے پہلے وہ بیگ کو بند کر کے اگلی نشست پر رکھ دے گا.. بیگ میں کوئی ایسا کارڈ کوئی یوٹیلیٹی بل' کوئی ایسی چٹ نہ تھی جس سے اُس کے نام' پتے یا فون نمبر کا سراغ ملتا... میک اپ کا مخصوص الابلا سامان' الائچی اور سونف کے دو پیکٹ' ہیروں کے دو بندے جو شاید اُسے ملنے سے پیشتر وہ اُتار لیتی تھی.. اور دو تین تڑے مڑے نسخے' کچھ کیپسول اور گولیوں کے چند پتے..

اُن کی ملاقات کا دن اور وقت اور مقام طے تھا لیکن روزانہ ایک مخصوص وقت پر فون کی گھنٹی بجتی وہ چونکا اُٹھاتا تو دوسری جانب سے اُس کی ہنسی کی آواز آتی اور وہ فون بند کر دیتی.. یہ اُس کی مسلسل موجودگی کی اطلاع تھی..

خاور کے بدن کی ہڈیاں اور اعضاء موسموں کی بہت طویل مسافت میں سے گزرے تھے' اگرچہ اُن میں اب اعتدال نہ تھا... اُنہیں کسی بھی نسوانی بدن سے ملاپ کئے دس برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن اسکے باوجود اُسے قریب پا کر.. اور وہ اب بھی ایک پرکشش عورت تھی' پرانی وائن کی طرح گہرا اور تجربہ کار نشہ دینے کے قابل.. لیکن اُس کے اعضاء اُس کی قربت میں بھی کسی بھی جنسی ردعمل سے دوچار نہیں ہوتے تھے.. اُس کی چاہت یا حصول کے لئے اُن میں کہیں بھی حرکت نہ ہوتی تھی.. وہ لاتعلقی سے بیٹھا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



رہتا' برابر میں کھڑا رہتا' بارہ کہو کے پھیلے ہوئے منظر کو تکتا اُس کی باتیں سنتا رہتا.. اپنے لئے اُس کی قدیمی محبت کے قصے سنتا رہتا اور مسکراتا رہتا... اگرچہ دھوپ کی تیزی میں جب وہ سوئٹر اُتارتی تو اُسکے پسینے کی گرم اور گیلی مہک اُسے چند لمحوں کے لئے پریشان کر دیتی.. جنسی حوالے سے نہیں بلکہ یہ ایک یادداشت تھی ایک سندیسہ تھا کہ کبھی ایسے وقت تھے جب ایسی مہک اُس کے لئے اجنبی نہ تھی..

وہ بھی پہلے روز کے بعد اُس کے گھر کے آگے سے اُس کا حوالہ دیئے بغیر گزر جاتی..

شاید اُس روز مری میں برفباری ہوئی تھی... بارہ کہو کی پہاڑی کو اُس سرد ہوا کا سامنا تھا جو براہ راست وہاں سے آ رہی تھی... آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے اور دھوپ بجھ چکی تھی.. سردی کی شدت بہت بڑھ گئی.. اُس نے حسب عادت کاٹن کے شلوار کُرتے کے ساتھ نیلا بلیزر پہن رکھا تھا.. اور یہ کافی نہ تھا.. وہ اپنے آپ پر جبر کرتا رہا اس یکدم برف ہو جانے والی ہوا کو برداشت کرتا رہا اور پھر اُس کے دانت بجنے لگے اور وہ بری طرح کپکپانے لگا.. شدید موسموں کو سہار جانے کے دن گزر چکے تھے اور وہ اُن کے آگے بے بس ہو چکا تھا..

"آر یو آل رائٹ؟" وہ اُس کی حالت دیکھ کر فکر مند ہو گئی "تم کار میں آ جاؤ"

کار میں بیٹھ کر اُس نے ہیٹر آن کر دیا لیکن اُس کی کپکپی کسی طور تھمتی نہ تھی اور شرمندہ ہو رہا تھا کہ وہ اسے قابو میں لانے سے قاصر تھا "آئی ایم سوری.. لیکن جس طرح تم کہا کرتی ہو کہ.. آئی کینات ہیلپ اِٹ"

"تم سوئٹر کیوں نہیں پہنتے.." اُس نے اُسے ڈانٹا "تم اب اتنے جوان نہیں رہے جتنے کہ تھے.."

"میں اچھی طرح جانتا ہوں.. لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ ہوا یکدم ناقابل برداشت ہو جائے گی.." کار کے اندر ہیٹر کی گرمی نے ایک آسودگی کو جنم دے دیا تھا لیکن وہ اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے کپکپاہٹ پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا..

"تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے.." اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی گردن پر اپنی لرزتی ہوئی اُنگلیاں رکھ دیں.. اور کھسک کر اُس کے قریب آ گئی "کم از کم میرے لئے تمہیں اپنا



خیال رکھنا چاہئے.."

مہنگی سلک کا لباس ہاتھ لگانے سے اُس کے بدن پر سے کھسکتا تھا.. اور اُس کے نیچے جو مسام تھے وہ پسینے سے بھرتے تھے اور اُنگلیوں کے نیچے جو لباس آتا تھا گیلا ہوتا چلا جاتا تھا... وہ اُسے ایک بچے کی طرح تھپک رہی تھی' دلاسے دے رہی تھی چوم رہی تھی اُس کے لرزتے بدن کو تھام رہی تھی.. اپنی ناک اُس کی سرد گردن پر رگڑتی تھی اور اُس کے سینے تک لے آتی تھی جس کے سفید بالوں کی جڑوں میں سے بھاپ سی اُٹھتی تھی پسینہ پھوٹتا تھا... کار کے ہیٹر کی گرمی بے وقعت ہو گئی تھی.. اُس کے منجمد اعضاء ایک مدت کے بعد تحرک سے آشنا ہو رہے تھے.. جیسے وہ اب تک کسی ڈیپ فریزر میں پڑے تھے اور اب اُنہیں مائیکروویو اوون میں رکھ کر بٹن دبا دیا گیا ہو اور اُس کی پلیٹ پر گھومتے برسوں کی جمی برف لمحوں میں پگھلتی جاتی تھی.. غلافی آنکھوں میں سے لگاتار بہت آنسو رخساروں پر پھیل کر اُنہیں تادیر گیلا نہیں رکھ سکتے تھے' اُن کی گیلاہٹ لمحوں میں خشک ہو جاتی تھی.. جیسے سردیوں میں نل کے تازہ پانی سے بھاپ اُٹھتی ہے...

اُس کی کپکپاہٹ کو افاقہ تھا لیکن یہ اب اُس کے بدن میں منتقل ہو چکی تھی اور وہ بری طرح کانپنے لگی تھی..

"آر یو آل رائٹ؟"

"میں.. میں ٹھیک ہوں لیکن.. تمہیں سوئٹر پہن کر آنا چاہئے تھا.."

خاور نے اُس کی گردن پر ہاتھ رکھا..

"ڈونٹ ٹچ می..." وہ اپنی بے ترتیبی کو سمیٹتی ہوئی پرے ہو گئی... اُس نے پچھلی نشست پر پڑی ہوئی چادر کو ہاتھ بڑھا کر کھینچا اور اپنے آپ کو اُس میں لپیٹنے کی کوشش کرنے لگی.. "ہم میں سے کسی ایک کو ایک سوئٹر کی اشد ضرورت ہے.." لیکن اس کے باوجود وہ ٹھٹھرتی رہی..

"میرا گھر یہاں سے دور نہیں ہے.."

"نہیں..." اُس نے ایک خوفزدہ ہچکی لی "میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں"

"بے شک.. لیکن ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے.."

"میرے گھر..." اُس نے پھر کہا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"تم مجھے میرے گیٹ کے سامنے ڈراپ کر دو.. ٹریک تھری کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی میری کار محفوظ ہے میں کل جا کر لے آؤں گا.."

مونگیا رنگ کے آہنی گیٹ کے سامنے جس کے ایک ستون میں نیلے رنگ کے پلاسٹک کی کال بیل نصب تھی گرے سوزوکی رکی تو اُس کے اندر ایک نم آلود فضا تھی جس کی حدت ڈیش بورڈ' سٹیرنگ اور پوشش میں بھی رچ گئی تھی.. وہ اترا نہیں وہیں بیٹھا اُسے دیکھتا رہا.. اُس کی سفید شال میں جہاں جہاں اُس کے بدن کی کرونیں تھیں وہ ہولے ہولے لرزش کا پتہ دیتی تھی..

"تم ذرا رُکو... میں اندر سے تمہارے لئے کوئی گرم چیز لے کر آتا ہوں.." اُسنے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا.. باہر جو برف صفت ہوا چل رہی تھی اُس نے کار کے اندرون میں پھیل کر لمحوں میں ہر شے کو یخ کر دیا..

"نہیں میں بھی چلتی ہوں..." وہ خوف کی ایک عجیب گرفت میں تھی۔

"رُکی رہو..." خاور نے ڈانٹ کر کہا "میں ابھی آتا ہوں"

"تو میں بھی آتی ہوں.. میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتی.. مجھے ڈر آتا ہے"

گھر کے اندر ڈرائنگ روم میں صرف ایک ٹیبل لیمپ روشن تھا... ابھی شام نہیں اُتری تھی لیکن بادلوں کے باعث باہر اندھیرا چھا چکا تھا..

وہ اُس کے کندھوں پر سے جھانکتی جھجکتی اور ایک ایسے بچے کی طرح خوفزدہ جو کسی بھوت بھرے کھنڈر میں آنکلتا ہے اُسکے پیچھے پیچھے چلتی آگئی..

ہر شے ٹھہری ہوئی تھی.. ایک مردہ سکوت میں تھی.. دیواریں' صوفے اور ڈائننگ ٹیبل کی کرسیاں.. افغانی قالین.. وال کلاک.. تصویریں.. اُس کی بیٹیوں کی اور اُن کے خاوندوں اور بچوں کی... پنکھے.. لیمپ' پردے' ہر شے.. کیونکہ اُن میں سانس لینے والا کوئی نہ تھا.. اور مکینوں کی موجودگی ہی گھر کے سامان کو زندہ رکھتی ہے..

"یہاں تمہاری بیوی کی کوئی تصویر نہیں ہے؟"

"نہیں..."

"کیوں؟"

"اگر میں ابھی تک اُس فلیٹ میں ہوتا تو شاید وہاں ہوتی... میں اس گھر میں اُس



کے بغیر آیا تھا.. وہ یہاں نہیں ہو سکتی.. بیٹیوں نے خود اپنی تصویریں فریم کروا کے یہاں رکھی ہیں تاکہ.. میں تنہا محسوس نہ کروں"

"وہ کیسی تھی؟... تمہاری بیوی.."

"میں اُس کی کمی محسوس کرتا ہوں.."

بشیر یکدم گنگناتا ہوا اندر آگیا اور خاور کو غیر متوقع طور پر سامنے کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گیا.. پھر اُس کی نگاہ سفید شال میں لپٹی خاتون کی طرف گئی جو صاحب کے کندھوں کے پیچھے کپکپا رہی تھی... اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو آئیں.... پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا..

"میں کوارٹر میں بیٹھا ریڈیو سنتا تھا صاحب تو گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو میں نے سوچا ذرا چیک کروں.. کھانا تیار ہے' لگا دوں؟" اور اُس کی نظر اُس خاتون سے ہٹتی نہ تھی جو ٹھٹھری ہوئی لگتی تھی اور شاید وہ رو رہی تھی..

"تم ابھی کافی بنا کر لے آؤ.. جاؤ"

"جی..." جانے سے پہلے اُس نے پھر اُس عورت کی جانب کن اکھیوں سے دیکھا اور اُس لمحے اُس نے سر ہلا کر کہا "نہیں.. میں کافی نہیں پیوں گی.."

"تم جاؤ بشیر..."

"تم میری وارڈروب کی ہر آئٹم سے واقف ہو.. تمہارے لئے کیا لے کر آؤں.."

"نہیں نہیں.. میں اب بالکل ٹھیک ہوں.. میں تھوڑی سی بیمار بھی رہتی ہوں اس لئے سردی سہار نہیں سکتی... سردی بھی اور بے جا گرمی بھی.." اور وہ ابھی تک ٹھیک نہیں تھی.. سردی سے سمٹی جاتی تھی۔

"تم کچھ نہ کچھ پہن کر جاؤ گی... بے شک اپنے گھر میں داخل ہونے سے پیشتر اسے کوڑے کے ڈرم میں پھینک دینا.. کیا لاؤں؟"

"وہ نیوی بلو سویٹر... جو تم کبھی کبھار اس بلیزر کے نیچے پہنتے ہو.." اُس نے ذرا شرمندہ ہو کر بتایا۔ ڈرائنگ روم میں ہی کھلتا بیڈ روم کا دروازہ تھا جس کے اندر وہ وارڈروب تھی جو اُسے ازبر تھی اور اُسی میں نیلے رنگ کا سویٹر تھا..

وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلی آئی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



خاور نے وارڈروب کا دروازہ کھول کر نیلا سویٹر تلاش کیا اور وہ کپڑوں کی بے ترتیبی میں کہیں گم تھا.. مل نہیں رہا تھا.. وہ اس کی پشت سے آ لگی "سویٹر سے میری سردی کم نہیں ہوگی"

مہنگی سلک کی قمیض پر خزاں رسیدہ رنگوں کے بھورے پتے بکھرے ہوئے تھے اور ہر پتہ پسینے سے گیلا ہوتا تھا اور اُس میں سے ہواڑ اُٹھتی تھی.. ہر پتہ سلگتا تھا...

"تم مرزا صاحب جیسے نہیں ہو..." اُس کی کپکپاہٹ ختم ہوئی تو اُس نے کہا اور اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔



اس کی تنہائی کے چپ سنانے میں وہ بولتی تھی..

سندھ کے سروٹوں اور جنگل بیلوں میں جو مور بولتا تھا.. ایسے بولتی تھی..

جیسے اس نے وہ مور کبھی نہیں دیکھا تھا اُس پرندے کی شکل سے شناسانہ تھا جو اُس کے بھیتر میں بولتا تھا ایسے وہ بھی نامعلوم تھی.. کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے آتی ہے کہاں جاتی ہے..

روزمرہ کی زندگی کی روٹین میں جب کبھی اس کا خیال آتا تو وہ بے حد الجھن محسوس کرتا کہ اس معمے کے تمام خانے خالی کیوں ہیں.. اور وہ فیصلہ کر لیتا کہ اس تعلق کو جس میں جذباتی وارفتگی نام کو نہیں ختم کر دے گا.. اس کا فون آتا تو وہ نہایت سرد مہری سے بات کرتا.. مصروفیت کے بہانے بناتا.. اس کی ذات میں ذرہ بھر دلچسپی ظاہر نہ کرتا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوتا.. وہ اسی پرجوش انداز میں باتیں کرتی چلی جاتی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پگھلنے لگتا اور وہ اس سے ملنے کو کہتی تو وہ انکار نہ کر سکتا..

کم از کم وہ چپ سنانے میں بولتی تو تھی.. ایک اور انسان تھی جس کی رفاقت اُسے اکلاپے سے باہر لے آتی تھی اور اس کی چاہت کا بے محابہ اظہار اس کی مردانہ انا کو کہیں نہ کہیں کچھ تسکین بھی دیتا تھا..

نیلے سویٹر کے اس موڑ کے بعد ان کی گفتگو میں کبھی اس کا کوئی حوالہ نہ آیا.. نہ کوئی معنی خیز جملہ ' نہ کوئی اس شام کو ایک ہی نظر میں بیان کر دینے والی کوئی نگاہ.. اسے شک ہوتا کہ کبھی ایسا ہوا بھی تھا یا نہیں.. صرف تیز دھوپ میں تادیر کھڑے رہنے سے اس کے بدن میں سے جو پسینہ پھوٹتا اور اس کی قمیض کو کہیں کہیں سے گیلاہٹ دیتا تھا اُس کی بُو اُسے پہلے سے زیادہ پریشان کرتی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



زیرو پوائنٹ کی بلندی پر ایک اور دوپہر ڈھلی' شام ہوئی اور بارہ کہو اور سید پور کے دیہات پر سردیوں کی ایک اداس دھند گھنی اور سفید ہوتی کچے گھروں کھیتوں اور ٹیلوں پر اُتری اور وہیں ٹھہر گئی.. اور اُس میں سے کہیں کہیں بلب ٹمٹمانے لگے.. کار کی ونڈ شیلڈ میں بھی ٹمٹماتے ہوئے وہ اندر آگئے باہر سردی ہو گئی تھی اگرچہ خاور نے اپنا نیلا سویٹر پہنا ہوا تھا..

ان کی ملاقاتوں میں اب کوئی بوقلمونی نہ رہی تھی.. ہر شے ایک طے شدہ ضابطے کے ساتھ بغیر کسی تبدیلی کے جوں کی توں چلتی جاتی تھی.. ٹریک تھری کی پارکنگ میں کار پارک کرنے کے بعد مرگلہ روڈ پر اُس کا انتظار.. کار میں بیٹھتے ہی اُسے سگرٹ سلگا کر دینا.. کار کا اندرون' پوشش کے کپڑے کا رنگ اور ڈیزائن.. اُسی پہلے دن والے ائیر فریشنر کی مہک.. اور وہ بھی اُس کی وارڈ روب سے تقریباً واقف ہو چکا تھا.. اُس کی اُنگلیوں پر اُتری انگوٹھیاں' بریسلٹ.. یہاں تک کہ چٹان کی کوکھ میں سٹور شدہ مشروب بھی وہی اور وہی چکن اینڈ ٹمیٹو سینڈوچ... ان سب کی یکسانیت اس کے حواس پر اثر کرتی تھی... شائد مرد اور عورت کے تعلق میں جنس ایک ایسا جز ہے جو اس یکسانیت کو ریزہ ریزہ کرتا ہے.. لیکن خون سرد مہر ہو تو نسوانی بدن کے بلاوے پر بھی حدت میں آ کر خواہش کے سامنے بے بس نہیں ہوتا.. اور زندگی سپاٹ ہو کر ایک مکانکی انداز میں چلتی جاتی ہے.. تعلق ایک ہی سطح پر ہموار صورت میں جاری رہتا ہے' کسی اونچ نیچ سے دوچار نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں اکتاہٹ جنم لیتی ہے اور رفاقت بھی پھر تنہائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے..

گھر واپسی سے پیشتر وہ اپنا آخری سگرٹ پی رہی تھی..

رفاقت جو تنہائی کی شکل اختیار کر رہی تھی اُس کے اُلجھاؤ سے تنگ آ کر اس نے کہا "یہ اگرچہ تماشا ہے لیکن اب تک میری سمجھ میں آ جانا چاہیے تھا... اور اس کی مدت کیا ہے؟ اس نے کتنی دیر جاری رہنا ہے.. فریدہ' آمنہ... یا نسرین جو بھی تم ہو... تم نے زندگی کے کچھ برسوں میں جو ارادہ کیا تھا مجھ سے ملنے کا.. تمنا پالی تھی.. تو وہ سب تو ہو چکا.. اب اس کے آگے کیا ہے؟ تم چاہتی کیا ہو؟"

"تمہیں..."

"یہ میں بہت سن چکا ہوں.. یہ تو کوئی جواب نہیں.."

"میں اپنی اولاد کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ صرف یہی جواب ہے.."



"اور تم جانتی ہو کہ میں اس چاہت میں شریک نہیں ہوں.. یہ یک طرفہ ہے.."

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے.."

"اور میں مرزا صاحب جیسا نہیں ہوں.."

وہ یکدم ٹھٹک گئی.. رنجیدہ ہو گئی جیسے اُسے شدید دُکھ ہوا ہو کہ اُس نے یہ حوالہ کیوں دیا تھا..

"اس سے بھی کیا فرق پڑتا ہے.."

وہ آج صدقِ دل سے جو مصمم فیصلہ کر کے آیا تھا.. قطعی اور آخری.. وہ بہر حال اُسے سنانا تھا".. جیسے تمہاری کانونٹ کی انگریزی میں ایک اظہار ہے کہ.. جب تک یہ سلسلہ چلا یہ بہت خوبصورت تھا.. لیکن بہر طور اسے کہیں نہ کہیں.. کسی ایک وقت میں پہنچ کر ختم ہونا ہوتا ہے.. تم مجھے فون کر سکتی ہو.. لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب گنجائش باقی نہیں رہی.. ان بے جواز ملاقاتوں کا اختتام ہونا چاہئے.. میں آئندہ تم سے نہیں مل سکتا."

"لیکن کیوں.. کیوں.." وہ پچھلے ایک گھنٹے سے آنکھیں خشک لئے بیٹھی تھی جو ایک ریکارڈ تھا.. لیکن کیوں.. کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں سے جھرنے بہنے لگے.. وہ بے تحاشا رونے لگی "لیکن کیوں؟"

"ہر تعلق کی.. ایک جاندار کی طرح.. ایک عمر متعین ہوتی ہے.. اور ہمارے تعلق کی عمر پوری ہو چکی ہے.. میں کتنی دیر تک خلا میں رہ سکتا ہوں.. میں تمہارا نام تک نہیں جانتا.. یہ نہیں جانتا کہ مرزا صاحب اور اپنی اولاد کے بارے میں جو قصے تم سناتی ہو اُن میں حقیقت ہے یا وہ بالکل فرضی ہیں. مجھے نہیں معلوم کہ جس روز تم مجھ سے ملنے آتی ہو وہ ذہنی طور پر معذور لوگوں کے ادارے میں چھٹی کا دن ہوتا ہے.. مجھے کچھ بھی علم نہیں."

"لیکن کیوں.." اُس نے کچھ دھیان نہ دیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے..

"اس لئے بھی کہ تم نے مجھے ایک داشتہ کے طور پر رکھا ہوا ہے ڈیم اِٹ.. جب بھی تمہیں فرصت ہوتی ہے' تمہارا دل چاہتا ہے.. تمہارے پاس کرنے کو اور کچھ نہیں ہوتا.. تمہارے اندر ایک اُمنگ پیدا ہوتی ہے تو تم مجھے اپنے رکھیل کو ملنے کے لئے آ جاتی ہو... تم نے واقعی مجھے اسی طرح ایک کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے جس کی تم خواہش رکھتی تھیں... تم اس کا قفل کھولتی ہو' مجھے گلے لگا کر اپنی مجنونانہ محبت کا اظہار کرتی ہو اور روتی ہوئی آنسو بہاتی پھر سے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



قفل لگا کر چابی اپنے بیگ میں ڈال کر واپس چلی جاتی ہو... اور اس سارے تماشے میں میرا کوئی اختیار نہیں.. میں اپنی مرضی سے تمہیں فون کر کے اگر میرا جی چاہے تو تم سے ملنے کی خواہش نہیں کر سکتا.. اور میں تمہیں مخاطب کرتا ہوں تو ایک بے جان شے کی طرح.. جیسے ایک جھاڑی کو. گھاس کے ایک تنکے کو مخاطب کرتے ہیں.. کہ میں تمہارا نام تک نہیں جانتا..."

وہ سہمی ہوئی بیٹھی رہی..

اُس کا گریہ موقوف ہو چکا تھا..

گھر لوٹنے سے پیشتر کا آخری سگرٹ کار کی ایش ٹرے میں کب کا مسلا جا چکا تھا..

زیرو پوائنٹ کی بلندی اور اس کی جھاڑیاں اور گھاس اور چٹان سب کے سب تاریکی میں روپوش ہو چکے تھے اور وہ جانور اور رینگنے والے جو زیرِ زمین تھے منتظر تھے کہ کب وہ کار جو کسی ایک روز اُن کی چھت پر آ ٹھہرتی تھی اور تاریکی اُترنے تک ٹھہری رہتی تھی اُس کا انجن سٹارٹ ہو.. اُن کے اوپر مٹی اور سنگریزوں کا جو سہارا ہے اُس میں لرزش پیدا کرے اور رخصت ہو جائے اور وہ اپنے تاریک سکوت میں اطمینان سے نیند کر سکیں..

خاور نے جب یہ کہا کہ.. میں تمہارا نام بھی نہیں جانتا.. تو اُس کی آواز اتنی بلند تھی کہ وہ کار کے فرش میں سے ہوتی ہوئی مٹی اور سنگریزوں میں سے سرائیت کرتی اُن تک بھی پہنچی جو اپنے تاریک سکوت کی واپسی کے منتظر تھے..

سہمی ہوئی ایک موقوف گریے کے ساتھ اُس نے اپنی غلافی آنکھیں جھپکا کر کہا "تم نے مارلن برینڈو کی فلم "لاسٹ ٹینگو اِن پیرس" دیکھی ہے؟" جیسے وہ اپنے کانونٹ لہجے میں ٹماٹو کو ٹمیٹو کہتی تھی ایسے اُس نے برانڈو کو برینڈو کہا...

"ہاں..."

"پیرس میں.. ایک خالی اپارٹمنٹ میں.. فرنیچر... پردوں.. قالینوں وغیرہ سے مبرا بات کرنے سے آوازوں کے گونجتے ہوئے خالی اپارٹمنٹ میں.. برینڈو کی ملاقات اتفاقاً ایک ایسی لڑکی سے ہو جاتی ہے جو اُس کی مانند اپنی رہائش کے لئے ایک اپارٹمنٹ دیکھنے کے لئے آتی ہے..... وہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے.. آمنے سامنے ہوتے ہیں.. ایک ادھیڑ عمر مرد اور ایک نوجوان عورت... اور اُن کے درمیان اُس خالی پن اور گونجتی تنہائی میں.. اپارٹمنٹ بلڈنگ کی تیسویں منزل پر جہاں کوئی بستر نہیں.. صرف ننگا فرش ہے، جنسی رشتہ



قائم ہو جاتا ہے.. پھر وہ اُس خالی اپارٹمنٹ میں ملنے لگتے ہیں... جیسے ہم اس الگ اور تنہا مقام پر ملتے ہیں... فلم کے آخر میں برینڈو مر جاتا ہے تو پولیس اُس لڑکی سے پوچھتی ہے... کیا تم اس شخص کو جانتی ہو؟... تو وہ کہتی ہے... میں تو اس کا نام بھی نہیں جانتی..." وہ چپ ہو گئی..

کار کے باہر گھنا اندھیرا اُترا ہوا تھا اور زیرِ زمین رینگنے والے منتظر تھے..

"جب میں مر جاؤں گی تو تم بھی یہ کہہ سکتے ہو کہ... میں تو اس عورت کا نام بھی نہیں جانتا.."

وہ اُس عورت کا نام بھی نہیں جانتا تھا جو ہر بار جب بورڈنگ کارڈ کاؤنٹر کے آگے کھڑے ٹکٹ تھامے ہوئے مسافر ایک قدم آگے رکھتے تھے تو وہ ہر بار اُس کی پشت سے آ لگتی تھی اور لگی رہتی تھی.. وہ اس بے موقع اور بے خواہش رفاقت سے خوش نہ تھا..

وہ ایک مرتبہ پھر اپنی من مرضی سے آ گئی تھی.. پرس میں سے چابی نکال کر کوٹھڑی کا قفل کھول کر اندر آ گئی تھی اور اُس کی کمر میں کچوکے دیتی تھی کہ اُٹھو قیدی میں ملاقات کے لئے آئی ہوں.. بارہ کہو کے زیرو پوائنٹ کی حد تک تو ٹھیک تھا کہ وہاں ایک الگ تھلگ روپوشی تھی.. لیکن یہاں ایئرپورٹ کی گہما گہمی اور بھیڑ میں... خلقت کے اژدہام میں جب وہ دیر تک اُس کی پشت سے لگی رہتی تھی تو کسی نہ کسی کو تو احساس ہوتا ہوگا.. کہ یہ جانی بوجھی قربت دو اجنبی مسافروں کے درمیان نہیں ہو سکتی.. یہ خیال اُسے بے آرام کرتا تھا.. اگرچہ وہ بدحواسی کی حد تک احتیاط پسند ہو چکی تھی، اپنے آپ کو ہمیشہ لمبی چادر میں لپیٹ کر گوگلز چڑھا کر آتی تھی لیکن آج معاملہ بالکل مختلف تھا.. شائد وہ اپنے بیٹے کے واسطے سے ایک جواز پیدا کر چکی تھی اس لئے وہ بے خطر ہو چکی تھی..

اُس نے ابھی تک اُس سے کلام نہیں کیا تھا..

پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا..

اُسے خدشہ تھا کہ وہ اپنی اس آزادی کی خوشی میں اُس کے مڑتے ہی اپنی باہیں اُس کے گلے میں ڈال کر اُسے چومنے لگے گی.. اُس سے کچھ بعید نہ تھا..

جس عورت کا آپ نام بھی نہ جانتے ہوں اُس سے کیا بعید ہو سکتا ہے..

خاور کے آگے صرف دو مسافر رہ گئے تھے..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ایک کا بورڈنگ کارڈ بن رہا تھا اور وہ اپنے ہینڈ بیگ کے سٹریپ پر ٹیگ باندھ رہا تھا اور دوسرا شخص اُس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور اپنے ٹکٹ کو غور سے دیکھتا ایک بار پھر فلائٹ نمبر کا تعین کر رہا تھا..

خاور نے سوچ رکھا تھا کہ یہاں وہ چپ رہے گا.. لیکن جہاز کے اندر داخل ہوتے ہی نشست پر بیٹھتے ہی وہ اپنے غصے اور ناپسندیدگی کا بند کھول دے گا..

''اوہ انکل...'' ایئرپورٹ ہال کی بھیڑ کو بے تابی سے چیرتی ہوئی اپنے شیر خوار بچے کو سینے سے لگائے فرزانہ بیگ... اپنے پہلے بچے کو پیدا کر لینے کے فخر سے دمکتے چہرے کے ساتھ وہ بورڈنگ کارڈ کے حصول کے لئے آہستگی سے رینگتی قطار کی جانب.. اُس کو نظر میں رکھتی لپکتی ہوئی آئی ''اوہ انکل جی.. آپ بھی اسی فلائٹ پر جا رہے ہیں؟''

اُس کا دم رُک گیا۔

''جی بیٹے..'' خاور نے بازو اٹھایا تو وہ اپنی نوخیز چلبلاہٹ سے بھری مسرت میں سیدھی اُس کے سینے سے آ لگی لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ بچہ بے آرام نہ ہو..

''تو پھر ہم اکٹھے بیٹھیں گے.. مومن بہت تنگ کرتا ہے فلائٹ کے دوران... ہاں میں نے اس کا نام مومن رکھا ہے.. اچھا نام ہے ناں.. باسط کو تو شرجیل پسند تھا لیکن میں نے کہا باسط یہ کوئی نام ہے لگتا ہے کسی شرارتی جھیل کا نام ہے..'' وہ بے تحاشا ہنسنے لگی اور اُسے قطعی احساس نہ تھا کہ آس پاس ایک ہجوم ہے.. اُس کی طرح جو اُس کی پشت سے لگی کھڑی تھی اُسے بھی ایئرپورٹ کی بھیڑ کی کوئی پروا نہ تھی وہ اپنے انکل جی کو سپاٹ کر لینے کی خوشی میں سرشار تھی ''اور جب میں نے مومن تجسٹ کیا تو باسط نے بہت مزاق اُڑایا' کہنے لگا یہ تو شیخ سعدی کے پھوپھا کا نام ہو سکتا ہے.. نام کے ساتھ داڑھی بھی آ جاتی ہے.. بھلا اتنا سا بچہ اگر مومن ہو جائے تو بے تیغ کیسے لڑے گا.. اچھا نام ہے ناں انکل جی؟''

''جی بیٹے.. زبردست..''

''بس ٹیک آف کرتے ہی بھاں بھاں رونے لگتا ہے اور سب مسافر مجھے بری طرح گھورتے ہیں.. چپ ہی نہیں ہوتا.. تھینک گاڈ آپ بھی اسی فلائٹ پر جا رہے ہیں.. اِسے سنبھال لیں گے ناں؟''

اُسی لمحے دوسرا مسافر کاؤنٹر سے الگ ہوا تو وہ ذرا آگے ہوا اور وہ اُسی کی پشت سے



پھر جان بوجھ کر آ لگی بلکہ ایسے لگی جیسے دھکیل رہی ہو۔

ضرور ضرور.. کیوں نہیں.. تمہارا ٹکٹ کہاں ہے.. ہم دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ جائیں گے''

''تم میرے ساتھ بیٹھو گے..''

خاور نے چونک کر پیچھے دیکھا کیونکہ فرزانہ کی چلبلاہٹ میں وہ اُس کی موجودگی کو کسی حد تک بھول چکا تھا لیکن اُس نے اِس ''تم میرے ساتھ بیٹھو گے..'' کی تقریباً ہسٹریائی آواز میں اُسے یاد دلا دیا تھا کہ وہ ہے.. اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور چہرہ ہائی بلڈ پریشر کے کسی مریض کی مانند بے طرح سرخ ہو رہا تھا.. اور ہونٹ کپکپا رہے تھے..

اُسے بہت شتابی سے سوچنا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا ہے.. گفتگو کی روانی میں ذرا سا وقفہ صورت حال کو مخدوش بنا سکتا تھا.. ''فرزانہ بیٹے.. یہ... میرے ایک دوست کی بیگم صاحبہ ہیں... یہ بھی کراچی جا رہی ہیں اپنا چیک اپ کروانے.. تو... فلائٹ کے دوران یہ بھی نروس ہو جاتی ہیں تو... ہم تینوں ایک ساتھ بیٹھ جائیں گے..''

''ہیلو...'' فرزانہ نے انکل جی کے پیچھے کھڑی عورت کو پہلی بار دیکھا..

عورت رو رہی تھی اور اُس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا..

عورت آکسفورڈ یونیورسٹی کی ڈیبیٹنگ سوسائٹی کی صدر رہی ہو یا اُپلے تھاپنے والی ہو.. کچی عمر کی ہو یا پک کر گلنے سڑنے کے قریب ہو.. ہر عورت کے اندر قدرت کی جانب سے ایک ایسا ریڈار نصب ہوتا ہے جس کی حرکت کرتی سوئی تلے جب ایک اور عورت آتی ہے جو ایک مرد کی قربت میں ہو اور وہ مرد اُس کے لئے محض ایک مرد نہ ہو تو ریڈار سکرین پر خدشے کی بیپ بیپ بار بار روشن ہونے لگتی ہے..

یہ غلافی آنکھوں والی عورت محض انکل جی کے ایک دوست کی بیگم صاحبہ نہ تھیں..

فرزانہ کی ریڈار سکرین پر جو بیپ بیپ بار بار روشن ہو رہی تھی وہ خاور کے ادراک پر بھی دستکیں دیتی تھیں..

''ہیلو مومن..'' اُس نے بظاہر لاپروائی سے بچے کے گال تھپکے ''ذرا گرینڈ ڈیڈ کو ایک سمائل تو دو... بھئی فرزانہ یہ مومن تو بہت ہی مومن ہے.. بالکل نہیں مسکراتا..'' پھر اُس نے کانپتے ہاتھوں سے بچے کے لب چھوئے.. اور اُس لمحے اُس کے اندر کا سارا انظام اتھل

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



چھل ہو رہا تھا اور وہ شدید تناؤ کی کیفیت میں تھا..

فرزانہ اُس کے عزیز ترین اور بچپن کے دوست کی بیٹی تھی.. اُس نے اُسے ایک پرائیویٹ اور مہنگے کلنک کے بے بی کاٹ میں جب پہلی بار دیکھا تھا تو وہ اس مومن سے بھی چھوٹی تھی لیکن لبوں کو ذرا سا بھی چھو دینے سے مسکرانے لگتی تھی.. بیج بونے اور اُس پر کھاد بکھیرنے کا عمل تو وہی تھا جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے لیکن مٹی میں سے جو پہلی کونپل پھوٹی تھی وہ اُس کا چشم دید گواہ تھا.. پھر اُس کے پتے نمودار ہوئے اور اُس کی نظروں کے سامنے وہ پلی بڑھی اور یہ پہلا پھول جو مومن تھا اُس کی ٹہنی پر کھلا.. وہ اکثر چھٹی کے روز اسلام آباد سے اُس کے گھر آ جاتی تھی اور اپنے خاوند کے ہمراہ جو اُس کی چلبلاہٹ سے بہت عاجز آیا ہوا تھا اگرچہ بیوی ہونے کے باوجود اُس سے شدید محبت کرتا تھا.. پورا دن اس کے ہاں بسر کرتی تھی.. اُس کی پسندیدہ ڈشیں گھر سے تیار کر کے ساتھ لاتی تھی اور فریج میں رکھ دیتی تھی اور گھر کی ہر شے کو ایک آڈٹ اکاؤنٹینٹ کی طرح چیک کرتی تھی... انکل جی آپ کا شیونگ فوم ختم ہو چکا ہے.. ٹوتھ پیسٹ کی بچی ہوئی ٹیوب میں سے آپ برش کرنے کے لئے کیسے مزید پیسٹ نکال لیتے ہیں۔ تکیوں کے غلاف تبدیل نہیں ہوئے.. میں کر کے جاؤں گی.. اور پھر انکل جی... آپ یوں بارہ کہو کے اس ویرانے میں تنہا کیسے رہ لیتے ہیں.. شادی کیوں نہیں کر لیتے.. میری نظر میں کانونٹ کی ایک ٹیچر ہیں.. بہت ہی پیاری.. اُن کی بھی شادی نہیں ہو سکی.. تو انکل جی..."

اُس کی نشست کھڑکی کے ساتھ تھی..

خاور درمیان میں تھا..

اور فرزانہ راہداری کی جانب والی نشست پر بیٹھی بظاہر مومن میں مصروف تھی۔

لیکن اُس کے اندر ایک عورت کا حسی نظام مسلسل ٹک ٹک کرتا چل رہا تھا... وہ ایک بچی سے ایک شادی شدہ عورت.. اور ایک بچے کی ماں بن چکی تھی اور وہ دیکھ سکتی تھی کہ یہ عورت جو بورڈنگ کارڈز حاصل کرنے والوں کی قطار میں انکل جی کی پشت سے لگی کھڑی تھی تو کچھ زیادہ ہی لگ کر کھڑی تھی.. اور جب انکل جی کو دیکھتی تھی.. اینڈ مائی گاڈ شی ہیز بیوٹی فل ہیزل آئیز... عجیب بنفشی سی بھری بھری آنکھیں ہیں.. تو ایسے تو ہرگز نہیں دیکھتی تھی جیسے ایک عزیز دوست کی بیوی دیکھتی ہے.. کسی اور طرح دیکھتی تھی..

وہ دم رو کے درمیان کی نشست پر بیٹھا تھا..



ایئر ہوسٹس ٹیک آف سے پیشتر آکسیجن ماسک اور ایمرجنسی کی صورت میں نکلنے کے راستوں کی نشاندہی رٹے رٹائے جملوں سے کرتی ایک چتریلی مسکراہٹ سے اشارے کرتی ہوئی بتا رہی تھی اور وہ دم رو کے اس ناپسندیدہ اور غیر متوقع صورت حال کے سناٹے میں آیا ہوا بیٹھا تھا اور چاہتا تھا کہ ایک آکسیجن ماسک اُس کے سامنے آگرے اور وہ اُس میں سانس لے سکے.. اپنے آپ کو پوشیدہ کر لے..

وہ شیطان اور گہرے نیلے سمندر کے درمیان میں پھنس جانے والی ایک کشتی کی طرح تھا..

شیطان کھڑکی سے ناک لگائے... جب کہ جہاز نے ٹیک آف کے لئے رن وے پر دوڑنا شروع کر دیا تھا.. بظاہر بے دھیانی اور لاپروائی میں ٹریک پر کھڑے اُن غیر ملکی جہازوں کو دیکھتا تھا جو لینڈ کر چکے تھے یا اُن کے بعد اُڑنے کے لئے اپنی باری کے انتظار میں تھے..

اور نیلا سمندر... راہداری کی نشست پر اپنے مومن میں مگن.. بظاہر مگن.. گہرا اور پرسکون تھا.. اگرچہ اندر ہی اندر شک شبہے کے تلاطم میں تھا..

واقعی جہاز کے ٹیک آف کرتے ہی مومن نے صبر کا دامن چھوڑا اور اپنے بالشت بھر وجود سے کہیں توانا اور دلدوز ہوں آں ہوں آں بلند کر کے رونا شروع کر دیا..

فرزانہ نے مسکرا کر کندھے جھٹکے.. کہ میں نہ کہتی تھی.. اور اُسے اُٹھا کر انکل جی کی گود میں ڈال دیا..

خاور نے اُسے بہلانے پرچانے کے تمام آزمودہ طریقے آزمائے.. پیٹھ پر تھپکیاں دیں... اُس کے اُسترا شدہ سر پر پیار سے ہاتھ پھیرے.. بہتیرا پچ پچ کیا... بازوؤں میں جھلایا لیکن مومن کا واشدہ منہ بند نہ ہوا..

اور واقعی اُس کے رونے کی والیوم اتنی بلند اور بے مہابہ تھی کہ جہاز میں سوار تمام مسافر اُس کی مسلسل ہوں آں ہو آں سے متاثر ہونے لگے..

"اِس باسٹرڈ کو واپس کرو..." وہ اُس کے کان کے قریب منہ لا کر ایک ناگن کی طرح سرسراتی آواز میں غصے سے بولی..

"شٹ اپ..." اُس نے آہستہ سے دانت بھینچتے ہوئے کہا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



بہت آہستہ سے اُس نے یہ کہا لیکن فرزانہ کے عورتی نظام نے اس آہستگی کو دوچند کر کے اُس تک پہنچا دیا...

"مومن کو مجھے دے دیں انکل جی..."

"نہیں... اسے مجھے دے دو... آئی لو چلڈرن.." اُس نے فرزانہ کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو پرے کیا اور خاور کی گود میں سے مومن کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور پچکارنے لگی۔ "کم آن بے بی سویٹ... مائی کیوٹ لٹل بے بی.. آئی ول سنگ یو اے لا بائی.. چپ میرے سویٹ..." خاور دہشت زدہ ہو کر اُسے دیکھتا رہا.. اُس سے کچھ بعید نہ تھا.. وہ اس بچے کا گلا بھی گھونٹ سکتی تھی.. مومن کا منہ بند نہیں ہو رہا تھا..

وہ اپنی ناتواں آواز میں زمین سے جدا ہو کر کم آکسیجن والے ماحول سے مفاہمت نہیں کر پا رہا تھا.. اُس کے پھیپھڑے متحمل نہیں ہو رہے تھے اور وہ روتا چلا جا رہا تھا..

تب اُس نے نہایت آہستگی سے اور ملائمت سے صرف ایک لفظ کہا "چپ..." اور وُہ چُپ ہو گیا۔ اُس شیطان کے سینے سے پھوٹتی یا اُس لفظ "چُپ" میں کوئی ایسی دھمکی تھی جو صرف اُس کا کچا وجود سمجھ سکتا تھا.. وہ بالکل چپ ہو گیا۔

"تھینک یو آنٹی.." فرزانہ نے انکل جی کو بائی پاس کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اپنے مومن کو وصول کیا لیکن اُس کے دمکتے ہوئے الہڑ نوخیز چہرے پر پہلی بار ڈر کی ایک دراڑ آئی.. "تھینک یو"۔

وہ دم روکے شیطان اور گہرے نیلے سمندر کے درمیان دم روکے... کمر بالکل سیدھی رکھے چوکنا سا ہو کر بیٹھا رہا کہ اب دیکھئے کدھر سے وار آتا ہے.. اور جہاز اپنی مطلوبہ بلندی حاصل کر کے ایک ہلکی گونج کے ساتھ ساکت ہو چکا ہوتا محسوس ہوتا پرواز میں تھا.. شیطان جیسے اُس کی موجودگی سے بے نیاز کھڑکی کے دبیز بیضوی شیشے سے ناک چپکائے باہر دیکھنے میں مگن تھا.. اور سمندر اپنے بچے کو باہوں کے حصار میں لئے اُس پر جھکا تھا..

خاور نے پہلی بار پورا سانس لیا جس میں اطمینان تو تھا لیکن احتیاط زیادہ تھی... اُسکے ماتھے پر ایئر کنڈیشننگ کا چنداں اثر نہ ہوا تھا اور وہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا.. اُس نے ٹشو کو ماتھے پر رکھ کر پسینے کے جذب ہونے کا انتظار کیا.. لیکن اُس کے سوتے خشک نہ ہوتے تھے کیونکہ باہر



کے اطمینان نے ابھی اُس کے ڈرے ہوئے اندر تک رسائی حاصل نہیں کی تھی... سر کے عین اوپر سروس لائٹ کے بٹن اور ریڈنگ لائٹ کے درمیان میں سے ایک گول بنسری کے منہ ایسے سوراخ میں سے خنک ہوا خارج ہو رہی تھی جو اُس کے بائیں کندھے پر پھونک مارتی بکھر رہی تھی.. اُس نے بایاں بازو اُٹھا کر اُس گول لاٹو کو دائیں بائیں گھما کر ہوا کا رُخ اپنے چہرے کی جانب موڑنے کی کوشش کی.. کبھی وہ بالکل بند ہو جاتا اور کبھی اُس کی ہوا کسی اور جانب نکل جاتی.. اور اُس لمحے اُس نے اپنے اُٹھے ہوئے بازو میں اُس جگہ جہاں سے وہ بال نہیں صاف کرتا تھا اور اُن میں آیا ہوا پسینہ اُس کی قمیض کو بھگوتا تھا وہاں ایک ناک کا لمس محسوس کیا.. اُس کا ہاتھ وہیں جامد رہا اُس ناب پر اور اُس نے گردن کو ہلکا سا بل دے کر بائیں طرف... کھڑکی کی طرف نگاہ کی.. وہ بالکل خالی تھی لیکن وہاں تک جو نظر جاتی تھی اُس کے راستے میں نفاست سے رنگے ہوئے بال کہیں کہیں اُس ہوا کے زور سے جو گول سوراخ میں سے خارج ہو کر اُس کی ہتھیلی پر پھیلتی بازو سے اُترتی نیچے آتی تھی اُس کے زور سے اُڑتے تھے اور اُن میں شیمپو کی تازگی کی مہک تھی اور اُن کے نیچے کہیں وہ ناک تھی جس کا لمس اُس کی بغل میں محسوس ہو رہا تھا اور ایک گرم ہواڑ کے دو بہاؤ اس ناک میں سے پھنکارتے ہوئے بہتے تھے..

اُس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ اُس کی بغل میں اپنا چہرہ چھپائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی. وہ منجمد سا ہو گیا.. "یہ... یہ تم کیا کر رہی ہو؟" جتنی بھی آہستگی سرگوشی اور مدھم پن اُس کی آواز میں آ سکتا تھا... جتنی بھی باگیں وہ کھینچ سکتا تھا اُن کے تقریباً چپ تناؤ میں اس نے کہا..

"اپنا ہاتھ نیچے نہ کرنا..." اُس کے بالوں میں سے ایک بجھی بجھی سسکی نما آواز آئی "پلیز.. تمہیں یہاں پسینہ آیا ہوا ہے.. اور اُس کی بُو... یو سمیل ونڈر فل... پلیز.."

باسکٹ بال کے ایک کھلاڑی کی طرح جو بازو اونچا کر کے گیند کو باسکٹ میں ڈالنے کو جاتا ہے تو اُس کی تصویر اُتر جاتی ہے.. وہ وہیں ساکت ہو جاتا ہے... بازو اُٹھائے اُسی حالت میں... اُس نے گردن موڑ کر اپنے سامنے دیکھا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے.. قطار اندر قطار سینکڑوں سر... اُن میں سے کچھ ابھی حرکت میں تھے اور باتیں کر رہے تھے لیکن بیشتر ہیڈ ریسٹ پر ڈھلکے غنودگی میں تھے... وہ دائیں طرف دیکھنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا.. یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ فرزانہ نے ایک بار بھی اِدھر نہ دیکھا ہو اُس کے دیر تک اُٹھے ہوئے بازو اور اُس

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



میں گھسے ہوئے سر کا نوٹس نہ لیا ہو.. وہ اُس کی جانب نہیں دیکھ سکتا تھا.. سامنے دیکھتا رہا.. اگر وہ اپنا بازو یکدم نیچے کرتا ہے تو اُس کا سر اُس کے سینے کے ساتھ آ لگے گا.. اُس کے نتھنوں کی گرم پھونکیں بغل میں پھیل کر پسلیوں کو سیڑھیاں بناتیں نیچے تک اثر کرتی تھیں اور وہ بے حجاب سا محسوس کرتا تھا..

وہ اپنے موومن میں مست تھی... کن اکھیوں سے بھی اُدھر نہیں تکتی تھی جدھر انکل جی ایک مجسّمے کی طرح بازو اُٹھائے نہ اب اُس ناب کو گھماتے تھے اور نہ اُس پر سے انگلیاں ہٹاتے تھے اور کھڑکی کا بیضوی شیشہ بالکل خالی تھا اور اُس کے پار اُبلتے ہوئے بادل ڈھیرے ڈھیرے پیچھے رہتے جاتے تھے اور اُن کی جگہ کوئی نئی شکل ظاہر ہوتی چلی جاتی تھی.... شوُرلی یہ آنٹی انکل جی کے کسی دوست کی بیوی نہیں ہیں اور شوُرلی وہ بیمار ہیں ورنہ... یوں تو نہیں کرتے جو وہ کر رہی ہیں.. فرزانہ کا چہرہ شرمندگی سے چھنکنے لگا.. جیسے اُس نے انکل جی کے بیڈروم میں جھانک لیا ہو.. لیکن وہ موومن میں مگن رہنے کی اداکاری کرتی رہی..

"پلیز ڈونٹ ڈو دِس..." وہ جتنی نرمی سے کہہ سکتا تھا اُس نے بیٹھی ہوئی آواز میں درخواست کی..

"او کے.. تھینک یو.." وہ پیچھے ہو گئی اور خاور نے فوراً بازو نیچے کر کے اپنی گود میں سمیٹ لیا اور دوسرا ہاتھ اُس پر رکھ دیا..

اُس کی بغل میں ابھی تک گرم ہواؤں کی پھونکیں بکھرتی تھیں اور جہاں اُس کی ناک تھی وہاں اُس کی موجودگی کی مُہر ثبت تھی..

وہ اگر کر سکتا تو واک آؤٹ کر جاتا.. ایمرجنسی ڈور کا ہینڈل گھما کر باہر کود جاتا.. وہ اتنا شرمسار تھا.. فرزانہ تو ابھی تک اپنے موومن میں مگن تھی مگر راہداری کے پار جو نشستیں تھیں اُن میں سے ایک کا مسافر اس کھیل کو اپنی نظر میں لا چکا تھا اور ایک پیپنگ ٹام کی طرح اُن دونوں کو کن اکھیوں سے دیکھتا تھا....

وہ کیا سوچتا ہو گا.. ایک ادھیڑ عمر شخص اپنے سے نسبتاً کم عمر ایک خاتون کے ساتھ یوں کھلے عام اٹکھیلیاں کر رہا ہے.. یہ اپنی عمر نہیں دیکھتا اپنے سفید بالوں کا کچھ قیاس نہیں کرتا... اس کی طبع ابھی تک حرص سے باز نہیں آئی...

اُس نے کبھی بھی اپنے آپ کو اس قدر نادانی کے اشتباہ میں نہیں ڈالا تھا.. کیونکہ اُس



کے مشاغل کبھی بھی ایسے نہیں رہے تھے جن میں اس نوعیت کی صورت حال میں گھر جانے کا امکان ہو.. اُس نے ایک ستھری اور معاشرتی طور پر بے عیب زندگی گزاری تھی.. وہ جنسی مقاصد کے حصول کے لئے ڈھیٹ نہیں ہوا تھا.. اُس کے ایسے جاننے والے بھی تھے جو جوانی کے ایام میں.. اور کچھ اُس کے ڈھلنے کے بعد بھی... کوئی دیوار پھاند کر کسی ترغیب تک پہنچنے کی کوشش میں پکڑے گئے اور خوار ہوئے... سینما ہال کے کسی بوکس میں مشغولیت کے عالم میں دھرے گئے... کسی گھر کے اندر گئے تو بیوی کی بجائے اُس کے خاوند کو منتظر پایا... اور وہ ان رومانوی مہم جوئی کے قصوں کو بغیر کسی شرم کے فخر سے بیان کرتے تھے لیکن اُس کا دل اس خیال سے ہی ڈوب جاتا تھا اُسے اپنے بدن کی لرزش پر اختیار نہیں رہتا تھا جب وہ یہ سوچتا تھا کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو کیا ہوتا..

اُس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ نادانی کا یہ اشتباہ.. عمر کے اس حصے میں ایک پرواز کے دوران.. اُسکے بہترین دوست کی بیٹی کے سامنے یوں مشتہر ہو گا..

اُس کا خیال تھا کہ یہ انتہا تھی..

"ٹیک آف یوَر شوز..." وہ پھر اُس کے کان کے قریب ہوئی..

"کیا.." اُس نے چونک کر کہا..

راہداری کے پار وہ پیپنگ ٹام اُن پر نظر رکھے ہوئے تھا اگرچہ فرزانہ انکل جی کے ان ایکسپلائٹس پر حیران تھی.. وہ اس ٹائپ کے تو نہ تھے.. اور میں ہمیشہ بہت اصرار کرتی تھی کہ انکل جی آپ دوبارہ شادی کیوں نہیں کر لیتے.. اس لئے وہ تھوڑی سی مطمئن اور خوش بھی تھی کہ بالآخر اُن کا رجحان ہو گیا ہے.. آنٹی دیکھنے میں بری نہیں ہیں اگر یہ غیر شادی شدہ ہیں تو..

"تم اپنے شوز اُتار دو ناں.." اور اس فقرے کی ادائیگی میں نہ وہ فاتراُلعقل تھی اور نہ ہی اُس پر حکم چلاتی تھی بلکہ ایک باندی کی طرح لجاجت سے اور مؤدب ہو کر درخواست کرتی تھی کہ..

"لیکن کیوں؟"

"پلیز..."

بحث کرنے کی گنجائش نہیں تھی.. بحث کے لئے بولنا پڑتا ہے اور وہ نہیں بولنا چاہتا تھا.. چپ رہنا چاہتا تھا.. یہ ایک ایسی ضد تھی جس کا جواز سمجھ میں نہ آتا تھا.. لیکن اس

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



میں حرج بھی نہ تھا.. خاور نے دائیں پاؤں سے بائیں پاؤں کے مکیشن کو نیچے دیکھے بغیر ایڑھی سے پیچھے کر کے اُتار دیا..

اُس کا ننگا پاؤں آگے آیا اور اُس کی جراب کو ٹٹولتا اُسے اپنے انگوٹھے اور بڑھے ہوئے ناخنوں والی اُنگلیوں سے کھرچتا اُس کے تلوے تک چلا گیا..

خاور دم بخود سامنے دیکھتا رہا..

اُس کے ننگے تلوے اُس کے پاؤں کے اُبھار کو آہستہ آہستہ چھوتے رہے..

"جراب بھی اُتار دو... پلیز.." ایک پھنکار ایسی سرگوشی میں اُس نے ایک اور درخواست کی.. اور اس میں بھی ایک باندی کی عاجزی اور منت تھی..

"نہیں..."

"پلیز.."

"نہیں..."

"اگر تم جراب نہیں اُتارو گے تو آئی پرامس یو.. کہ میں شور مچا دوں گی.. کہ یہ شخص مجھ سے فری ہونے کی کوشش کر رہا ہے.." وہ ایک باندی سے ایک مالک میں بدل گئی

"تو پھر تم کیا کرو گے.."

اُس سے کچھ بھی بعید نہ تھا.. وہ یہ بھی کر سکتی تھی..

اُس کی طبیعت کا یہ پہلو پہلی بار سامنے آ رہا تھا.. زیرو پوائنٹ کی بلندی پر وہ ہمیشہ اُس کا کہا مانتی تھی..

وہ اُس کوٹھڑی میں تھا جس میں اُس نے اُسے قید کر رکھا تھا... اُسے کچھ پرواہ نہ تھی کہ اس کوٹھڑی میں کچھ مسافر بھی ہیں.. اُس کے قریبی دوست کی بیٹی بھی ہے اور وہ کچھ لوگوں کی نظروں میں بھی ہیں..

"جراب اتار دو... پلیز.." اُس کی آواز میں ایک مستی تھی جس کے آگے انکار کا بند نہیں باندھا جا سکتا تھا..

خاور نے جھک کر.. انگوٹھے سے اڑس کر جراب نیچے کی اور اُتار دی.. جیسے ایک طوائف گاہک کے حکم پر کپڑے اُتارتی ہے..

اُس کا پاؤں... ایک ملاپ کی گرمی میں آئے ہوئے مست سانپ کی مانند رینگتا



ہوا اُس کے ننگے پاؤں پر آیا اور اُس کے لبوں سے آسودگی کی ایک سسکی... بھینچے ہوئے لبوں سے.. نکلی.. اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور اُس کی غلافی آنکھیں بند ہونے لگیں

"تھینک یو"

بلی کے سامنے آئے ہوئے ایک ششدر کبوتر کی طرح... حواس باختہ' منجمد اور ساکت.. سناٹے میں آیا ہوا شرمندگی اور بے بسی میں آیا ہوا وہ سامنے دیکھتا رہا..

"تھینک یو.." اُس نے پھر کہا "تم اپنی جراب پہن سکتے ہو"

اُس میں شدید غصے کا مادہ بہت کم تھا.. صرف چند بوندیں تھیں.. جو برسوں بعد برستی تھیں اور وہ بھی اکا دکا.. لیکن لینڈ کرنے کے بعد.. جہاز سے اُترتے ہوئے' لاؤنج کی جانب ٹرمیک پر چلتے ہوئے جب فرزانہ بہت پیچھے رہ گئی تھی اور وہ اُس کے برابر میں اُس کے بدن کو مس کرتی دھکیلتی چلی آ رہی تھی یہ چند بوندیں سیلاب ہو گئیں "تم ایک شرمناک عورت ہو.. میں آج کے بعد کبھی بھی تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا.."

"آئی ایم سوری..." وہ چلتے ہوئے اُس کے ساتھ لپٹتی گئی..

"کبھی نہیں.. یہ میرا وعدہ ہے.."

"مجھے معاف کر دو.." اُس کے بدن کی 'اُنگلیوں کی لرزش اُس کے قابو میں نہ آتی تھی اور وہ روتی چلی جاتی تھی.." پلیز پلیز.. ڈونٹ ڈو دس ٹو می.. میں ابھی تمہارے پاؤں پڑ جاتی ہوں.."

اور وہ جھکی لیکن وہ آگے نکل گیا..

"مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں.." وہ بھاگتی ہوئی اُس کے برابر میں آ گئی" آئی سویئر... مجھے پتہ نہیں تھا.. آئی ایم میڈ.. تمہیں پتہ ہے میں پاگل ہوں.. پلیز.."

"کبھی نہیں..."

ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی نہ اُس نے فرزانہ کی جانب دیکھا اور نہ اُسے دیکھا اور کھولتا ہوا پارکنگ لاٹ میں منتظر ایڈ ورنائزنگ کمپنی کی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا..

بارہ کہو کے گھر میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے بجتے گھگھیا جاتی.. وہ چونکا اُٹھاتا اور اُس کی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



پہلی سسکی سن کر واپس رکھ دیتا..

کبھی اُدھر سے بالکل خاموش ہوتی تو وہ بار بار ہیلو کہہ کر پوچھتا "کون؟"

"پاگل خانہ.." اُدھر سے جواب آتا اور وہ فوراً فون بند کر دیتا..

اُس کے موتگیا رنگ کے گیٹ کے پہلو میں ستون پر نصب پلاسٹک کی بیل بھی اُس کے ہاتھ سے دبتی رہتی.. اور ہدایت کے مطابق بشیر گیلے رخساروں اور بڑی بڑی آنکھوں والی روتی ہوئی بیگم صاحبہ سے کہہ دیتا کہ صاحب تو گھر پر موجود نہیں.. حالانکہ اُس کی کار پورچ میں کھڑی نظر آ جاتی تھی..

یہ سلسلہ بہت دنوں تک.. کئی مہینوں تک جاری رہا.. اور پھر یکلخت بند ہو گیا..

کچھ عرصہ مکمل خاموشی رہی اور پھر وہ کبھی کبھار فون کر کے صرف یہ کہتی "پلیز فارگوی" اور پھر بند کر دیتی۔



کونج دشت ویران تھا..

سرسوتی کی مانند خشک ہو چکا تھا..

لیکن سرسوتی کی پاروشنی اب پکھّی کے رُوپ ڈھنگ میں سندھ کے کناروں پر آ کر بس چکی تھی اور اپنا جھگا نیچے نہیں کرتی تھی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ابھی تک سالم ہے' ہزاروں برس گزرنے کے باوجود اُس کی ایک چھاتی دلورائے کے کھنڈروں میں سے ظاہر ہونے والی مورتی کی مانند اکھڑی نہیں ابھی تک قائم ہے اور شائد اُسی بچے کو دودھ پلاتی ہے جو سرسوتی کی خشک ریت پر پیاس سے سکڑتے بدنوں کے ملاپ کا ثمر ہے..

وہ سومرو کے بیج سے پھوٹنے والے بہاؤ کا تسلسل ہے..

سرسوتی خشک ہو چکا تھا..

اور سندھ نے بھی خشک ہو جانا تھا..

کونج دشت اگرچہ ویران تھا لیکن اُس کے نام کی لاج رکھنے کو وہاں ایک غلافی آنکھوں والی کونج ابھی تک کرلاتی تھی..

کوہ سلمان کے سیاہی میں ڈوبتے سلسلوں کے سائے میں کونج دشت کے وسیع و عریض سناٹے میں صرف ایک کُونج تھی جو کرلاتی تھی... اپنے دیس کا کچھ پتہ نہیں دیتی تھی کہ کہاں سے آئی ہے.. اُس کا آبائی گھونسلا کس جھیل کے سرکنڈوں میں ہے اور وہ اُس میں اپنے بچے چھوڑ کر اس دشت تنہائی میں کیوں اتر آئی ہے.. صرف اُس کی 'خاور کی متلاشی کیوں ہے.. ایک ایسے پرندے کے لئے گھر بار چھوڑ کر کیوں آ گئی ہے جس کے پر جھڑنے کو ہیں' رنگ مدھم ہو رہے ہیں' چونچ ڈھیلی ہو رہی ہے' آنکھیں مدھم پڑتی ہیں' اگرچہ وہ اپنے غیر قانونی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



گھونسلے میں اکیلا ہے لیکن اُس کو رفاقت کی خواہش نہیں.. محبت سے آشنا نہیں.. اُس کے لئے وہ اپنا گھونسلا چھوڑ کر کیوں آگئی ہے.. اُس کی غلافی آنکھیں کیوں آنسوؤں سے بھری رہتی ہیں. کیوں اتار دتی ہے کہ وہ جہاں بھی تھوڑی دیر ٹھہرتی ہے وہاں اُس کے آس پاس پانیوں کے گرنے سے دشت میں گھاس پھوٹنے لگتی ہے.. ایسا کراس ورڈ پزل کیوں ہے جس کے کسی خانے میں کوئی سراغ نہیں جو اُس کی بھید بھری مسافت کا کوئی اتہ پتہ دے کہ وہ کن راستوں سے ہوتی ہوئی اور کیسے کیسے موسموں میں پرواز کرتی بالآخر اس دشت میں پہنچی... راستے میں اُس نے پانیوں کے کن ذخیروں کے کناروں پر اپنے پر سمیٹ کر قیام کیا.. کیسے کیسے ویرانوں میں راتیں بسر کیں یا وہ مسلسل اُڑان میں رہی.. اُس کا کچھ اتہ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں سے آئی تھی اور اُس کا نام کیا تھا.. اور اب پھر سناٹے میں چلی گئی ہے..

وہ اُسے.. اُس بے نام مسافت کو مِس کرتا تھا..

وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا وہ ابھی تک اُس کوٹھڑی میں ہے یا اُس سے باہر آچکا ہے جس میں وہ اسے مقفل کر کے چلی جاتی تھی اور پھر حسب آرزو آتی تھی' یہ قفل کھولتی تھی اور اُسے دیکھ لیتی تھی.. وہ اس کوٹھڑی کو بارہ کھوکی پہاڑیوں کے اوپر اپنے زیرو پوائنٹ پر لے جاتی تھی..

وہ اُس کی غیر حاضری کو محسوس کرتا تھا..

اس جیسے کے باوجود کہ اُس نے جواب میں کچھ نہیں کہنا اُس کے اندر ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی خواہش موجود تھی..

اُس کی کوٹھڑی کی قید اُسے الجھن میں اور ناگواری میں مبتلا تو رکھتی تھی لیکن زندگی میں پہلی بار اُس نے اپنے آس پاس ایک ایسی نامعلوم سی حدت محسوس کی جس کے وجود سے وہ سراسر ناآشنا تھا.. برف کا تودہ ایک گلیشیر اپنی منجمد ذات کو کائنات کے جماؤ کا ایک حصہ ایک حتمی اور آخری سچ سمجھتا ہے اور اُس انجماد میں مطمئن ہوتا ہے.. اور اس کو اپنے وجود کا جواز سمجھتا ہے اور تب تک سمجھتا رہتا ہے جب تک کہ اُس کے یخ بستہ بدن پر سورج کی کوئی ایک ایسی شعاع جو روزمرہ کی بے حدت کرنوں سے الگ اپنے اندر ایک جدا تپش رکھتی ہے اس پر پڑتی ہے اور یہ خبر کرتی ہے کہ کائنات صرف انجماد کا نام ہی نہیں اُسے پگھلانے کے بھی کچھ سلسلے ہیں.. اور وہی تپش سے سلگتی شعاع اُس گلیشیر کے سدا سے یخ بستہ وجود پر اثر کرتی ہے.. پگھلا کر پہلی بوند کو جنم دیتی ہے اور تب اُس کی منجمد ابدی تنہائی اُس ایک بوند کے



گرنے سے ٹوٹتی ہے اور اُسے عرفان ہوتا ہے کہ جماؤ تا ابد نہیں ہوتا.. میں جو ہوں وہ لکھا نہیں گیا کہ ہمیشہ کے لئے ہوں.. میں تبدیل بھی ہو سکتا ہوں..

غلافی آنکھیں ایک ایسی ہی شعاع تھی.. ایک ایسی ہی کرن تھی..

وہ اُس کونج کی کُرلاہٹ اور غلافی آنکھوں کے سنہری پن کو دھونے والے پانیوں کے باوجود بے اثر رہا تھا.. اُس کے لئے کچھ بھی محسوس نہیں کرتا تھا لیکن شعاع کو.. ایک کرن کو یہ پرواہ نہیں ہوتی.. حساب کتاب کر کے کسی طے شدہ منصوبے کے مطابق متوقع نتیجے کے لالچ میں وہ نہیں اُترتی کہ گلیشیر کے احساسات کیا ہوں گے کیونکہ وہ صرف اپنی حدت کے ہاتھوں بے بس ہو کر اُس پر پڑتی ہے اور اُسے صرف اتنا پگھلا سکتی ہے کہ ایک بوند ٹپکے' اُس کا جمود ٹوٹے اور اُس کی پچھلی تمام حیات کو منفی کر کے اُسے ایک مختلف رُوپ عطا کر دے..

اُس پاگل خانے نے اُسے اپنی من پسند مرضی کی قید میں مقفل تو کر رکھا تھا لیکن اُس کوٹھڑی کے اندر خاور کی منجمد حیات میں پہلی بار ایک کرن داخل ہوئی تھی جس کی ان چاہی حدت نے اُسے پگھلا دیا تھا.. ایک بوند کے جنم لینے سے ایک گلیشیر وہ نہیں رہتا جو کہ ابد سے وہ تھا.. اور وہ بھی وہ نہ رہا.. جو کہ وہ تھا..

اور اس تبدیلی نے اسے آزردہ اور ناآسودہ کر دیا تھا.. یہ نہیں کہ وہ ابد تک منجمد رہنا چاہتا تھا.. انجماد کا تسلسل اُس کا ذاتی چناؤ تو نہ تھا.. وہ تو آگاہ ہی نہیں تھا کہ حیاتی کے طور طریقے اس سے الگ بھی ممکن ہیں.. آزردگی اور ناآسودگی کا سبب اور تھا.. ایک تاؤ تھا ایک طیش تھا جو اُسے نڈھال کرتا تھا کہ میں جو اس حدت سے ناواقف اور بے خبر تھا اور اپنی لاعلمی میں مطمئن تھا تو اس کرن نے میری برفوں میں سے.. اب جا کر... اتنی مدتوں بعد.. ایک بوند پگھلا کر میری شناخت کے رنگوں کو کیوں بدل دیا ہے.. اب جا کر... عمر کے اِس حصے میں.. قربت مرگ میں.. یہ پہلے کیوں نہیں اُتری.. اب جا کر اُتری ہے جب میں منزل پر پہنچنے کو ہوں.. سفر کے آغاز پر جب یہ مجھے گرما سکتی تھی.. میرے تن بدن کو حرارت دے سکتی تھی' مسافت میں معاون ثابت ہو سکتی تھی تب تو یہ نہیں اُتری.. اور اب جا کر.. جب پیچھا بہت دور رہ گیا تھا اور آگا نزدیک آ رہا تھا تو یہ اُتری ہے تو اس کی حدّت کا.. پہلی بوند کا کیا فائدہ... میں نے جہاں جانا تھا وہاں پہنچنے کو ہوں تو یہ اب کیوں اُتری ہے..

یہی طیش تھا اور یہی غصہ تھا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



پھر بھی وہ اُس کی غیر حاضری اور فون کے سناٹے کو محسوس کرتا تھا۔

ایک سیاہ فام کیپٹن اہاب کی مانند ماماں جعفر اپنی ٹانگ پر ہتھیلی جمائے سندھ کے پانیوں کو اپنی مہین اور کالی بھور آنکھوں سے چھانتا تھا اور اُس سفید وہیل موبی ڈک کی تلاش میں تھا جو اُس کی دوسری ٹانگ چبا کر روپوش ہو گئی تھی..

پکھی نے اپنا جھگا نیچے کر لیا تھا...

کونج دشت میں کرلاتی ہوئی اکیلی کونج کوچ کر چکی تھی.. ریت پر اس کے پنجوں کے نشان بھی باقی نہ تھے جن سے اس کا کچھ سراغ مل سکتا.. کوئی نام' کوئی فون نمبر' اتہ پتہ نہ تھا.. وہ جیسے نمودار ہوئی تھی بغیر اطلاع کے ویسے ہی روپوش ہو گئی تھی..

اوڈیسیس کی کشتی آرگوس کی طرح سرور اور ماماں جعفر کی یہ کشتی نہ کسی سنہری کھال کی تلاش میں سرگرداں تھی اور نہ اس کے سفر کے دوران پانیوں میں سے' وہ نادیدہ اور سحر خیز جزیرے اُبھرتے تھے جہاں سے سائرنز کے گیت لہروں پر سفر کرتے کشتی کو کھینچنے والے ملاحوں کے کانوں میں اُتر کر اُنہیں بے خود اور بے اختیار کرتے تھے اور وہ کشتی کو چھوڑ کر سمندروں میں تیرتے حسن کے اس فریب سے ہم آغوشی کی چاہت میں اپنی مرگ کو گلے لگاتے تھے..

اسی لئے ملاحوں کے کانوں میں روئی ٹھونس دی گئی تھی کہ وہ اُن کے گیت نہ سن پائیں..

اوڈیسیس نے بھی اپنے آپ کو ایک مستول سے باندھ لیا تھا.. کانوں میں روئی نہیں ٹھونسی تھی کیونکہ وہ سحر طراز سائرنز کے گیت سننا چاہتا تھا..

اور جب اُس نے سائرنز کے گیت سنے تو وہ بھی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ مرگ بلاوے ہیں ایک وحشی جانور کی طرح رسے تڑانے لگا.. ملاحوں کی منت سماجت کرنے لگا کہ مجھے کھول دو..

ملاحوں کے کانوں میں روئی بھری ہوئی تھی اور اوڈیسیس نے اُنہیں سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ مستول کے ساتھ جکڑنے کے بعد وہ چاہے کتنی ہی آہ و زاری کیوں نہ کرے.. دیوتاؤں کی کتنی ہی قسمیں کیوں نہ کھائے اُسے نہیں کھولنا.. اُس کے ساتھی اُسے سن نہیں سکتے تھے.. صرف چہرے سے اندازہ لگا سکتے تھے کہ وہ آزاد ہونا چاہتا ہے لیکن اُس کے حکم کے مطابق اُنہوں نے اُسے بندھا رہنے دیا.. اور وہ سحر طراز جزیروں کی گرفت سے بچ نکلے..

خاور بھی ایک ایسے ہی مستول سے بندھا ہوا تھا..



کشتی کشش کے جزیروں کی قربت میں سے گزرتی تھی..

یہ وہ کشش نہ تھی جو ایک نیلے سویٹر کی غیر موجودگی کے باعث وجود میں آتی ہے..

ایک بہانہ بنتی ہے..

ایک طعنہ بنتی ہے کہ تم مرزا صاحب جیسے نہیں ہو..

یہ کچھ اور تھا..

پکھی ایک سائرن کا روپ دھار رہی تھی..

اُسے دیکھ کر وہ بھی ایک سومرو میں بدلتا تھا جو ہزاروں برس پیشتر سرسوتی کی شادابی کے زمانوں میں مہریں اور منکے بناتا تھا.. جس نے ایک شام پہلی بار یہ دیکھا تھا کہ سرسوتی کے پانی ایک کچھوے کی پشت کو نہیں ڈھانپ رہے وہ کناروں سے سمٹتے جاتے ہیں اور کم ہو رہے ہیں اور یہ بستی ویران ہونے کو ہے.. ایک مشاہد علی سے دوچار تھا.. جو راوی کے پانیوں کے اُترنے اور کامران کی بارہ دری کی اُن اینٹوں کے ننگے ہونے کا گواہ تھا جو پہلے زیرِ آب آتی تھیں..

وہ اُنہی کا ایک تسلسل تھا لیکن اس تسلسل سے آگاہ نہیں تھا..

جیسا کہ پکھی بھی آگاہ نہیں تھی کہ وہ پاروشنی کی ایک مورت ہے..

اسی لئے پکھی کی کشش اس میں گئے زمانوں سے بہتی ہوئی اس کے وجود سے آ گئی تھی..

غلافی آنکھیں اس موجود لمحے میں جو حیات تھی اس کی کرن تھیں.. ایک عارضی بندوبست تھیں.. وہ صدیوں کے بہاؤ میں کاغذ کی ایک کشتی تھیں.. جب کہ پکھی سدا سے بہاؤ میں تھی اور بہتی ہوئی اُس کے وجود کے کنارے سے آ گئی تھی..

اور یہ پاروشنی... جو کہ اپنے پاروشنی ہونے سے آگاہ نہیں تھی.. اُس کا رکھوالا.. اُس کا در چن.. جو لمحۂ موجود میں سرور تھا.. رواں کشتی کے پچھلے حصے میں دھوپ کی گرمائش میں بے سُدھ سوتا تھا' ایک سیاہ اکڑی ہوئی لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا.... اور جب ماماں جعفر نے پلٹ کر ایک "ہوئے سرور ہوئے" کی پکار کی تو وہ نہ کسمسایا اور نہ اُس نے ذرا کروٹیں بدل کر کسل مندی سے آنکھیں ملیں بلکہ فوراً یوں ہوشیار ہو کر اُٹھ بیٹھا جیسے کبھی سوتا ہی نہ تھا "ہوئے ماماں.. "اُس نے جواب میں کہا

"دھی چو... پیچھے سے لگ رہی ہے.. رسّہ پکڑو"

سرور فوراً باعمل ہو گیا.. کشتی کی ناک میں جکڑے ہوئے رسّے کو کھولا.. اور اُس کا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سرا پکڑ کر پانی میں کود گیا.. دوسرے کو کندھے پر رکھے کنارے پر پہنچا اور پھر جھک کر زور لگاتا ہوا کشتی کو کھینچنے لگا..

رسہ تنا ہوا.. کشتی کی ناک سے بندھا ہوا.. اور اُس کے آخری سرے پر کنارے کی ریت میں سے اپنے چپو پاؤں آسانی سے نکالتا ہوا جھکا زور لگاتا سرور..

ماماں جعفر نے کچھ دیر تحمل سے کام لیا..

لیکن کشتی اب بھی تہہ سے لگتی اٹکتی تھی..

"یہ دھی چو... پہلے تو کبھی ان پانیوں میں آ کر نیچے سے نہیں لگتی تھی.. آج اس دھی چو کو کیا ہو گیا ہے.. "وہ بڑبڑاتا رہا.. "اس رُت میں پانی بہت ہوتا ہے.. آج کیا ہو گیا ہے.."

وہ خاور کی موجودگی سے قطعی طور پر لاتعلق ہو چکا تھا اور اب اُس کی پوری حیاتی کا واحد مسئلہ اس اٹکی ہوئی کشتی کو ریتلی تہہ میں سے نکالنا تھا..

اور یہ سرور کے زور لگاتے سیاہ بدن میں سے اُبھرتی... پھٹنے کو آتی رگوں اور اُس کے دوہرے ہوتے جاتے جانور بدن کے بس میں نہ تھا..

ماماں جعفر بھی پانی میں کود گیا اور کنارے پر پہنچ کر سرور کی پشت سے لگ کر رسے کو کھینچنے لگا..

پکھی بھی اُس کی موجودگی سے لاتعلق ہو چکی تھی... اُس کا رشتہ صرف اس کشتی کے ساتھ تھا جو اُس کا گھر تھی.. اگرچہ چند روز کے لئے وہ خاور کی عارضی ملکیت میں تھی... عارضی ملکیت کے ساتھ اُس کا رشتہ بھی عارضی تھا اور وہ صرف اُن دونوں کے لئے فکر مند تھی جو سندھ کے کناروں پر زور لگاتے جھکے ہوئے بدنوں کے ساتھ اُس کے گھر کو ریتلی تہہ کی دلدل میں سے نکالنے کی سعی کرتے تھے..

کشتی اُن کے مشترکہ زور سے آہستہ آہستہ کھسکنے لگی..

رواں ہونے لگی..

کنارا بلند ہونے لگا اور سرور اور ماماں کشتی کی ناک سے بندھے موٹے رسے کو کندھوں پر جمائے جھکے ہوئے اُس کنارے کے ساتھ بلند ہونے لگے.. یوں جیسے وہ ایک بے جان اژدھے کو کندھوں پر رکھے اُس کے بوجھ تلے جھکے زور لگاتے چلتے جا رہے ہوں...

کشتی اتنی آہستگی سے حرکت کرتی تھی کہ ساکن لگتی تھی لیکن نظر کنارے پر جاتی



تھی تو وہ سرکتا دکھائی دیتا تھا..

یہ کڑی مسافت دیر تک جاری رہی.. اگرچہ زور اُن دونوں کا لگ رہا تھا جو کشتی کو کھینچ رہے تھے لیکن اُن کی کشاکش کا تناؤ خاور کے بدن پر بھی اثر کرتا تھا.. وہ بھی کھچاؤ کی زد میں تھا.. کچھ دیر بعد کنارے کی ویرانی ختم ہو گئی اور یکدم بلند سطح سے ہرے بھرے کھیت اور شجر جھانکنے لگے.. وہ دونوں ان کھیتوں کو روندتے ہوئے چل رہے تھے.. کنوئیں اور ٹیوب ویل تھے.. اور کہیں کہیں گھر تھے جن کے صحنوں میں سے سرور اور ماماں گزرتے تھے اور بچے بلند کناروں سے جھانک جھانک کر نیچے پایاب پانیوں میں کبھی اٹکتی اور کبھی گھسٹتی اور پھر رواں ہوتی کشتی کو تکتے تھے..

اُس کے سرپر سے گزرتی یہ بستی سندھ کے کناروں پر آباد ایک معمول کا گاؤں نہ تھا.. یہ آبادی دریا کے بہاؤ سے کٹ رہی تھی.. دریا برد ہو رہی تھی.. جو کچھ تھا مسمار اور بے اختیار ہو کر سندھ کے اندر گرنے کو تھا.. کچھ حصہ گر چکا تھا اور بقیہ میں دراڑیں آ چکی تھیں.. کنارے فصیلوں کی مانند اونچے تھے لیکن اُن میں شگاف پڑ چکے تھے... وہ خاموشی سے بھرتے... ابھی اپنی جگہ پر قائم نظر آتے اور اُس کی آنکھوں کے سامنے یکدم ایک بڑا حصہ اپنے ہی قدموں پر ڈھے کر دھڑام سے پانیوں میں گر جاتا.. اگر ریت اور مٹی کا یہ منہدم شدہ حصہ رقبہ میں بڑا ہوتا تو سندھ کے پانیوں میں فوری طور پر گم نہ ہوتا اور ایک مختصر سے جزیرے کی صورت میں کچھ دیر کے لئے اُبھرا رہتا اور پھر دریا کا زور اُسے برابر کر کے اپنے اندر سمو لیتا.. کئی گھروں کے صحن غائب تھے 'شاید ایک ماہ پیشتر یا آج ہی وہ پانیوں میں گرے تھے اور اُن کے پیچھے جو کچے گھر تھے اب آگے آ چکے تھے اور کناروں پر معلق تھے' جھانکتے تھے 'اپنی باری کے منتظر تھے کہ پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے.. وہ جانتے تھے بلکہ اُن کے مکین آگاہ تھے کہ اگلے چند روز میں یا چند ہفتوں میں یہ بھی سندھ کے اجل پانیوں میں گر جائیں گے اور اس کے باوجود وہ انہیں چھوڑتے نہ تھے.. اس بستی کے ٹائی ٹینک کے پیندے میں سوراخ ہو چکا تھا اور پانیوں کا سیلاب اُس کے وجود کو ڈبونے کے لئے اندر آ رہا تھا لیکن مسافر اسے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے.. اپنی صدیوں کی بود و باش' کھیت' قبرستان اور شجر چھوڑے نہیں جاتے بے شک ان کا ثمر ایک اپنا ملک ہو.. یا کناروں سے دور ایک نیا گھر ہو.. انسان آخری لمحے تک اپنے آپ کو یقین دلاتا ہے کہ موت دوسروں کو ہی آتی ہے مجھے شاید نہ آئے.. بستی دریا برد ہوتی جا رہی ہے شاید صرف میرا گھر بچ جائے..

کہیں سرسوں کے کھیت آہستہ آہستہ بھرتے تھے پانی میں گرتے تھے.. اُن کی زرد

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ہریاول کے کئی بوٹے اُس کے دیکھتے دیکھتے ایک ایک کر کے مٹی کی گرفت میں سے اپنی جڑیں جھاڑتے بے جان سے ہو کر بلند کناروں سے نیچے گرتے جیسے فصیل کا دفاع کرنے والے سپاہی سینے میں تیر کھا کر نیچے آتے ہیں.. سندھ کے پانیوں پر آگرتے' کچھ دیر غرقاب رہ کر اُبھرتے اور پھر سطح آب پر تیرتے زردی کے ایک مختصر جزیرے کی طرح تیرتے مرکزی بہاؤ کی جانب بہہ جاتے۔

ایک ٹیوب ویل کا وہ پائپ جو اُسے نصب کرتے وقت کئی سوفٹ زمین کے اندر تک لے جایا گیا تھا اب مٹی کے سندھ میں گر جانے سے ننگا ہو رہا تھا اور اُس کی پوری لمبائی نظر آ رہی تھی..

شیشم کا ایک تناور درخت کنارے پر دم روکے کھڑا تھا اور ہلکی ہوا کے باوجود اُس کے پتے سہمے ہوئے تھے تالیاں نہیں بجاتے تھے' دریا کی جانب مٹی بُھر جانے سے اُس کی پر پیچ اور روپوش جڑیں اب برہنہ ہو رہی تھیں اور وہ وقت دور نہ تھا جب اُنہوں نے اُسے سہارنے سے لاچار ہو جانا تھا اور اُسے بھی منہ کے بل سندھ میں آ گرنا تھا..

کیکر کے پستہ قد درخت جنہیں کگروٹ کہتے تھے اور دھریک کے درخت.. جھانکتے تھے اپنی باری کا انتظار کرتے تھے.. اُن کے پتے بھی مرجھا رہے تھے اور ٹہنیاں مردہ لگتی تھیں.. ان کی جڑوں کو بھی ہوا لگ چکی تھی..

یہ سب کچھ قربت مرگ میں تھا.. فنا کا منتظر تھا۔

کنارے کی گرتی فصیل میں ننگی ہو چکی جڑوں کا جال پھیلتا تھا..

اپنے کاندھوں پر رسّے کا مردہ اژدھا اُٹھائے جعفر اور سرور کنارے کے اوپر اپنے راستے میں آنے والے کھیتوں' گھروں اور صحنوں میں سے زور لگاتے گزرتے تھے اور رسّے کا تناؤ کشتی میں اُتر کر خاور کے بدن کو کھنچے جانے کی رمز سے آشنا کرتا تھا... اور کشتی کو اس معدوم ہو جانے والی بستی کی مرگ کیفیت میں سے باہر لے جانے کی سعی کرتا تھا..

جتنا عرصہ وہ اس دریا بُرد ہوتے کناروں کے دامن میں رینگتے رہے اتنا عرصہ خاموشی رہی.. صرف پانی میں کشتی کی حرکت کی ہلکی ہلکی چھلک سنائی دیتی تھی.. تبھی تو چپ تھی..

بالآخر کنارے کی بلندی نیچے ہوئی اور روشنی بڑھ گئی.. وہ مسمار ہوتے کھیتوں' ننگی جڑوں والے اشجار اور دریا بُرد ہو چکے صحنوں کے کناروں پر جھانکتے کچے کوٹھوں کی زد سے باہر آئے اور کھلے پانیوں میں آ گئے..



کشتی آپو آپ اپنی روانی میں آ گئی اور سرور اور ماماں جعفر رسّہ لپیٹتے ہوئے کشتی میں آئے اور ہانپتے تھکاوٹ سے چور ہونے کے باوجود فوراً بانس اُٹھا لئے جیسے اُن کو ڈر ہو کہ کشتی پھر سے اُس دریا برد ہوتی بستی کی گرفت میں چلی جائے گی..

دائیں جانب کشتی کے فٹ پاتھ پر سرور کے پاؤں انتہائی پھرتی سے بھاگنے لگے اور بائیں طرف ماماں جعفر کے قدم اُٹھتے تھے اور بانس سندھ کے سینے میں اُترتے جاتے تھے..

یہ عجیب سندھ سائیں تھا جو بستیوں کو اُجاڑتا تھا..

کیسا مرشد تھا جو اپنے مریدوں کو برباد کرتا تھا..

فنا میں گرنے کے منتظر کھیتوں اور اشجار کی ننگی جڑوں کے منظر نے جیسے اُس کے اندر بھی اپنی جڑیں پھیلا دیں... عمر کے ساٹھویں برس میں اُس کے وجود کے شجر کی جڑیں بھی ننگی ہو رہی تھیں' بدن کی مٹی ہڈیوں کا ساتھ چھوڑ رہی تھی.... اجل کے دریا کے کناروں پر وہ کتنی دیر اپنے آپ کو سہار سکتا تھا..

اگرچہ وہ کھلے پانیوں میں آ چکے تھے لیکن وہ منتظر شجر اور گھر اُن کے ساتھ چلے آتے تھے.. سرسوں کے چند بوٹے ابھی تک کشتی کی نوک کے آگے بہاؤ کے زور میں گرفتار بے بسی سے بہتے اُن کا ساتھ دے رہے تھے۔

جب کشتی گہرے پانیوں کے پورے زور میں آ کر آزادی سے بہنے لگی... ریتلی تہہ سے بہت اوپر بلند پانیوں پر رواں ہو گئی اور اُسے کسی سہارے اور دھکیلنے کی ضرورت نہ رہی تو ان دونوں نے پسینے پونچھے چند لمبے لمبے سانس بھرے اپنے بانس رکھے اور مٹی کے کُجّے کے منہ سے ململ کا کپڑا کھول کر اُس میں سے باری باری بوٹی کے مدھ بھرے چند گھونٹ حلق میں اُتارے اور پھر ایک مدت بعد اُس کی جانب دھیان کیا اور اچانک اُسے سامنے پا کر مسکرانے لگے..

"سائیں گھونٹ لگاؤ گے؟"

"نہیں.. تم پیو"

"سائیں یہ وہی ساوی ہے جو آخری ستارے کے ڈوبنے سے پہلے پہلے ہم نے گھوٹی تھی.. گھونٹ لگالو.. خالی نہ رہو"

"نہیں..."

اُسے تجربہ ہو چکا تھا کہ اس ساوی کے چند گھونٹ لگانے کے بعد انڈس کوئین کا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



مردہ زنگ آلود ڈھانچہ بھی زندہ ہو جاتا ہے اور سندھ پر تیرنے لگتا ہے..

وہ ابھی تک دریابرد ہونے والے شجروں کی ننگی جڑوں میں جکڑا ہوا تھا اور اُس مٹ جانے والی بستی کی مرگ کیفیت میں سانس لیتا تھا "سرور یہ تمہارا دریا جسے تم سائیں بولتے ہو اُن داتا مانتے ہو یہ کیسا دریا ہے کہ بستیوں کو کھا جاتا ہے.."

"سائیں جو زندہ رکھتا ہے وہی تو مارتا ہے... ویسے ادھر ہم مُہانوں میں ایک پرانا اکھان کھڑا ہے کہ راوی سونا' چناب چاندی اور سندھ سواہ... آپ والے پانی آپ کو سونا اور چاندی دیتے ہیں اناج اور ہریاولی دیتے ہیں پر سندھ... راکھ دیتا ہے.."

"سرور ہوئے..." آج کی آبی مسافت کے دوران وہ پہلی بار بولی... پکھی بولی... یوں بولی جیسے رُکھوں میں مور بولتا ہو..

"کیا ہے پکھیئے..." سرور ساوی کے اثر میں جھوم کر بولا..

"ایک اور اکھان بھی ہے ہم مُہانوں کا.." اُس نے خاور پر آنکھیں رکھیں" کہ راوی راسکاں... چناب عاشقاں... اور سندھ صادقاں..."

"راسکاں؟" وہ سمجھ نہ سکا اور سرور کی جانب دیکھا..

"ملیچھوں کو کہتے ہیں سائیں.." سرور نے ذرا شرمندگی سے کہا" ہمارا امن ماسا بتایا کرتا ہے کہ اُدھر راوی کے کنارے ملیچھ لوگ رہتے تھے"

پاروشنی اپنے دریا کے کنارے بسنے والوں کو ہی صادق جانتی تھی..

راوی کے کناروں پر رہنے والوں کو ملیچھ گردانتی تھی.. یہ وہ تھے جو اسوا پر سوار ہو کر اودھر آئے تھے اور اُس کی بستیوں کو.. اُس کے ہڑپہ کو ویران کر دیا تھا..

اور پکھی نے راسکاں کہتے ہوئے آنکھیں جھپکی نہیں تھیں.. اُسے دیکھتی رہی تھی.. اور اُن میں ایک حدت تھی جو کسی بھی گلیشیر کے منجمد وجود کو پگھلانے پر قادر تھی..

خاور اُٹھا اور سر جھکا کر کشتی کے اندر جا کر لیٹ گیا..

راوی راسکاں!

اُس کے پنجے ربڑ کے لگتے تھے..
وہ ساری کی ساری ڈیکائے لگتی تھی..



ربڑ کی بنی ہوئی ایک پرفیکٹ جل مرغی..

لیکن اُس کی آنکھوں میں دھڑکنوں کے کھو جانے کی سراسیمگی تھی جو یہ عیاں کرتی تھی کہ وہ ایک کھلونا نہیں.. اپنے ہم جنس پرندوں کو فریب دینے کا ایک مصنوعی جال نہیں.. ربڑ کی بنی ہوئی نہیں.. ایک ابھی تک زندہ شے ہے جو بندھی ہوئی ہے اُس ڈور سے جس کا آخری سرا ایک نیم سیاہ توند پر تہبند اٹکائے موٹے بے ڈھب بدھا کے ہاتھوں میں ہے اور وہ قہقہے لگاتا ہے اور اُس ڈور کو کھینچتا اور کبھی ڈھیل دیتا ہے جو اُس جل مرغی کے پنجے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے جو اپنے تئیں اس موٹے بدھا سے دور ہو جانے کے لئے سندھ میں تیرتی ہے اور دُور نہیں ہو سکتی وہیں رہتی ہے کیونکہ ڈور سے بندھی ہوئی ہے..

سندھ کے کناروں سے ذرا دُور.. کشتی سے پرے.. جہاں شام اُترنے کی کوشش میں تھی اور پانی مکمل سیاہی میں اُترنے سے ابھی گریز کرتے تھے اور آخری کرنوں کی مدھم زرد روشنی میں وہ پانی ایک ڈھلی ہوئی پیلاہٹ میں رنگی چادر کی طرح بچھے تھے.. اُن پر.. پیلی سرسراتی چادر پر ایک جل مرغی تیرتی تھی.. ڈبکی لگاتی تھی.. کچھ لمحے زیرِ آب رہتی تھی' روپوش رہتی تھی اور پھر پانیوں میں سے اُبھرتی تھی... اپنے تئیں تیرتی تھی' کنارے سے دور ہو جانے کے لئے چھینٹے اُڑاتی تگ ودو کرتی تھی.. لیکن ایک ہی مقام پر جدوجہد کرتی چلی جاتی تھی.. پھر ڈبکی لگاتی تھی اور جب کچھ دیر بعد پانی پر ظاہر ہوتی تھی تو پھر وہیں کی وہیں ہوتی تھی..

بہت دیر اپنی عمر رسیدگی کی غنودگی میں گم... دریابردگی کے عالم میں اشجار کی ننگی جڑیں ابھی تک ایک ہزار پائے کی صورت اُس کے نیم خوابیدہ بدن سے لپٹی ہوئیں.. پانیوں کے تحرک کے ہچکولے اُسے ایک آہستہ خرام جھولنے کی طرح ہلارے دیتے رہے اور وہ غنودگی میں گمشدہ غافل پڑا رہا اور پھر یہ جھولنا تھم گیا.. بہت دیر تک تھمارہا تو وہ کسل مندی میں آنکھیں ملتا اُٹھا اور کشتی کی چھت کے نیچے جھک کر پائدان پر قدم رکھ کر باہر آ گیا..

باہر شام اُترنے کو تھی' کشتی تھمی ہوئی تھی اور پانی مکمل سیاہی میں اُترنے سے گریز کرتے تھے.. اور اُن گریز کرتے پانیوں پر ایک پرندہ ایک ہی مقام پر تیرتا جاتا تھا.. کبھی ڈبکی لگاتا تھا او جھل ہو جانے کی آخری کوشش میں.. اور پھر وہیں پر نمودار ہو جاتا تھا جہاں اُس نے ڈبکی لگائی تھی.. کیونکہ اُس کی ایک ٹانگ اُس ڈوری سے بندھی ہوئی تھی جس کا دوسرا سرا کنارے پر کھڑے نیم سیاہ توند پر تہبند اٹکائے... پرندے کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



موٹے بدھا کے ہاتھوں میں تھا..

سرور اور ماماں جعفر بڑے اطمینان سے اور کسی حد تک اس کھیل تماشے سے محظوظ ہوتے کشتی کے برابر میں کھڑے دیکھتے تھے..

فہیم نے اُسے کسل مندی سے آنکھیں ملتے باہر آتے دیکھا تو اُس کے قریب ہو گیا

"سائیں یہ اپنا عطا اللہ ہے' میرے ساتھ سکول میں ٹیچر ہے.. شکار کا بہت شوقین ہے سائیں.. ابھی اس نے اس جل مرغی پر فائر کر کے اسے گرایا ہے.. پر یہ مری نہیں.. ایک چھرا اس کے پروں کے اندر جا لگا ہے اور زخمی کر کے گرایا ہے.. نمانی اُڑ نہیں سکتی.. تو عطا اللہ اس کے پنجے میں ڈوری باندھ کر اُسے پانیوں میں چھوڑتا ہے تو جل مرغی سمجھتی ہے کہ میں بہت تیرتی ہوں تو آزاد پنچھی ہو جاتی ہوں.. پانی میں ڈبکی لگاتی ہوں تو غائب ہو جاتی ہوں... پر نمانی جا نہیں سکتی' ڈوری سے بندھی ہے اور اُس کا سرا عطا اللہ کے ہاتھ میں ہے تو کہاں جائے گی.."

وہ عطا اللہ سے کسی حد تک شناسا تھا..

جب کشتی روانی میں ہوتی.. دھوپ سے کناروں کے ٹیلے اور ریتلے ٹاپو روشن ہوتے.. یا کبھی شام کی سرخی کوہ سلمان سے اُترنے والی ہوتی تو وہ ٹیلوں اور ٹاپوؤں میں سے کبھی ظاہر ہوتا اور کبھی بہت دیر تک اوجھل رہتا.. وہ صرف ایک تہبند میں ملبوس ہوتا جو بار بار اُس کی توند سے کھسکتا.. اور ہاتھوں میں ایک بندوق ہوتی اور نظریں آسمان کو کھنگالتی... وہ گرتا پڑتا کہیں نہ کہیں نظر آ جاتا..

عطا اللہ نے اُسے کشتی سے باہر آتے ہوئے دیکھا تو نہایت مؤدب ہو کر ایک ہاتھ سے سلام کیا.. دوسرے ہاتھ سے وہ ڈوری میں بندھی ہوئی جل مرغی کو ایک منہ زور ہوا کی زد میں آتی ہوئی پتنگ کی طرح تھامے رہا..

"سائیں آ کھیل کرو..." جس ہاتھ سے اُس نے سلام کیا تھا اُسی ہاتھ سے وہ اپنے گرتے ہوئے تہبند کو سنبھالتا اُس کے پاس آ گیا اور ڈوری اُس کی جانب بڑھا دی جیسے ماہر پتنگ باز کسی اناڑی پر مہربان ہو کر ڈور اُسے تھمانے کے لئے آگے کرتے ہیں کہ... ذرا دیکھو کیسی تنی ہوئی ہے..

جل مرغی ہمت نہیں ہارتی تھی.. ڈبکی لگاتی تھی اور باہر آنے پر اپنے پنجے میں بندھی الجھن کے باوجود تیرنے کی کوشش کرتی تھی..

وہ اُس پاگل خانے سے مختلف نہ تھی... شائد وہی تھی.. اُس کے پنجوں سے بندھی



ڈوری اُس کے گھر' خاوند اور بچوں کے ہاتھوں میں تھی لیکن اس کے باوجود وہ ڈبکی لگا کر آ جاتی تھی.. زیرو پوائنٹ کی بلندی میں تادیر زیر آب رہتی تھی کہ شائد آزاد ہو جائے... وہ ڈبکی لگاتی تھی تو اُس کی غلافی آنکھیں پانیوں میں تیرتی تھیں..

عطا اللہ نے اُس کی ہچکچاہٹ کو محسوس کیا اور پھر اپنی توند سے کھسکتا تہبند اوپر کر کے دونوں ہاتھوں سے ڈوری کھینچنے لگا.. جل مرغی کی چونچ اور پورے وجود کا رُخ کھلے پانیوں کی جانب تھا لیکن وہ بے بس واپس کنارے کی طرف کھنچتی چلی آتی تھی.. ڈوری کے تناؤ میں ذرا سی ڈھیل آنے پر وہ پھڑ پھڑا کر پھر تیرنے کی سعی کرتی اور پھر لاچار ہو کر بے جان سی ہو جاتی... کنارے کے قریب آتی جاتی اگرچہ اُس کی چونچ اور آنکھیں کھلے پانیوں کی جانب ہی ہوتیں..

نسل انسانی کے نصیب کی چونچ اور آنکھیں بھی اگرچہ کھلے تاحد نظر پھیلے پانیوں کی وسعت پر تھیں لیکن اُس کے پنجوں میں بندھی ایک ڈوری تھی جو اُسے کسی اور جانب کھینچتی تھی..

کوئی تھا جو لُک چُھپ لُک چُھپ ڈور کھینچتا تھا..

اور ہم یہی کہہ سکتے تھے کہ جو چاہو ہو سو آپ کرے ہو... بے بس تھے.. چونچ پانیوں کی سمت کئے اپنے تئیں اُدھر تیرتے تھے.. آزاد ہوتے تھے.. لیکن نامعلوم انداز میں کھنچے چلے جاتے تھے واپس اُس کنارے کی جانب جہاں ایک موٹا بدھا ہمیں آج رات الاؤ پر بھوننے کے منصوبے بناتا تھا..

فہیم جھومر ڈال رہا تھا..

ریت میں اُس کے پاؤں دھنستے تھے لیکن جعفر کے گھڑے کی تال سے وہ مست ہوتا تھا.. سرور کی پرات کی تھاپ پر وہ الست ہوتا تھا اور بھڑکتے ہوئے بچ کی روشنی میں جھومر ناچتا وہ قونیہ کے گھومتے ہوئے درویشوں کی سنگت میں مست الست ہوتا تھا.. ساوی نے اثر کر دکھایا تھا..

عطا اللہ بچ کے الاؤ کی قربت میں ہو بیٹھا.. آلتی پالتی مارے بیٹھا اُس کی آگ میں اپنی جل مرغی بھونتا تھا اور اُسکے ہونٹ گیلے ہوتے تھے..

کچھ دور بیٹھی پکھی.. اپنے بڑے اور بھاری کولہوں پر بیٹھی.. چپ بیٹھی.. لیکن وہ سب سے بڑھ کر بولتی تھی چپ بیٹھنے کے باوجود!

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



ابھی تک پکھّی کے ہاتھوں کی اُپلوں کی آگ پر پکائی ہوئی موٹی روٹی کا سواد خاور کے منہ میں تھا اور جس میں دھویں کا ذائقہ بھی تھا اور پکھّی کے سیاہ ہاتھوں میں سے بھی کوئی مہک اُس میں شامل ہو گئی تھی.. اُس نے پکھّی نے کوئی نہ کوئی بس گھولا تھا' ٹونا کیا تھا اُس روٹی پر کہ وہ اپنے تالو کے نیچے اُس کے بدن میں سے پھوٹنے والے پسینے کی نمکین کیفیت کو محسوس کرتا تھا..

سرور نے سر جھکا کر گھڑے پر بندھے ململ کے کپڑے پر جمے آٹے پر سے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور ایک دریائی گینڈے کی طرح پورا منہ کھول کر گانے لگا.. وہ تالو تک سیاہ تھا اور اُس کے مسوڑھے بھی کالے شاہ تھے..

مُرایں موسم تیکوں بیڑی تیں میں پار دی سیر کرائی ہئی
بھوں چس آئی ہئی...

جب وہ پہلے مصرعے کی تان اُٹھانے کے بعد "بھوں چس آئی ہئی.." پر آیا تو ماماں جعفر نے بھی یکدم جبڑا کھول دیا اور وہ مل کر گانے لگے..

پار کی سیر...
کوئی بھی اپنی مرضی سے پار کی سیر کو نہیں جاتا' اُسے بھیج دیا جاتا ہے..
ان برسوں میں پار کی سیر قربت میں محسوس ہوتی تھی..

اُس کی بیڑی بھی دھیرے دھیرے ہر سانس کے ساتھ دوسرے کنارے کی جانب کھل رہی تھی اور یہ قیاس کسی کے بس میں نہ تھا کہ وہ جان لے کہ یہ کونسے لمحے ایک دھچکے کے ساتھ دوسرے کنارے جا لگے گی... ہو سکتا ہے اگلے لمحے میں اور ممکن ہے کہ دو چار برس بعد.. پار تو بہر طور پر اُترنا تھا... پار کیا تھا؟ یہ آج تک کسی کی فہم میں نہیں آیا.. کوئی نہیں جان پایا... پار جانے والے کسی ایک نے بھی آج تک خبر نہیں کی کہ پار کیا ہے....

سندھ ساگر کا یہ ٹاپو جس پر فہیم جھومر ڈالتا مست الست ہوتا تھا اور سرور اور جعفر گلا پھاڑ پھاڑ کر تانیں بلند کرتے تھے.. دریا کی دو شاخوں کے درمیان میں کسی وھیل کے کوہان کی طرح ابھرا ہوا تھا اور سائز میں بھی اُس سے کچھ زیادہ بڑا نہ تھا.. اس کا رقبہ پانچ چھ مرلے سے زیادہ تو نہیں لگتا تھا.. اُس پر وہ پانچ تھے جو مُقیم تھے' ایک خیمہ اور ایک الاؤ.. کوئی ایک اور ہوتا تو اُس کے بیٹھنے کی جگہ مشکل سے بنتی..



آج رات کرنے کے لئے سرور ایک بہت بڑے جزیرہ نما بیلے کے کنارے سے جا لگا تھا جو سروٹوں' کاہی اور قد آدم گھاس سے گھنا اور ڈھکا ہوا تھا.. اس کے درمیان میں کہیں دھن وال اپنے کچے کوٹھوں میں بسیرا کرتے تھے اور وہ بیلے میں اپنے مال ڈنگر چراتے تھے اور باہر کی دنیا سے غرض نہ رکھتے تھے.. اور اس بیلے کو صرف ساون کے مہینوں میں چھوڑتے تھے جب کاہی اور سروٹ چڑھتے پانیوں میں ڈوب جاتے تھے اور اُن پر سندھ ایسے بہنے لگتا تھا کہ کسی کو شک بھی نہیں ہوتا تھا کہ اس کے نیچے تہہ میں سروٹوں کے جنگل اور کچے کوٹھے ہیں جو پانی میں گھلتے ہیں... ساون میں بقول سرور... سندھ ٹھوکتا ہے سائیں.. اپنے آپ میں کسی شے کو اُترنے نہیں دیتا نہ کشتی کو نہ آدم کو.. اور جو اُترے اُسے بھی زمین پر واپس نہیں جانے دیتا... پانی اُترنے پر یہ دھن وال واپس آتے تھے اپنے مال مویشی کو کشتیوں میں سوار کر کے اور کوٹھے دوبارہ تعمیر کر لیتے تھے۔ اُن کی ان پانیوں کے بیچ آباد بستیوں کو بھاناں کے نام سے جانا جاتا تھا..

اگرچہ جس مقام پر اُن کی کشتی ٹھہری تھی اور جہاں سرور رات کرنا چاہتا تھا وہاں سے وہ بھاناں بہت دور تھا.. صرف کبھی کبھار ڈنگروں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی مدھم سی آواز آتی تھی لیکن سندھ میں بسر کی جانے والی کسی بھی رات میں خاور اُس قطعۂ زمین پر اس شائبے سے بھی اُلجھن میں مبتلا ہو جاتا تھا کہ وہاں آس پاس کوئی اور بھی ہے' بے شک بہت دور ہے لیکن کوئی ہے.. اُسے اپنا خود مختار جزیرہ درکار تھا..

"یہاں نہیں سرور.."

"کیوں سائیں.. اچھی جگہ ہے.."

"جب بھی رات کرنی ہے تو ایسی جگہ جہاں آس پاس آدم ہو نہ آدم زاد... اِدھر سے چلو.."

"کدھر سائیں؟" اُس نے بے دلی سے جھلائی ہوئی آواز میں کہا.. کہ اُسے آس تھی کہ وہ گلہ بانوں کے ڈیرے پر جا کر آج رات دودھ کا ایک گھڑا مانگ لائے گا.. مکھن کا ایک پیڑا حاصل کر لے گا اور اُس پر صاحب کی چینی چھڑک کر نگلے گا تا کہ اُس کی آنتیں جو دھوپوں اور فاقوں اور دریا برد ہونے والی بستی میں سے کشتی کھینچتے خشک اور مروڑی جا چکی تھیں' چکناہٹ سے تر ہو جائیں' نرم ہو کر اُن کی گانٹھیں کھل جائیں..

"کہیں بھی.. جہاں اور کوئی آدم نہ ہو.."

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سرور نے بانس اُٹھا کر پانی میں ڈالا اور اُس پر اپنا سینہ رکھ کر کشتی کو کنارے سے جدا کیا.. اور اُسی لمحے خاور کو افسوس ہوا.. اُس نے ایک وہم میں 'ایک عجیب خبط میں اُکتے تھکے ہوئے بدن کو خواہ مخواہ پھر سے مشقت کرنے پر مجبور کر دیا تھا.. یہ ایک نہ سمجھ میں آنے والی ترنگ تھی لیکن اُس کی خصلت کی مجبوری تھی..

ماماں جعفر بھی بیزار ہو کر پچھلے حصے میں جا بیٹھا اور بوٹی کا کپا کھول کر اُس میں سے گہرے گھونٹ بھرنے لگا..

عطااللہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کے ساتھ نتھی ہو گیا تھا اور جل مرغی کے ساتھ تماشہ کرنے کے بعد اُسے حلال کر چکا تھا..

رات ہونے والی تھی جب پانیوں کے درمیان ایک سیاہ اُبھار نظر آیا.. وہ دور سے ایک جہازی سی دکھائی دیتی تھی یا ایک بڑا سارا پتھر جو بہاؤ کے درمیان میں سے سر اُٹھاتا تھا پر وہ پانیوں کی چادر میں سے نمودار ہوتا ایک مختصر سا ریتلا ٹاپو تھا..

"سرور... یہ جگہ کیسی ہے؟"... وہ واقعی ایک وہیل کی پشت سے زیادہ بڑا دکھائی نہیں دے رہا تھا اور لگتا تھا کہ ابھی کچھ دیر کے لئے سانس لینے کو اُبھرا ہے اور ابھی پانی میں غرق ہو جائے گا..

"کیا پتہ کیسی ہے سائیں.." اُس کے لہجے میں ناپسندیدگی سے آگے نفرت کی ایک چنگاری کا شائبہ ہوتا تھا "میں تو پہلے ادھر نہیں آیا.... آیا ہوں تو یہ پہلے ادھر نہیں تھا.."

"ادھر رات کر لیں؟"

"بہت چھوٹا ہے سائیں.. ادھر رات کریں گے تو کیا پتہ رات کی رات سندھ سائیں کے پانی چڑھ آئیں اور مشکل ہو جائے.. اِس پر تو آپ کے تنبو لگانے کے لئے بھی جگہ دکھائی نہیں دیتی.. پر آپ مالک ہو.. حکم کرو"

"تم لے چلو.. رات ادھر ہی کرتے ہیں.. میں کشتی میں سو جاؤں گا"

وہ ٹاپو حقیقت میں اتنا ہی مختصر تھا کہ جب اُن کی کشتی اپنے زور میں اُس کی ریت کے اندر تک گئی تو اُس کا دل رُک گیا کہ یہ ابھی اِسے دھکیل کر پانیوں میں گرا دے گی...

اور اب رات کی سیاہی میں وہی ٹاپو تھا جس پر فہیم جھومر ڈالتا تھا..

اور اس لمحے اگر سندھ کی گہری تاریک رات میں پانیوں پر کوئی بادبانی کشتی دور سے



گزرتی جاتی تھی تو اُس میں اونگھتا کوئی شخص اگر گھٹاٹوپ اندھیرے میں یونہی ادھر نظر کرتا تو یقیناً ششدر رہ جاتا.. اُسے اور کچھ نظر نہ آتا.. صرف پانیوں کے تاریک پھیلاؤ میں ایک الاؤ کی روشنی میں جھومر ڈالتا ہوا فہیم دکھائی دیتا.. جیسے وہ پانیوں پر ناچتا ہو.. اُسے اُس بادبانی کشتی میں سوار اونگھتے ہوئے شخص کو وہ کوہان نما ٹاپو تو دکھائی نہ دیتا.. صرف فہیم کا نیم روشن بھوت گردش میں نظر آتا... اور وہ یقیناً اِس منظر کو نظر کا دھوکا سمجھتا.. کوئی آفت یا کرشمہ سمجھتا.. کہ ایک شخص بہت دور پانیوں کے تاریک پھیلاؤ میں رقص کر رہا ہے اور ڈوبتا نہیں...

اُس کی گزشتہ زندگی کے تھیٹر میں جتنے بھی کردار تھے.. اُس کی تینوں بیٹیاں.. دوست احباب... ٹیلی ویژن کے رفیق... کبھی اپنے بے حد بے مہار تصور میں بھی یہ نہیں لا سکتے تھے کہ وہ... اس لمحے.. جب وہ زرد شیطان کے شہروں میں ڈالروں کی آرزو اور حصول کے لئے نڈھال ہوتے تھے 'اپنے ڈرائنگ رومز میں ٹیلی ویژن کے سامنے اونگھتے تھے یا اپنی بیویوں کے بوڑھے بدنوں سے منہ موڑ کر سوتے تھے.. وہ تصور کے آخری سرے پر چلے جانے کے باوجود یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ وہ... خاور.... اِس لمحۂ موجود میں جب گھڑی پر اتنے بج کر اتنے منٹ ہوئے ہیں وہ سندھ ساگر کے ایک ایسے ٹاپو کی رات میں ہے.. جہاں آج تک کسی نے رات نہیں کی.. اُس کے سامنے فہیم جھومر ڈال رہا ہے.. ماماں جعفر بوٹی کو اپنے سے بڑھ کر پی گیا ہے اور اب ذرا احتیاط سے حرکت کرتا ہے کہ کہیں لڑھک نہ جاؤں.. اور اگر لڑھکوں گا تو سیدھا سندھ میں جا گروں گا اور بہہ جاؤں گا.. ایک موٹا بدھا الاؤ پر جل مرغی کو بھونتا اور پلٹتا ہے.. پکھی ٹاپو کی کم مائیگی کے باعث بہت قریب بیٹھی ہے اور اُس کی حدت سے گلیشیر پگھل سکتا ہے.. اور سرور اپنے حال میں مست... صاحب کے لئے اپنی بیزاری بھول چکا ہے اور منہ کھولے گا رہا ہے..

داساں کہیں بے دیس دے واقف نئیں
بس بیڑی پانی دیس ای اپنا دیس اے...
پانی دیس کی رات میں...

پانی دیس کے باسی... اور اُن میں صرف ایک الگ اور غیر ذات... جسے وہ روٹی پانی کے لئے برداشت کرتے تھے اور ابھی تک یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ادھر کیوں آیا ہے.. نہ پکھی پھیرو کو اور نہ پکھی کو ڈھانے آیا ہے تو کیوں آیا ہے.. اور یہ کب تک بے وجہ اسی طور بیڑی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



میں ٹھلتا رہے گا.. اس کا کونسا ٹھکانہ ہے اور اس نے جانا کہاں ہے.. نہ پرندوں کے پیچھے جاتا ہے نہ دار و پیتا ہے اور نہ پکھی کو اُن نظروں سے تکتا ہے جن نظروں سے سب سائیں لوگ اُسے کشتی میں سوار ہوتے ہی تکتے تھے..

لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اُس کی نظروں میں فتور آ رہا تھا.. وہ اُنہی نظروں سے اُسے تکتا تھا اُس کی جانب دیکھے بغیر اُسے تکتا تھا.. اور ذرا پرے بیٹھی پکھی کے کولہوں تلے جو اُن کے بھارے ریت کھسکتی تھی تو اُس کے ایک ایک ذرّے کے ساتھ وہ بھی سرکتا تھا..

فہیم کے جھومر قدم تھکنے لگے.. وہ نڈھال ہو کر اپنے بے قابو اور مست سانسوں کو سنبھالتا ریت پر گر گیا..

وہ منظر سے ہٹا تو سرور نے اپنے گھڑے سے ہاتھ اُٹھا لیا.. اور جعفر نے پرات کو پرے کر دیا.. اور سندھ کی شب سیاہ کا سناٹا جو اُن کے شور سے ٹاپو کے باہر پانیوں میں دُبکا بیٹھا منتظر تھا دندناتا ہوا اُن پر وارد ہو گیا اور وہ سب اُس کی چپ آغوش میں چلے گئے اور ہر ہستی جدا جدا ساکت ہو گئی...

ٹاپو پر اُترتے ہی ماماں جعفر نے کہا تھا "چچ لگائیں سائیں؟"

پالی کے یہ یونگ بوٹی پینے کے علاوہ چچ لگانے کے بے حد شوقین تھے..

"ادھر تو لکڑی نہیں ہے جعفر..."

"ساتھ لے کر آئے ہیں سائیں... رات کو چچ نہ لگائیں سائیں تو پانیوں کے اندر جو بھوت پریت اور بلائیں بسیرا کرتی ہیں ناں تو وہ سب ٹاپو پر آ کر رات کرنے والوں کے لئے جنجال بن جاتی ہیں.."

یہ چچ بھی اب راکھ ہونے کو تھا جب سندھ کا سناٹا اُن پر غالب آیا تھا..

فہیم ابھی تک ہانپ رہا تھا..

ماماں جعفر بہت تردد اور احتیاط کے ساتھ اُٹھا اور اُس کے سامنے بوٹی کا کچار کھ دیا... فہیم نے اُسے منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور بحال ہو گیا..

"بہت زبردست جھومر ڈالتے ہو فہیم..." اُس نے مناسب سمجھا کہ اُس کی شدید اور لگاتار مشقت کی حوصلہ افزائی کی جائے "زبردست..."

"جھومر تو یہ قبروں پر ڈالتے ہیں سائیں.." ماماں جعفر نے اُٹھنے کی کوشش کی اور ریت میں پاؤں دھنس جانے سے لڑکھڑا کر پھر وہیں ڈھیر سا ہو گیا.. "اور سائیں ننگ دھڑنگ ہو کر"



"قبروں پر؟"

"جی سائیں.. یہ ڈڈا پارٹی کے ممبر ہیں ناں... بیڑگ پارٹی کے... راتوں کو ویرانوں میں اور قبرستانوں میں جا کر ننگے پنگے جھومر ڈالتے ہیں سائیں.."

"کیوں فہیم؟"

"نہیں نہیں صاحب.." فہیم بوٹی کا پورا کچا چڑھانے کے باوجود فوراً ذرا ہوش ہو گیا "یونہی خبر اُڑ گئی ہے کہ.. ہم لوگ مٹرول شریف کا ورد کرتے ہوئے قبروں کے گرد کپڑے اُتار کر ناچتے ہیں... یونہی ہوائی بات ہے.. بیڑگ پارٹی کے لوگ ذرا زندہ دل ہوا کرتے تھے.. بیڑگی کہلاتے تھے تو ذرا دل لگی کو اور من کا رانجھا راضی کرنے کو ایسے کسب کیا کرتے تھے..."

"بوٹی پی کر ایسے کسب کرتے تھے؟"

"بوٹی بنا تو ایسے کام کہاں ہو سکتے ہیں سائیں... پر سنجیدہ بات نہیں تھی، تھوڑا کھیل تماشہ تھا.. پر اب بیڑگ پارٹی نابود ہو چکی ہے.."

"تم اس کے ممبر تھے؟"

"نہیں سائیں یونہی خبر اُڑ گئی ہے.." فہیم ڈولتا ہوا سندھ میں ڈولتی ایک کشتی کی مانند ڈولتا ہوا اُٹھا "آپ کی اجازت سے میں ذرا اپنے آپ کو خالی کر آؤں... بہت بھر گیا ہوں" وہ چند قدم آگے ہوا تو اُس کا پیر پانی میں گیا اور وہ فوراً اپنے آپ کو سمیٹ کر پیچھے ہو گیا "سرور یہ رات کرنے کے لئے تم کیسے ٹاپو میں لے آئے ہو... پکھی کی چھاتی جتنا.."

سرور خوش ہو گیا "میں تو نہیں لایا... مالک ادھر لے آیا ہے"

فہیم چپ ہو گیا اور اپنے آپ کو خالی کرنے کے ارادے سے تائب ہو کر پھر الاؤ کی راکھ کی قربت میں آ بیٹھا "پھر تو سائیں آج کی رات تو آنکھوں میں کٹے گی.. آنکھ لگ گئی تو ایک کروٹ بدلنے سے سندھ میں بہہ جائیں گے... میں تو بیٹھ کر رات کرتا ہوں" اُس نے ٹانگیں جوڑ کر اُن کے گرد بازوؤں کا حلقہ کیا اور اسی حالت میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا..

جب سے سفر کا آغاز ہوا تھا.. کب سے.. اس کا کچھ حساب کتاب اور سراغ نہیں ملتا تھا.. تب سے خاور نے پہلی مرتبہ بجھتے ہوئے الاؤ کی لو میں کنارے کے ساتھ جُڑی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



مہانوں کی کشتی کو غور سے دیکھا.. وہ اپنا اگلا دھڑ ریت میں دھنسائے اور پچھلے حصے کو دریا کے پانیوں میں ٹھہرائے بجھے بجھے تاریکی میں ڈولتی حرکت کرتی تھی.. اور اُس کے چوبی بدن پر نہایت دل کش اور رنگین نقش و نگار تھے..

"سرور..."

"جی سائیں..." وہ ہڑبڑا کر بولا..

"یہ کشتیاں تم خود بناتے ہو؟"

"نہیں سائیں.. ہم مہانے تو انہیں کھینا جانتے ہیں بنانا نہیں جانتے.... لیہ کے گاؤں لسکانی والا میں کاریگر ہیں جنہیں گھاڑو بنانے والے بولتے ہیں بس وہی بنا سکتے ہیں...

بھلے وقتوں میں تو سنا ہے کہ لکڑی کا خرچہ ہوتا تھا اور کاریگر روٹی پانی کے ساتھ بنا دیتا تھا پر اب تو نکمی کشتی بھی ڈیڑھ دو لاکھ سے کم میں نہیں آتی.. کالا باغ میں ایک کاریگر ہے رضا نام کا.. پر بد دماغ ہے بہت.. پر کشتی بناتا ہے تو ایسی کہ حور پری لگتی ہے.. طالب حسین بھی بڑا ماہر ہے پر اب دریا چھوڑ گیا ہے تونسہ جا کر پکے مکانوں میں رہنے لگا ہے.. کشتی جب تیار ہو جاتی ہے ناں سائیں تو بڑا موج میلہ ہوتا ہے.. کاریگر کو سہرے باندھ کر کشتی کو اُس کے سمیت پانی میں دھکیلتے ہیں دیکھنے کے لئے کہ کہیں ڈوبی تو نہیں کھڑی اور جب تیرنے لگتی ہے تو سب مبارکباد کرتے ہیں اور کاریگر کو سہروں سمیت پانی میں دھکا دے دیتے ہیں.. یہ رسم ہے سائیں.. اور پھر سب مل کر بوٹی پیتے ہیں اور دریا اور کشتیوں کے گیت گاتے ہیں.. ماماں جعفر ہوئے.."

ماماں جعفر او گھ گیا تھا سرور کی ہوئے سن کر ہڑبڑایا اور کہنے لگا "سرور یوں یکدم تراہ نہ نکالا کر.. میں تو ناپو سے لڑھک کر پانی میں گرتا گرتا کھڑا تھا.."

بچ بہت دیر سے سرد ہو چکا تھا.. اندھیرا نہ دیکھتا تھا نہ قیاس کر سکتا تھا نابینا تھا.. لیکن وہ ایک دوسرے کے چہروں کے اتنے آشنا ہو چکے تھے کہ اُن کے خد و خال نابینائی کے باوجود تاریکی میں سے نمایاں ہوتے تھے... جیسے وہ ایک زیرِ زمین گھپ اندھیری کوٹھڑی میں بند ہوں اور پہرے دار ایک مشعل اُٹھائے کب کا وہاں سے گزر چکا ہو لیکن پھر بھی روشنی اُن کے ناک نقشے پر ٹھہر گئی ہو اور وہ ایک دوسرے کو پہچان سکتے ہوں..

بے نام غلافی آنکھوں کی کوٹھڑی کی مانند.. خاور ریت کو اُنگلیوں سے کرید تا تھا.. اُس نے کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کیا تھا.. صرف ایک جراب اور ایک بوٹ اتارنے کو کہا تھا.. اور



جہاز سے نکلتے ہی اتنی پشیمان ہوئی تھی کہ مالک سے باندی بن گئی تھی.. پاؤں پڑنے کو تیار تھی.. وہ کیسے نارمل ہو سکتی تھی اگر اُس کی پوری زندگی ایک ابنارمل چاہت کے حصول کے لئے گزری تھی.. اُس نے اتنا بڑا جرم نہیں کیا تھا.. خاور کا ردِ عمل ایک معمول کی صورت حال میں تو قابلِ فہم تھا لیکن وہ تو پاگل پن کی غیر معمولیت کا شکار تھی.. نفسیاتی مریضوں اور ذہن میں فتور رکھنے والوں کو جرم کی سزا نہیں دی جاتی... وہ خود کو مجرم محسوس کرنے لگا.. اُس کی کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگا..

گئی رات میں وہ کشتی کے اندر... کہ باہر ناپو پر اُس کے خیمے کے لئے جگہ نہیں تھی.. کروٹیں بدلتا رہا.. شدید احساسِ جرم کا شکار رہا.. اُن گدوں اور غلیظ رضائیوں میں جن پر مل جل کا ایسا کام ہو چکا تھا کہ کشتی کناروں سے ٹھک ٹھک ٹکراتی تھی.. باہر ناپو پر پکھی کے بھاری کولہوں تلے ریت سرکتی تھی کسی بھار کے باعث اور ریت کا ہر ذرہ جب کھسکتا تھا تو اُس کی چبھن سے اُس کا بدن ٹھٹھکتا تھا... اُس نے ایک اور کروٹ بدلی...

پپوٹوں پر ایک ہلکی روشنی سی تیری.. خاور نے آنکھیں کھول دیں.. کشتی کا اندرون روشن ہو رہا تھا.. آوازوں کی ہلکی بھنبھناہٹ آ رہی تھی.. لوگ باتیں کر رہے تھے ہنس رہے تھے.. پانیوں کے بلوئے جانے کی ایسی گہری اور گونجدار سرسراہٹ تھی جیسے سندھ کے سینے میں ایک بہت بڑی مدھانی اُتری ہوئی ہے جسے طاقتور ہتھیلیاں گھماتی ہیں... پانی تلاطم میں تھے اور شور کرتے تھے..

کشتی کے اندر روشنیاں پڑتی تھیں اور بجھ جاتی تھیں اور پھر جھولتی ہوئی ہر شے کو روشن کرتی تھیں... خاور کی نگاہ کیل کے ساتھ ٹنگے پلاسٹک کے فریم والے آئینے تک گئی.. اُس میں انڈس کوئین تیرتی تھی.. اور اُسی لمحے اُسے خالی کر گئی..

کشتی کا اندرون پھر سے اندھیرے میں ڈوب گیا.. بلوئے گئے پانی پھر سے ہموار ہو کر چپ میں چلے گئے.. صرف ایک کرلاتی کونج کی... اکیلی کونج کی کرلاتی ہوئی چیخ سنائی دی اور وہ بھی چپ میں چلی گئی..

لیکن آئینے کی تاریک سطح پر ایک جل مرغی کی شبیہہ اُبھرتی تھی جو پھڑپھڑاتی ہوئی تیرتی تھی اور اُس مقام سے آگے نہ جا سکتی تھی کہ نجات اُس کے نصیب میں نہ تھی.. ایک ڈوری اُس کے پاؤں میں بندھی ہوئی تھی جس سے وہ پیچھے ہی پیچھے کھنچی چلی جاتی تھی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



کشتی کے دونوں جانب بلند کنارے تھے اور وہ نہایت سہمی ہوئی اُن کے درمیان.. اتنی خاموشی سے بہتی ہوئی جا رہی تھی کہ زیرِ آب اگر کوئی ڈولفن تھی تو اُسے بھی خبر نہ ہو سکتی تھی کہ پانی کے سینے پر سے کوئی شے گزرتی ہے..

کنارے اونچے تھے اور اُن پر لائی اور سروٹوں کے گھنے ذخیرے تھے..

اتنے گھنے کہ صبح کی مدھم ہوا اُن کے اندر جانے کی کہیں گنجائش نہ پاتی تھی اور اُن کے اوپر سے سرسراتی گزرتی تھی... وہ سب کے سب اُن کے تیز دھار والے پتے اور آپس میں گتھی ہوئی شاخیں بے حد ساکن' چپ سکوت میں' بے حس و حرکت خاموش کسی سامری کے سحر میں پھونکے ہوئے لب بستہ تھے کہ ہوا اُن کے اندر نہ آسکتی تھی کہ وہ سرگوشیاں کر سکتے اور دونوں کناروں کے بیچ ایک چوڑی آبی گزرگاہ تھی.. ایک نہر تھی اور وہ بھی ہموار اور خاموشی کے طلسم میں تھی اور اُس کے سناٹے میں دم بخود اُن کی کشتی تھی جو بے آواز اُس میں سے گزرتی تھی۔

تہ در تہ گھنے کنارے اُس کچھ یکدم ظہور پذیر ہو جانے والی خاموشی سے حاملہ تھے جس میں سے ہارٹ آف ڈار کنیس کی مانند اس سکوت کو توڑتے وحشی قبائل برآمد ہو کر کشتی پر زہر آلود تیروں اور بھالوں کی بوچھاڑ کر سکتے تھے..

عجیب سا ٹھہرا ہوا گمشدہ سناٹا تھا جس میں اُن کی کشتی ایک ہموار رفتار سے آگے بڑھتی جاتی تھی..

خاور کشتی کی نوک پر کھڑا سویر کی ہوا کو اپنے سینے پر محسوس کرتا ہوا.. ایسے کہ پوری کشتی اُس کی پشت پر تھی اور گویا صرف وہ تھا جو پانیوں کا سینہ چیرتا آگے چلا جاتا تھا..



ایک سمندری جہاز کے آگے نصب کسی دیوی کے اُس مجسمے کی مانند جو نمکین پانیوں کی پھوار اپنے بدن پر سہتی ہے اور اُسے کچھ علم نہیں ہوتا کہ اُس کی پشت پر جو جہاز چلا آتا ہے اُس کے مکین کون ہیں اور اس لمحے کیا کر رہے ہیں.. اُس کا مد مقابل صرف سمندر ہوتا ہے..

اُس نہر کے خاتمے پر.. جہاں دونوں کنارے اختتام کو پہنچ رہے تھے ایک بے انت پھیلاؤ دکھائی دے رہا تھا جو انڈس کا مرکزی دھارا تھا اور یہ نہر دریا کی ایک بڑی شاخ کو اس دھارے سے جا ملاتی تھی۔ وہ بڑی شاخ کہیں بہت آگے جا کر بل کھاتی ہوئی اگرچہ اسی دھارے میں جا شامل ہوتی تھی لیکن یہ نہر ایک شارٹ کٹ تھی.. اور وہ اُس شاخ سے الگ ہو کر اس کی تنگنائی میں داخل ہو گئے تھے اور اس میں یونانی دیومالا کی کسی ایسی کشتی کی طرح رواں تھے جس کے آس پاس کے جنگلوں میں سے کسی بھی لمحے ڈائنیں اور چڑیلیں برآمد ہو سکتی تھیں یا خاموش پانیوں میں سے کوئی یک چشم عفریت اُبھر سکتا تھا..

وقت کا یہ لمحہ اور یہ بھید بھری چپ سینکڑوں برس پیشتر کا افریقہ بھی ہو سکتی تھی... ہارٹ آف ڈار کنیس.. جاوا سماٹرا کے اُلجھے ہوئے گھنے جنگلوں میں اُترتی مگر مچھوں سے کلبلاتی کوئی ندی بھی ہو سکتی تھی.. لیکن ایک فرق تھا.. کناروں کے گھنے ذخیروں میں سے کسی انجان پرندے کی کوک سنائی نہ دیتی تھی.. اور نہ کسی لگڑ بگڑ یا دل کو دہلا دینے والی کسی جنگلی جانور کی آواز آتی تھی اور نہ ہی ڈھول کی مدھم تھاپ کوئی پیغام مرگ بھیجتی تھی.. بس سناٹا تھا اور گھنی چپ تھی اور وہ ایک ویران خواب کے آبی سناٹے کے اندر چلے جاتے تھے... پچھلی شب کے مسلسل جھومر ڈالنے سے فہیم کا بدن تھک ٹوٹ چکا تھا اور وہ بے سُدھ نیند میں گم تھا..

کشتی کے پچھلے حصے میں پکھی براجمان تھی اور وہ کچھ نہ دیکھتی تھی کہ اس کے آس پاس کیا گزرتا ہے' اتنی چپ کیوں ہے.. وہ جیسے غازی گھاٹ کے پل کے نیچے بے پرواہ بیٹھی تھی اور وہ سنگھاڑا مچھلی صاف کر رہی تھی جو آج سویرے اُس مختصر ٹاپو کی خصوصی عنایت سے سرور کے جال میں آگئی تھی... اور سرور نے بھی کل اس کشتی کو دریا برد ہونے والی بستی کے کھیتوں اور صحنوں میں کاندھے پر رسہ ڈالے بہت دیر کھینچا تھا.. پھر شاید پچھلی شب بھی اُس نے پکھی کے کولہوں تلے سے ریت سرکانے میں بہت مشقت کی تھی تو وہ اُس کے قریب ایک گدے میں سمٹا ہوا منہ کھولے سو رہا تھا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



عطااللہ اُس کے قدموں میں ڈھیر تھا... اُس کی توند پانیوں میں سے اُبھرنے والی کسی سیاہ رنگ کی وہیل کی طرح اُٹھتی تھی اور نیچے ہو جاتی تھی.. وہ بھونی ہوئی جل مرغی کی ہڈیاں تک چبا گیا تھا...

ماماں جعفر چوڑے چپو کے ساتھ بہاؤ کے زور میں آئی ہوئی خود بخود رواں کشتی کی سمت کا دھیان کر رہا تھا..

کشتی کی نوک پر کھڑے ہوئے اُسے لگتا تھا کہ اُس کے پاؤں تلے کچھ بھی نہیں، وہ ہوا میں ساکت ہے اور وہ تنہا اس آبی گزرگاہ کے درمیان میں معلق ایک ہی مقام پر کھڑا ہے لیکن دائیں بائیں جو اونچے کنارے ہیں صرف وہ دھیرے دھیرے سرکتے پیچھے رہتے جاتے ہیں اور نہر کی تنگنائی اُس پر حاوی ہوتی جاتی ہے.. اب تک کے سفر میں اُس نے سندھ کے پھیلاؤ میں کھلے سانس لئے تھے جن کی کوئی حد نہ تھی کوئی روک ٹوک نہ تھی لیکن اب دونوں جانب سرحدیں تھیں اور درمیان میں پانی کی ایک چوڑی پٹی کی ریاست تھی اور ویران تھی..

اُسے اُلجھن ہونے لگی کہ یہ چپ کیوں نہیں ٹوٹتی.. کوئی ایک پرندہ ہولے سے کوک دے.. کوئی جھینگر ٹرائے.. صرف ایک مچھلی سطحِ آب میں سے کود کر باہر آئے اور پھر شپاک سے گم ہو کر کوئی دائرہ اپنے وجود کا چھوڑ جائے..

سویر کی دھوپ میں گئی رات کے سناٹے یہاں سفر کے رفیق تھے..

وہ پانیوں کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے محسوس کر رہا تھا..

کسی یونانی دیوی کے مجسمے کی مانند.. بت بنا.. سمندر کو اپنی جانب لپکتا ہوا دیکھتا.. اور بے شک اُس کے عقب میں جو جہاز تھا اُس میں سینکڑوں افراد سوار ہوں.. بال رُوم میں رقص کرتے شور مچاتے ہوں.. ڈائننگ ہال میں گلاسوں اور چھری کانٹوں کی چھنک گونجتی ہو.. دھڑکتے دل اور خوبصورت چھاتیاں ہوں لیکن وہ اُن سے بے خبر ایک گارڈین اینجل کے کردار میں جہاز کی نوک پر کھڑا ہوا... اُس کے چہرے کو نمکین پانیوں کے چھینٹے بھگوتے ہوں اور وہ اُنہیں پونچھ بھی نہیں سکتا تھا.. اس لئے کہ وہ محض ایک مجسمہ تھا..

اور سمندر کے مقابلے میں تھا..

اُس کے ایک جہاندیدہ اور عملی رجحان رکھنے والے دوست کا کہنا تھا کہ ایک



عورت کو، کسی بھی عورت کو اپنی جانب متوجہ کرنے اور اکثر اوقات اُسے اپنی محبت میں گرفتار کر لینا محض ایک باضابطہ اور میکانکی عمل ہے.. اس کے لئے خوش شکل ہونا، متاثر کرنے والی شخصیت یا ذہانت وغیرہ قطعی طور پر درکار نہیں... صرف پرچہ ترکیب سامنے رکھ کر اس پر شق در شق عمل کرتے جانا ضروری ہے... کوئی بھی مناسب شخصیت کا حامل مرد اگر شطرنج کے مہروں کی طرح ذرا سوچ سمجھ کر ایک طے شدہ ضابطے کے تحت چالیں چلتا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوں... ملکہ کو مات نہ ہو..

ظاہر ہے یہی ضابطے، یہی چالیں صنفِ نازک بھی آسانی سے اپنا سکتی ہے اور بادشاہ کو زیر کر سکتی ہے..

عابدہ سومرو اسی باضابطہ اور میکانکی حساب کتاب کی ماہر کھلاڑی تھی جس کے نتیجے میں وہ کسی بھی مرد کو نیم دیوانگی کی حدوں تک لے جا سکتی تھی اور اُسے چت کر کے اُس پر سوار ہو سکتی تھی.. وہ ہرگز ایک پرتاثیر اور بندے کو اوندھا کر دینے والی عورت نہ تھی..

چھریرے اور لچکیلے بانس ایسی... ایک سکول گرل ایسے بدن کی.. ایک بیٹھی اور بھرائی ہوئی.... بھری ہوئی جنسی آواز کی مالک عورت تھی جو اناڑی نہ تھی.. بساط پر بیٹھتی تھی تو طے کر کے بیٹھتی تھی کہ اتنی چالوں میں بادشاہ کو اوندھا کرنا ہے.. جو چند لمحوں میں اپنی عام سی شکل اور شخصیت کو بھلا دیتی تھی اور مرد اُس کی گہری گیلاہٹ سے بھری آواز کے بھنور میں ڈوبنے لگتا تھا۔

وہ بھی اُنہی دنوں اور وقتوں میں اُبھری جن دنوں غلافی آنکھیں مسلسل آنسو بہاتی تھیں.. وہ اُس کے آنسوؤں کے بیچ میں سے اپنی جگہ بناتی ایسے نمودار ہوئی جیسے وہ اُنہیں پونچھنے کے لئے آئی ہو..

خاور کو بہت دیر کے بعد احساس ہوا کہ کوئی اور بھی ہے..

وہ ایک اور ٹیلی فونک کال تھی..

ابھی اُس جہاز نے لینڈ نہیں کیا تھا جس کے اندر غلافی آنکھوں نے اُسے شرمندہ کیا تھا..

ابھی اُس جہاز سے باہر آتے ہوئے اُس نے 'تم ایک شرمناک عورت ہو۔ میں آج کے بعد کبھی بھی تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا' نہیں کہا تھا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



بشیر اپنی نو بیاہتا بیوی کی آگ میں سلگتا بے چین ہوتا اُس کا کھانا لگا کر اپنے کوارٹر میں جا چکا تھا.. بارہ کہو کے گھر کے اندر.. اپنے ڈرائنگ رُوم کے اکلاپے میں وہ ٹیلی ویژن سکرین کو دیکھے بغیر اُسے دیکھتا جا رہا تھا کہ اُسے بہر حال کچھ دیر تک جاگنا تھا.. اور اُسے یہ بھی آس تھی کہ شاید اُس کی تینوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کو اُس کا خیال آجائے اور وہ اُسے ٹیلیفون کر دے..

فون کی گھنٹی بجی تو وہ بے حد اشتیاق سے اُٹھا.. اور کمر پر ہاتھ رکھ کر اُٹھا کہ پُر اشتیاق ہونے کے باوجود اُٹھنے سے اُس میں ایک ٹیس بھی اُٹھتی تھی..

"ہیلو..."

یہ نہ اُس کی بے چین اور ٹیلی فون بل کو کم سے کم رکھنے کی کوشش میں کسی بیٹی کی چہکتی ہوئی ہائے ڈیڈ.. ہاؤ آر یو... آر یو او کے.. میں ذرا جلدی میں ہوں.. گڈ بائے اور پلیز اپنا خیال رکھیں" آواز تھی اور نہ ہی دوسری جانب غلافی آنکھوں میں سے برستی کوئی سسکی تھی.. خاموشی تھی..

"ہیلو" اُس نے پھر کہا..

"سائیں آپ سو تو نہیں گئے..؟" یہ پہلی چال تھی..

"نہیں.."

"سائیں آپ اگر آرام کر رہے تھے تو ہم معافی کے خواستگار ہیں.. دوبارہ فون کریں گے"

"نہیں.. لیکن آپ کون ہیں؟"

"ہم تو آپ کے مرید ہیں سائیں.." یہ وہی آواز تھی. بیٹھی ہوئی.. حبس کی رطوبت میں گندھی ہوئی.. رچی اور نچڑتی ہوئی "آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا سرکار..."

"جی نہیں... فرمایئے.."

"سائیں اب اتنا فارمل ہو کر ہمارا دل تو نہ دکھایئے... ہم نے کیا فرمانا ہے.. فرمان تو آپ کا چلے گا.. آپ حکم کرنے والے ہیں اور ہم تعمیل کرنے والے..."

"آپ ہیں کون؟"

"ہم سے آپ کیا پوچھتے ہیں کہ ہم کون ہیں.. ہمیں خبر ہوتی تو آپ کو بتا دیتے.."



خاور نے فون رکھ دیا..

ایسی کالیں آتی رہتی تھیں.. کوئی ابناکشس کال.. خاوند یا گھر والوں کی غیر موجودگی میں گئی رات گھر اکیلے تماشہ کرنے والی کال..

ابھی وہ واپس جا کر اپنے صوفے میں دھنسنے کو تھا جب ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بلند ہو گئی.. بہت دیر تک اُس کے اعصاب پر دستک دیتی رہی.. اتنی دیر تک کہ اُسے شک ہوا کہ شاید اُس کی کوئی ایک بیٹی مسلسل کوشش کر رہی ہو..

"فون بند نہ کریں سائیں..." بھری ہوئی بھراتی ہوئی اُسی آواز نے سرگوشی کی "آپ ہمارا دل نہ توڑیں.. بے رُخی نہ برتیں.. فقیر لوگوں کی صدا بھی سن لیا کریں.. فون تو بند نہ کریں.."

"میں.. آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" اُس نے زچ ہو کر کہا..

"سائیں جو کرنا ہے ہم نے آپ کے لئے کرنا ہے.. آپ کو پڑھتے ہیں' دیکھتے ہیں' سنتے ہیں.. تو پسند کرتے ہیں.. مرید ہیں آپ کے.. مرشد نظر کرے تو ہمارے دن بھی پلٹ جائیں.. بھاگ جاگ جائیں ہمارے.."

"خاتون میں تعارف کے بغیر آپ سے مزید گفتگو نہیں کر سکتا.. آپ پہلے بتائیں کہ آپ کون ہیں.."

ناراض نہ ہوں سائیں.." بہت لبریز.. بھری ہوئی اور بیٹھی ہوئی وہ آواز تیکرس گلوکارہ ارتھا کٹ ایسی تھی.. اگر تم چاہتے ہو تو تم حاصل کر سکتے ہو.. ایسی آواز.. اور وہ کسی صورت فون بند نہیں کرنا چاہ رہا تھا.. یہ ایسی آواز تھی.. "ہم کیا ہمارا تعارف کیا.. آپ کی نظر کرم کے محتاج ہیں.. آپ کے در پر آئے ہیں تو آپ دھتکارتے ہیں.. بس ہمارا تعارف یہی ہے کہ ہم دھتکارے ہوئے لوگ ہیں اور آپ کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں"

"دیکھیں اس قسم کی سوڈو صوفیانہ گفتگو پر مجھے بھی ملکہ حاصل ہے.." وہ جھلا گیا "آپ اپنا تعارف نہیں کروائیں گی تو میں فون بند کر دوں گا.."

"فون تو رب سچے نے ملایا ہے آپ کیسے بند کر دیں گے سائیں.... ویسے مجھ فقیر حقیر کو عابدہ سومرو کہتے ہیں.. ایک اچھی شکل کے نوجوان اور ڈیشنگ سندھی وڈیرے کی سندھی منکوحہ ہوں.. ایک بچی ہے میری.. دیہات کے رہنے والے دیہاتی ان پڑھ لوگ ہیں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



سائیں.. ابھی ادھر کراچی شہر کے ڈیفنس ایریا میں جھگی ڈال کر گزارہ کرتے ہیں... پوسٹل ایڈریس اگر درکار ہے تو عرض کر دیتے ہیں.. ذاتی موبائل بھی حاضر ہے جو سینے کے ساتھ لگا رہتا ہے کوئی اور نہیں سن سکتا.. اس کے سوا کچھ اور حکم کرو تو وہ بھی بیان کر دیتے ہیں مرشد..."

وہ گڑبڑا گیا.. عجیب خاتون تھی... کم از کم اِس کے مرنے کے بعد وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں تو اس کا نام بھی نہیں جانتا.. اُس نے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا تھا.. سب کچھ کھول کر بیان کر دیا تھا... وہ اگرچہ تھیٹریکل انداز میں بات کرتی تھی جیسے یہ لہجہ اُس نے خصوصی طور پر اُس سے بات کرنے کے لئے اپنایا ہو.. اس کی ریہرسل کی ہو لیکن اُس کے لہجے میں بناوٹ نہ تھی ایک قدرتی بہاؤ تھا..

"آپ چاہتی کیا ہیں؟" اس کے سوا وہ اور کیا کہہ سکتا تھا..

"بس حاضری کے تمنائی ہیں سائیں.. آپ کے حکم کے بندے ہیں‘ آپ سے بندھے ہوئے ہیں‘ ذرا سی ڈور کھینچئے تو ہم چلے آئیں گے... یا آپ ادھر کا پھیرا لگا لیں.."

"کہاں کا؟"

"میں نے ابھی عرضی میں عرض کیا تھا کہ مریدوں کی جھگی کراچی میں ہے.."

"آئی ایم سوری لیکن... میرے لئے شاید یہ ممکن نہ ہو.." حالانکہ وہ ہر ہفتے کراچی جاتا تھا.. لیکن محض ایک فون کال پر کوئی بھی شخص.. خاص طور پر ایک عمر رسیدہ زوال پذیر شخص کیسے ایک انجانے اور تاریک جنگل میں اُتر سکتا تھا.. اگرچہ اُس کے اندر جو سدا بہار وجود قائم تھا اُس کی انا کو بہت تشفی ہوئی‘ تقویت ملی..

"تو پھر ہم حاضر ہو جائیں سائیں اگر آپ اجازت بخشیں.."

سمندر مقابل میں تھا..

دونوں جانب بلند کناروں کے ذخیروں کے گنجلک وجود کے اوپر سویر کی ہوا سرسراتی ہوئی آتی تھی..

اُس کے پاؤں تلے کچھ نہ تھا‘ وہ تنہائی اس آبی گزرگاہ کے درمیان میں معلق ایک ہی مقام پر کھڑا تھا اور دائیں بائیں جو کنارے تھے وہ گہری چپ میں سرکتے تھے..



کوئی ایک پرندہ نہیں کوکتا تھا..

کوئی ایک جھینگر نہیں ٹراتا تھا..

سطحِ آب میں سے کوئی ایک مچھلی اُچھل کر اس غیر قدرتی ڈر سے لبریز چپ کو نہیں توڑتی تھی..

صرف عابدہ سومرو کی گہری بھرائی ہوئی سرگوشیاں تھیں جو بولنے لگی تھیں.. اور اُن کا ایک ایک لفظ واضح اور کھلا تھا.. وہ ایک کھلی کتاب تھی اور جانے اُسے کس کس نے کھولا تھا..

بارہ کہو کی پہاڑیوں کے پیچ و خم میں نو تعمیر شدہ تارکول کی سڑک کے کنارے جو بڑا پتھر تھا.. اُس کی کوکھ میں کچھ بھی نہ تھا..

یہ وہ بستی تھی جو صرف غلافی آنکھوں کی موجودگی سے آباد ہوتی تھی‘ یہاں چہل پہل شروع ہو جاتی تھی... لمبی تکونی دُم والا چھپکلا جھاڑیوں میں سے نکل کر سڑک کے پار جاتا تھا.. گھاس میں سانس آ جاتے تھے اور جھاڑیوں کے پتوں کی رگوں میں زندگی حرکت کرتی تھی.. اُس کے بغیر یہ محض ایک بڑا پتھر اور ویرانے پر چلتی ہوا کی ہلکی بے جان سرسراہٹ تھی..

آج سویرے وہ اپنی مارننگ واک کے لئے معمول کا راستہ تبدیل کر کے خاص طور پر ادھر آیا تھا.. اگرچہ چڑھائی چڑھتے ہوئے اُس کے پاؤں تو کیا جوگرز بھی دُکھتے تھے اور سانس پھولتا تھا لیکن وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ غلافی آنکھیں کیا رات کی تاریکی میں یہاں آتی تھیں اور سنیکس اور ڈرنکس رکھ جاتی تھیں یا ملاقات طے ہو جانے پر پہلے ادھر آتی تھیں اور پھر مرگلہ روڈ تک واپس جاتی تھیں.. کیونکہ وہ کبھی بھی اپنے اس بھید کو ظاہر نہیں کرتی تھی..

اور اُس کوکھ میں کچھ بھی نہ تھا.. البتہ سڑک کے کنارے سگرٹوں کے مسلے ہوئے کچھ فلٹر تھے جن پر اُس کی لپ سٹک کے نامعلوم سے نشان تھے.. وہ شاید جب پھینکے گئے تو گہرے رنگ کے تھے لیکن دھوپوں نے اُنہیں دھندلا دیا تھا..

غلافی آنکھوں نے اُسے کل ملنا تھا...

وہ گھر لوٹا تو تھکاوٹ اُس کے گھٹنوں اور پنڈلیوں میں ایسے رچی ہوئی تھی کہ اُن

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



میں سے ہلکی ہلکی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں اگرچہ ایک طویل سیر کا بدن کو کھولنے اور متحرک کر دینے والا لطف بھی اُن میں شامل تھا اور اُنہیں قابل برداشت بناتا تھا..

ناشتے سے پیشتر وہ گریپ فروٹ کی نیم سرخ پھانکوں پر نمک اور سیاہ مرچ چھڑک رہا تھا جب فون کی گھنٹی نے صبح کی سیر کے بعد محسوس ہونے والی تھکن کے پر لطف احساس اور سکون کو زائل کر دیا..

"ہم حاضر ہو گئے ہیں سائیں.. اب حکم کریں.." براہ راست بغیر کسی تمہید کے...

"جی..." وہ ذہنی طور پر بالکل بلینک تھا ابھی تک بدن کے کھلنے اور تازگی کی کیفیت میں تھا اور اُسے فوری طور پر کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ کون ہے جو حاضر ہو گیا ہے..

"مرشد آپ بے رخی برتتے ہیں تو ہمیں اچھا لگتا ہے.. آپ فرمائیں تو ہم ایک مرتبہ پھر اپنا تعارف پیش کر دیں.. ہمیں یہ بھی اچھا لگتا ہے کہ آپ بھول جائیں اور ہم بتاتے رہیں کہ سائیں..." اور خاور اُسی لمحے اپنی سکوت بھری کیفیت میں سے باہر آ گیا کہ اُس کی بیٹھی ہوئی آواز کا بھنور ایسا تھا کہ اُس کی شناخت لاکھوں آوازوں میں سے فوراً الگ ہو جاتی تھی "نہیں نہیں.. وہ دراصل میں... آپ عابدہ سومرو ہیں؟"

"صرف عابدہ کہئے سائیں.. سومرو تو کوئی اور ہیں..." اُس کی آواز میں ایک ایسا تسلسل تھا جیسے وہ کسی سے مخاطب نہ ہو خود کلامی میں گم ہو "مرشد آپ نے ارشاد کیا تھا کہ آپ کا کراچی کا پھیرا نہیں لگتا تو ہم ادھر آپ کے شہر میں حاضر ہو گئے ہیں... مجھے افسوس ہے کہ آپ سے یہ کیوں پوچھا کہ آپ کراچی کا پھیرا لگاتے ہیں کہ نہیں.. متلاشی تو ہم ہیں' ہمیں کو آنا چاہئے تھا سو ہم آ گئے..."

وہ لفظوں کا بیوپار کرتا تھا.. اُن کے ہیر پھیر اور بناوٹ کا ایسا ماہر تھا کہ پرندوں کو درختوں سے اُتار سکتا تھا.. جالا بنتی مکڑی کو اُن کے زور سے پھنسا سکتا تھا.. یہ اُس کا کاروبار تھا لیکن گلے میں سے پھنس پھنس کر نکلنے والی اس آواز کے سامنے وہ بے بس اور لاچار محسوس کر رہا تھا کہ وہ جواب میں کیا کہے.. یا تو وہ جھوٹ کی اس کاریگری میں اُس سے کہیں بڑھ کر ماہر تھی اور یا پھر وہ ایک بہت بڑا سچ تھی جس سے وہ آگاہ نہیں تھا..

"جی بالکل..." اُس نے صرف اتنا کہا..

"ہم آ گئے ہیں سائیں.."



"آپ کسی ذاتی نوعیت کے کام کے لئے اسلام آباد آئی ہیں؟" سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اُس نے بے حد سرکاری لہجے میں دریافت کیا اور فوری طور پر بے حد بیوقوف محسوس کیا..

"ہماری ذات آپ سے الگ تو نہیں ہے سائیں.. من تُو شدی والا معاملہ ہے.. تو من شدی کا انحصار تو آپ کی نظر کرم پر ہے... فیڈرل لاج کے فیملی سویٹ ڈیرہ ہے.. اب آپ اجازت دیں تو ہم خود آستانے پر حاضر ہو جائیں.."

"جی جی.." وہ ابھی غلافی آنکھوں کے معمے کو حل نہیں کر پایا تھا اور ایک اور گتھی میں اُلجھ گیا تھا "لیکن آپ تو کراچی میں تھیں تو.."

"سائیں ان گورے کافروں نے جو یہ جیٹ ہوائی جہاز بنایا ہے تو صرف اس لئے بنایا ہے کہ یہ عشق کی مسافتوں کو مختصر کر کے مرشد کی چوکھٹ پر پہنچا دیتا ہے.. ہم پہنچ گئے ہیں.. آپ کے لئے.. تو اب حکم کریں..." وہ نہ کوئی رد عمل ظاہر کرتی تھی اور نہ اُسے کوئی جلدی تھی..

عجب آشفتہ سری تھی.. اگر تھی.. اور کیسی دیوانگی تھی.. اگر تھی.. اور وہ اس سے اب واقف ہو رہا تھا.. اس آشفتہ سری نے عمر کے اُن برسوں میں سر کیوں نہیں اُٹھایا دستک کیوں نہیں دی جب اس کی تمنا ہوتی ہے.. اس کی تڑپ میں جسم گھلتا اور بے چین ہوتا ہے.. خواہش اور حرص کا ہمیر سانپ پھن اُٹھا کر منتظر رہتا ہے کہ کوئی بدن ہو.. کیسا بھی ہو.. اور کسی بھی تناسب کا ہو اُس کو میں ڈس سکوں.. اپنے زہر سے نجات حاصل کر لوں.. تب یہ غلافی آنکھیں اور اپنے آپ کو نچھاور کر دینے والے مرید کہاں تھے.. اُس کے لعاب میں کڑواہٹ بھری تھی اور وہ اُسے نگلنے میں دقت محسوس کرتا تھا "میں.. کچھ مصروف ہوں.. تو.."

"تو کیا ہوا.. ہم انتظار کرتے ہیں سائیں.. چوکھٹ پر پڑے رہتے ہیں جب تک دیدار کی اجازت نہیں ہوتی.. ہمیں دنیا کا اور کوئی کام نہیں... ہم ادھر پڑے رہیں گے جب تک کہ آپ کی مصروفیت ختم نہ ہو جائے اور جب تک.. ملاقات نہ ہو جائے"

"لیکن آپ کس سلسلے میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟" یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اب وہی پرندہ ہے جو درخت سے اُتر آتا ہے.. وہی مکڑی ہے جو اپنا تانا بانا ترک کر کے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



پھنس جاتی ہے اور وہ بادشاہ ہے جو مات کھا چکا ہے اور اگر وہ اِسی لمحے اُس سے غفلت برتنے لگے تو وہ اُس سے ملنے کے لئے اُس کی منت سماجت پر اُتر سکتا ہے.. اُسکے پاؤں پڑ سکتا ہے.. یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس نے اپنی باتوں سے اُس کے پنجے میں ایک ڈور باندھ دی ہے اور وہ لاکھ کوشش کرے اُس سے دور نہیں ہو سکتا.. ڈبکی لگائے تو بھی اُسی مقام پر رہے گا فرار حاصل نہیں کر سکتا.. اُس نے بے دلی سے یہی کہا کہ لیکن آپ کس سلسلے میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں..

"سلسلہ تو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ایک ہی ہوتا ہے سائیں.. اسے کوئی سا بھی نام دے دیں.. لیکن سلسلہ تو ایک ہی ہوتا ہے.. حکم کریں تو ہم آپ کے در پر آجائیں؟"

"نہیں.." وہ جیسے ابھی تک نیند میں تھا یکدم بیدار ہوا" آج تو نہیں.. آج مجھے یہاں سے اسلام آباد جانا ہے ایک بہت ہی اشد ضروری کام ہے.. میں.. دراصل اتھارٹی کے بل ڈوزر کبھی کبھار ادھر آنکلتے ہیں اور میرا گھر... نقشے اور اجازت کے بغیر بنا تھا تو.. مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ میرے گھر کو بھی مسمار نہ کر دیں تو اتھارٹی کے دفتر میں..."

"سائیں وہ سجدہ کریں گے' سلام کریں گے اور واپس چلے جائیں گے.. ہم مرشد کی چوکھٹ کی حفاظت کریں گے... اپنے سسر کو کہہ دیں گے کہ ایسا نہ ہو.. اور ایسا نہیں ہوگا.. آپ اس کام کے لئے تو اپنے آستانے سے نہ نکلیں سائیں.. مجال ہے کسی کی.."

"تھینک یو.. لیکن.. وہ.. مجھے بہر طور اتھارٹی کے دفتر جانا ہے یہ طے ہے.."

"دفتر تو سائیں دو بجے بند ہو جائیں گے.."

"تو میں وہاں سے فارغ ہو کر... واپسی پر... میں پوری کوشش کروں گا تو.."

"آنکھیں بچھائے منتظر ہیں سائیں... سرمد کی طرح.."

"سرمد؟"

"ہاں سائیں.. وہ بھی تو انا الحق کہتا تھا.. اور ہم بھی یہی کہتے ہیں..

آنکس کہ تُرا کارِ جہانبانی داد۔ مارا ہم اسباب پریشانی داد

پُوشانہ لباس ہر کرا عیب داد۔ بے عیباں را لباسِ عریانی داد

اُس کا فارسی لہجہ اہلِ فارس کی مانند تھا.. اگرچہ اُن کے نصیب میں ایسی بھرائی ہوئی



بھنور میں ڈوبتی آواز نہ تھی..

اونچے کناروں کے درمیان جو خاموش پانیوں کی نہر سکوت میں تھی اُس میں کوئی بھنور نہ تھا.. ایک ہلکی سی لہر بھی نہ اُٹھتی تھی..

نہ کوئی پرندہ.. نہ جھینگر اور نہ کوئی مچھلی..

ایک سناٹے میں سفر کرتی ایک کشتی.. اور اُس کی نوک پر بُت بنا کھڑا ایک شخص جس کے چہرے کو پانی کے چھینٹے نہ بھگوتے تھے..

ان بل ڈوزروں نے کل خدائی کو ڈھا دینا تھا.. اُس کی چوکھٹ کو سجدہ کرنا تھا اور سلام کر کے واپس چلے جانا تھا.. مرشد کی چوکھٹ کی حفاظت اُس کا مذہب تھا..

اگر تصور میں کہیں اس کشتی پر اس لحۂ سکوت میں.. اس سناٹے میں عابدہ سومرو اُس کے برابر میں کھڑی ہوتی تو کیا اُس کا صوفیانہ انداز کلام برقرار رہتا یا وہ ایک عام عورت ہو جاتی.. پکھی کے بھاری کولہوں اور بھرے ہوئے سینے کو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو جاتی.. اُسے سرور اور جعفر سے گھن آتی اور اُن دونوں کے درمیان مرشد اور مرید کا رشتہ ترک کر کے ٹوٹ جاتا اور وہ کہتی "ڈیم اِٹ.. گیٹ می آؤٹ آف ہیئر..."

لیکن یہ تصور ممکن نہ تھا.. کیونکہ غلافی آنکھیں اپنی احتیاط پسند خصلت میں سراسر آؤٹ ڈور نہیں.. اور عابدہ سومرو ایک اِن ڈور برڈ تھی جو دن کے وقت بھی بیڈروم کے پردے کھینچ کر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں گہرے سانس لیتی تھی..

سندھ کا وسیع پاٹ اگرچہ یہاں سے دکھائی دے رہا تھا لیکن ابھی ایک طویل فاصلے پر تھا اور فی الحال اونچے کناروں کے گھنے ذخیرے تھے اور چپ تھی..

فیڈرل لاج کے فیملی سویٹ نمبر انیس کا دروازہ ذرا سا کھلا تھا..

اُس کے اندر دھندلے سے لیمپ کی جو روشنی تھی وہ طویل برآمدے کی تاریکی میں ایک عمودی روشن لکیر کی صورت دروازے کے وا ہونے کا پتہ دیتی تھی.. اسی لئے اُسے دستک دینے کی ضرورت پیش نہ آئی..

وہ اُسے احتیاط سے ڈرتے ڈرتے دھکیل کر اندر چلا گیا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



باہر سے بالکل اندازہ نہ ہوتا تھا کہ فیملی سویٹ اندر سے ایک ہوٹل کالٹن اور روزویلٹ ہوٹل کی مانند ایک قدیم اور شاہانہ اقامت گاہ کی مہک میں رچی ہے.. بلند چھتیں ہیں جن کے قدیم شہتیروں پر تازہ سفید پینٹ ابھی تک لشکتا ہے اگرچہ لیمپ کی روشنی وہاں تک بمشکل پہنچتی تھی.. بھاری اور بڑے وجود کے صوفے ہیں.. فرش پر شکارگاہ ڈیزائن کے اگرچہ بوسیدہ ہو چکے ایرانی قالین ہیں لیکن اُن پر بنے ہوئے ہرنوں اور لپکتے چیتوں کی آنکھیں ابھی تک زندہ ہیں اور قالینوں کی بُنتر سے الگ ہو کر آپ کو دیکھتی ہیں.. دیواروں پر کانسٹیبل کی لینڈ سکیپ پینٹنگز کی سنہری فریموں میں جڑی ہوئی کاپیز ہیں جن میں ایک سست اور مدھ بھرا اور سرسبز ندیوں اور درختوں میں سے جھانکتا انگلستان ہے..

یہاں برطانوی راج پوری شان و شوکت اور آب و تاب سے ابھی تک ٹھہرا ہوا تھا..

اُسے دیکھ کر وہ کچھ کہے بنا خاموشی سے اُٹھی.. بھاری وکٹورین صوفے میں سے بلند ہوئی کہ وہ بلند قامت تھی.. ایک مہنگے سلک گاؤن کے اندر حرکت کرتی ہوئی اُس کے قریب آئی اور کچھ کہے بغیر اُسے اپنی لامبی بانہوں میں لپیٹ لیا اور پھر اُس کے شانے پر سر رکھ کر ایک مجسمے کی طرح ساکت ہو گئی.. اُس کا چھریرا لچکیلا بانس بدن ہولے ہولے تھراتا تھا.. خاور کے بازو نہ اُسے لپٹا سکتے تھے اور نہ ہی فضا میں معلق رہ سکتے تھے..

"تھینک یو فار کمنگ..."

"جی..."

"سرمد منصور نے کہا تھا جو آپ کی طرح ایک مرشد ہیں..." وہ اُس کے شانے پر سر رکھے بولتی رہی.. اُس کے بالوں میں سے تازہ شیمپو کی مہک آتی تھی.. "اُنہوں نے فرمایا تھا کہ... وہ جس نے تمہیں حکومت عطا کی.. اُسی نے ہمیں بھی پریشانی کے اسباب دیئے.. جس کے اندر اُسے عیب نظر آیا اُسے لباس دے دیا اور جو بے عیب تھے اُنہیں لباس عریانی دیا.."

ریشم کے مسلے جانے والی کیفیت میں مبتلا گاؤن کے اندر... اُس میں مشکل سے پوشیدہ.. گاؤن کے نیچے لباس عریانی کے سوا اور کچھ نہ تھا اور وہ جو کچھ بھی تھا وہ دھڑکتا ہوا اُس کے سینے پر دستکیں دیتا تھا..



"آپ نے ہمیں پریشانی کے اسباب دیئے.." وہ کہتی گئی اور اُس نے اب تک نہ اُس کا چہرہ دیکھا تھا اور نہ شکل سے واقف ہوا تھا صرف اُس کی بے عیب ذات کے لمس سے شناسا ہوا تھا.. خاور نے ایک سراسر اجنبی اور انوکھے تجربے سے پہلی بار روشناس ہوتے.. اپنے ڈھلکتے ہوئے بدن پر ایک کھنچے ہوئے' تنے ہوئے وجود کی حدت محسوس کرتے اور جواب میں ایک سرد اور خزاں آشنا وجود کی ٹھنڈک اور منجمد ٹھہراؤ لئے اُسے ایک نامردگی کے عالم میں اپنے بازوؤں کے حلقے سے الگ کیا... تو وہ الگ ہو گئی..

اور اُسی لمحے خاور نے مختصر لاؤنج میں رکھے بھاری صوفوں کے سامنے اُس قالین کو دیکھا جس پر ایک آٹھ نو برس کی دُبلی سی بچی ایک کھلونا ریل گاڑی میں چابی بھرتی تھی اور اُسے قالین پر کنڈلی مارے پٹڑی پر چھوڑتی تھی' ریل گاڑی یکدم تیزی سے اپنے ٹریک پر چل کر فوراً ہی اوندھی ہو جاتی تھی اور بچی نہایت بیزاری اور بے دلی سے اُسے اُٹھا کر پھر سے اُس کی چابی گھمانے لگتی تھی.. وہ بظاہر اُس کی موجودگی سے بے خبر تھی یا باخبر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش میں تھی..

خاور نے بہت عجیب سا محسوس کیا کہ وہ ابھی اُس سے الگ ہوا تھا.. اور وہ بھی وہاں تھی..

"سویٹی..." اُس کی.. عابدہ سومرو کی آواز اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے بالکل مختلف اور نارمل تھی اُس میں بھراہٹ نام کو نہ تھی.. جیسے کوئی بھی ماں اپنی بچی کو بلاتی ہے..

بچی نے نہ اُس کی جانب نگاہ کی اور نہ ہی جواب میں کچھ کہا صرف گاڑی کو چابی دینا موقوف کر دیا..

"سویٹی.. آپ نے انکل کو سلام نہیں کیا شوگر..."

سویٹی نے نظریں اُٹھائے بغیر یہ دیکھے بغیر کہ اُدھر کون اور کونسے انکل ہیں ایک ناگواری کا "ہیلو انکل" کہا اور پھر سے اپنے کھلونے میں چابی بھرنے میں مصروف ہو گئی..

"ڈو یو کیئر فار اے ڈرنک؟"

"نو تھینک یو..."

"ٹیش آر سم تھنگ.."

"نہیں..."

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



"پلیز گومی اے سگرٹ.." اُس کی لامسی انگلیاں بھی کپکپاتی تھیں پاگل خانے کی طرح لیکن ان دونوں کی کپکپاہٹ میں کہیں کوئی فرق تھا.. لرزش کی وجوہات مختلف تھیں..

اُس نے اپنے لئے بھی ایک سگریٹ سلگالیا.. وہ باتوں کے گنجلک فریب میں اُلجھ کر آگیا تھا.. اُس کی مردانہ انا کو باتوں کے انجکشن نے جو سرور دیا تھا اُس کے تابع وہ یہاں چلا آیا تھا.. ایک عجیب و غریب صورت حال میں جو عام فہم نہیں تھی..

وہ چپ بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا.. سٹیج پر پرفارم ہونے والے ایک بالکل سمجھ میں نہ آنے والے ڈرامے کے تماشائی کی طرح چپ بیٹھا رہا.. دل ہی دل میں پچھتاوے کی ایک شدید لہر تھی کہ میں نے ٹکٹ خریدنے سے پیشتر بل بورڈ پر نظر کیوں نہ ڈالی.. اچھی طرح اطمینان کیوں نہ کرلیا کہ اس کھیل کو لکھنے والا کون ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے...

وہ بھی یقیناً کانونٹ سلف تھی بلکہ اس سے بھی کہیں آگے کا نسخہ تھا.. یہ وہ مواد تھا جو کسی بھی جائز یا ناجائز خواہش 'بھلے یہ بدن کی ہو یا زندگی کرنے کی.. وہ اُس کی ناتمامی اور ناآسودگی سے آشنا نہ تھا.. ویک اینڈز پر کسی سوس ریٹریٹ میں جاتا تھا.. بی ایم ڈبلیو یا مرسڈیز کاروں سے کہیں برتر تھا.. مانٹی کارلو ہاربر میں لنگرانداز کسی یاٹ میں کاک ٹیل پارٹیز کو ایک نارمل روٹین سمجھتا تھا بلکہ اُس سے بھی اُکتا چکا تھا اور زبان نہایت میٹھی ملائم اور کلچرڈ رکھتا تھا اور اپنے آپ کو درویشوں اور فقیروں کی صف میں شمار کرتا تھا... یہ سب کچھ عیاں تھا.. سٹیج پر لائٹنگ بہت مؤثر اور دھیمے سروں میں تھی.. اور صرف دو کردار نیم تاریکی میں سے اُبھر کر واضح ہو رہے تھے.. قالین پر اپنے کھیل میں مگن بچی سٹیج کے ایک کونے میں اور عابدہ سومرو اُس کے مقابل میں صوفے میں دھنسی ایک مرکزی کردار کی صورت میں اپنے مکالمے بولتی تھی اور اُس کے سگرٹ کی راکھ تیزی سے بڑھتی جاتی تھی..

"آپ آگئے تو ہم پر کرم کیا سائیں.. بس اپنا حال احوال سنانا تھا.. جب بھی آپ کو سکرین پر دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ اگر اپنا حال کہنا ہے تو اسی کو کہنا ہے.. کوئی اور نہیں ہے سائیں جو ہمارا حال سنے 'ہمارا محرم ہو جائے.. تمہیں کیا پتہ سائیں کہ ہم کرامویل ہاسپٹل میں بیمار پڑے تھے اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا. تمہیں کیا پتہ..."

اُس کے بدن کے تانے بانے میں تھکاوٹ اور پژمردگی میں کوئی ایک گرہ تھی جو اُسے دیکھنے سے ذہن میں اٹکتی تھی 'اُلجھن سے دوچار کرتی تھی... بس یہی تھی.. وہ تندرست



نہیں تھی.. اُس نے "تمہیں کیا پتہ.." اس انداز میں بھی نہیں کہا تھا کہ وہ فوری طور پر افسوس کے لہجے میں پوچھے کہ کیا ہوا تھا.. لیکن اس کے بعد وہ شاید اپنا لہجہ بھول گئی یا اُسے جان بوجھ کر ترک کر دیا اور مرشد اور مرید کے کردار سے نکل گئی اور جیسے نارمل انداز میں اپنی بیٹی سے مخاطب ہوتی تھی ویسے بولنے لگی "میں وہاں بالکل اکیلی پڑی تھی اور ڈاکٹروں کو حیرت ہوتی تھی کہ مجھے کوئی بھی ملنے نہیں آتا.. ہاں سائیں ایسا ہی ہوا تھا میرے ساتھ... خدا بخش' میرا خاوند بھی میری خبر کو نہ آیا.. اُس کو اپنی سیاست سے ہی فرصت نہ تھی.. پیروں فقیروں کا بیٹا تھا مریدوں کے دم درود سے ہی فرصت نہ تھی.. لیکن فون روزانہ کرتا تھا.. پھولوں کے انبار ہر روز پہنچتے تھے.. ڈاکٹروں کو ذاتی طور پر ہدایات دیتا تھا میری حالت کی پوری خبر رکھتا تھا لیکن خود نہیں آتا تھا... گرنڈلیز کا ایک اکاؤنٹ صرف میرے نام تھا اور میں صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ اُس میں کتنی رقم جمع ہے چیک کاٹتے ہوئے خواہ مخواہ دو تین صفر بڑھا دیتی تھی اور تب بھی وہ کیش ہو جاتا تھا... لیکن یہ تو کافی نہیں ہوتا سائیں.. رفاقت چاہئے ناں سائیں' محبت درکار ہوتی ہے.. انسان مرتا ہو تو اذیت کی شدت میں نرس کا ہاتھ تھامے ہوئے رونا تو آتا ہے ناں.. اور میں.. کوئی گری پڑی چیز تو نہیں تھی.. وہ مجھے کسی کوٹھے سے اُتار کر تو نہیں لایا تھا.. میرا باپ بھی وڈیرہ ہے' آدھے سندھ کا مالک ہے... اُس کی لینڈ کروزر ہماری زمینوں پر چلتی ہے تو اُس کے ٹائروں کے نیچے سے جو دھول اُٹھتی ہے اُس کے ہر ذرے سے ایک خدا بخش بن سکتا ہے.. لینڈ کروزر کا ڈیزل ختم ہو جاتا ہے پر میرے بابا سائیں کی زمین ختم نہیں ہوتی.. تو میں گری پڑی شے نہیں ہوں.. میں آکسفورڈ میں تھی.. اور یہ جو تمہارا عمران خان ہے... امی... تو میرا کلاس فیلو تھا.. یہ کرسٹینا اور جمائمہ تو بہت بعد کی پیداوار ہیں' وہ مجھ پر مرتا تھا... منت کرتا تھا میرے پاؤں پکڑتا تھا کہ شادی کے لئے مان جاؤ پر سائیں میں کیسے مان جاتی.. میں تو ایک حیادار مشرقی لڑکی تھی اونچے خاندان کی تھی کیسے مان جاتی.. جمائمہ کے بعد بھی میرے پاس آتا رہا.. منت کرتے ہوئے میری کلائی اتنے زور سے تھامتا تھا کہ ابھی تک وہاں درد ہوتا ہے.. پھر میں بارورڈ میں چلی گئی سائیں.. امی سے پیچھا چھڑانے کے لئے.. اور وہاں خدا بخش ٹکر گیا.. جانے اُسے وہاں داخلہ کیسے مل گیا تھا پر ان وڈیروں کے بڑے کونیکشن ہوتے ہیں.. خدا بخش امی کی طرح متکبر نہ تھا' دھیمے لہجے میں مٹھاس سے بات کرتا تھا... ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہو جاتا تھا... رونے لگتا تھا' چپ نہ ہوتا تھا' کہتا تھا میں مر

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



جاؤں گا تمہارے بغیر.. اور وہ واقعی مر جاتا اگر میں اُس کے ساتھ شادی نہ کرتی... میں نے شادی کر لی سائیں.. "اُس کی آنکھیں بھرنے لگیں' بدن کپکپانے لگا جیسے اُسے سردی لگ رہی ہو "اور وہ میری خبر تک نہ لینے آیا کرامویل ہوسپٹل لنڈن میں اور میں مر رہی تھی.. "

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اُس میں ریا اور مکر کا شائبہ تک نہ تھا.. جو کہہ رہی تھی دل سے پورے یقین سے کہہ رہی تھی.. خاور اپنے تجربے کی بنا پر یہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ کامیاب اداکاری نہیں کر رہی.. اُس میں اگر فریب کا دھوکے کا ایک ذرہ بھی ہوتا تو وہ فوراً اُس کی چبھن کو محسوس کر لیتا.. اُسے اُس پر ترس آنے لگا..

وہ سر جھکائے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی رہی اور اُس کا ناتواں بدن ہر سسکی کے ساتھ کانپتا...

وہ ذرا آگے ہوا اور اُس کے گھٹنے کو تھپک کر کہا.. آئی ایم سوری..

گھٹنے پر تھپک ایک دستک تھی جس سے دروازہ وا ہو گیا' وہ اپنے دُکھ میں سسکتی پہلو بدل کر اُس کے ساتھ آ گئی.. وہ مختصر وجود کی مالک تھی اور زیادہ جگہ نہیں گھیرتی تھی اور اُس کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا..

بے عیبوں کو دیا جانے والا لباس عریانی نہ صرف محسوس ہوتا تھا بلکہ متحرک کرتا تھا..

اُس کی بیٹی اپنی ریل گاڑی میں مگن تھی اور ماما کی جانب اُس نے ایک بار بھی نہ دیکھا کہ وہ کس حال میں ہے.. اُس پر کیا گزرتی ہے وہ کیوں روتی ہے..

"سائیں' خدا بخش جو ہے..." اُس کے سانسوں کی ہواڑ خاور کے کان کی لویں گرم کرتی بولتی تھی اور بانس کی لچک اُس کے گرد لپٹتی تھی.... ایک بوڑھے نیگرو کی مانند بیٹھی ہوئی درد انگیز آواز میں وہ اپنی بپتا سناتی تھی "اُس کے لئے تو میں ایک آبجیکٹ ہوں.. نمائش کے لئے.. وڈیروں کی بیٹیاں کہاں اتنی پڑھی لکھی ہوتی ہیں.. آکسفورڈ اور ہارورڈ... اور کہاں ایسے ڈریس کرتی ہیں کہ لوگ ماڈلز کو بھی بھول جائیں اور اُنہیں دیکھتے رہیں.... بیچ پارٹیز پر.. سیاسی جوڑ توڑ کے ڈنرز پر... وہ اپنے آپ کو مجھ سے نمایاں کرتا ہے... اُس کے بابا سائیں کو تم بھی جانتے ہو.. فیڈرل منسٹر ہے.. اسی لئے تو ہم نے کہا تھا سائیں کہ اتھارٹی کے بل ڈوزر کل خدائی کو ڈھا دیں گے پر آپ کی چوکھٹ پر آکر سلام کریں گے اور چلے جائیں گے.. اُن کی مجال نہیں.. سائیں آپ کی ٹانگیں تھک تو نہیں گئیں.. میرا وزن تو بھاری سے



بہت گھٹ گیا ہے... آپ کہو تو میں اُٹھ جاؤں.. "

اُس نے صرف سر ہلایا..

"اور تم یقین نہیں کرو گے..." وہ بڑی آسانی سے پھر نارمل انداز کی طرف لوٹ آئی "ہاں سائیں جو باہر کے لوگ ہوتے ہیں وہ یقین نہیں کرتے کہ ایسا بھی ہوتا ہے لیکن بڑے سومرو صاحب جب ڈرنک ہو جاتے ہیں تو اپنے بیٹے کے سامنے مجھ سے فلرٹ کرنے لگتے ہیں اور خدا بخش بہت خوش ہوتا ہے کہ بابا سائیں اُس کی بیوی کو یہ اعزاز بخش رہے ہیں... لیکن مجھے بابا سائیں سے کچھ خدشہ نہیں' وہ بالکل خلاص ہو چکے ہیں.. مجھے ٹھیک سے پتہ نہیں اُن کی کونسی اور مجھ سے بھی کم عمر بیوی نے مجھے بتایا تھا کہ بڑے سائیں بس چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور کچھ نہیں... وہ میری ہمراز ہے.. مجھے سب کچھ بتا دیتی ہے.. "

خاور نے کن اکھیوں سے بچی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بے حد مصروف تھی اور پھر مسکرا کر کہا "مجھے یقین ہے کہ اُن کا بیٹا تو کچھ بہتر ہو گا... "

"نہیں سائیں.. "اُس نے اُس کی کمر میں گدگدی کرتے ہوئے نہایت معصومیت سے اپنے آنسو پونچھے اور ہنسی روکتے ہوئے سرگوشی کی "وہ تو بابا سائیں سے بھی گیا گزرا ہے.. اُس نے تو پہلی رات ہی مجھ سے معافی مانگ لی تھی.. یہ وڈیرے لوگ کم سنی میں ہی اپنی عمر سے بڑی خرانٹ اور تجربہ کار گھریلو خادماؤں اور مزارعوں کی بیٹیوں کے ساتھ چہلیں کرنے لگتے ہیں.. اور جب ہم تک پہنچتے ہیں تو خلاص ہو چکے ہوتے ہیں.. اُنہیں عادت ہوتی ہے ناں سائیں خدمت خاطری کی.. ہر شے کی حاضری کی.. خود کچھ نہیں کرتے سب کچھ اُن کے لئے کر دیا جاتا ہے تو جب سب کچھ خود کرنا پڑتا ہے تو رہ جاتے ہیں.. "

"اور... یہ بیٹی.. "

"بھولے ہو سائیں.. وہ پھر ہنسی.. اور ہنسنے سے اُس کا چھریرا وجود لچکتا ہوا اُس میں سمٹتا گیا "اتنا بندوبست تو ہو جاتا ہے ناں... کچھ ہاتھ پاؤں مار کر... "

پھر وہ چپ ہو گئی..

بہت دیر تک اُس کے کندھے پر ماتھا ٹکائے اور آزردہ اور گمشدہ بچے کی طرح آرام کرتی رہی.. جیسے نیند میں اُتر گئی ہو...

لیمپ شیڈز کی روشنی اونچی چھت کی کڑیوں میں سائے اور نقش بناتی تھی..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



صرف ایک چابی کے گھمانے کی گرر گرر کی آواز آتی تھی اور بچی مگن تھی۔۔

"پلیز ہیلپ می۔" وہ یکدم اپنی نیند سے بیدار ہوئی۔ اُس کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں اور اُن میں تھکاوٹ اور بیزاری تھی "پلیز..."

اُس کی آواز میں اتنی رقت تھی۔۔ نارسائی کی دُکھ بھری اتنی کسک تھی کہ اُس کی آنکھیں بھی نمی سے دوچار ہوئیں' وہ حقیقت کی سطح سے نیچے اُن گہرائیوں میں اُتر گیا جہاں صرف وہ تھی۔۔ اپنی گہری سسکتی ہوئی آواز کے ساتھ۔۔ اپنے اُس سلک گاؤن میں جس کے نیچے اگر کچھ تھا تو عیب عریانی کے سوا کچھ نہ تھا۔۔

"ہم تمہیں جب بھی دیکھتے تھے تو دل پہ ہاتھ پڑتا تھا۔ تم ہمارے دل پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھو"

عیب برہنگی کے سوا دل کے راستے میں اور کوئی عیب نہ تھا۔۔

بچی نے ایک مرتبہ پھر ریل گاڑی کے پٹڑی سے اُتر جانے پر جھلا کر اُسے اُٹھایا' ایک نظر ماما کی جانب دیکھا۔ انکل کی طرف دیکھا۔۔ اور سر جھکا کر مکمل لاتعلقی سے پھر اپنے کھیل میں مشغول ہو گئی۔۔

"پلیز ہیلپ می..."

وہ اُس پر حاوی ہو گئی... خاور کے زوال پذیر بوسیدہ وجود کے باوجود اُس پر حاوی ہو گئی اور عیب برہنگی کو بھی عیب نہ رہنے دیا' عیاں کر دیا۔ کہ یہی اناالحق تھا۔۔

کشتی جیسے اُس آبی گزرگاہ کے سناٹے سے زیر ہو کر تھم گئی تھی۔۔ اگرچہ دونوں کناروں پر اُبھرے ہوئے گھنے ذخیرے آہستگی میں حرکت کر رہے تھے۔۔ اتنی خاموشی تھی۔۔ اُسے اپنے سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی۔۔

"ماماں جعفر..."

"جی سائیں۔" کشتی کے پچھلے حصے میں سے اُس کی آواز تیرتی ہوئی خاور کے کانوں میں آئی۔۔

"کشتی رُک گئی ہے؟" خاور نے پلٹ کر پوچھا اور پہلی بار اُس کی نگاہ نہر کے اُن پانیوں پر گئی جو پیچھے رہ گئے تھے اور سندھ کی وہ شاخ اب خاصی دور تھی جہاں سے وہ اس



تنگنائے میں داخل ہوئے تھے۔۔

"نہ سائیں۔" جعفر بدستور چپو تھامے کھڑا تھا "چلتی کھڑی ہے... بس اُدھر ہوا کا میل ہو گیا ہے۔۔ تو لگتا ہے کہ رُکی کھڑی ہے۔۔ مامن ماسا بتاتا ہے کہ اُس کے زمانوں میں اُدھر کسی پیر سائیں اور پانی کی عورت کا ملاپ ہوتا تھا۔ پھر وہ عورت جس کا آدھا دھڑ مچھلی کا تھا پیر سائیں کو پانی میں لے گئی۔۔ وہ کہتا تھا کہ وہ اب بھی اس نہر کی تہہ میں گھر بنائے کھڑے ہیں اور اُنہی خوشی رہتے ہیں پر وہ اُدھر سے کسی کشتی کو گزرنے نہیں دیتے۔۔ اُن کے گھر کے اوپر سے جو شے گزرتی ہے اُسے نیچے بلا لیتے ہیں۔۔ تب سارے مہانے اوپر سے پینڈا کر کے سندھ کے ملاپ کو جاتے تھے... پر ایسا نہیں سائیں۔۔ مامن ماسا تو اوپر دماک میں ہل گیا ہے اور بوٹی پی پی کر چھاوا ہو گیا ہے اس لئے ایسی باتیں کرتا ہے۔۔ میں اور سرور تو ہمیشہ اُدھر سے آتے ہیں پر کلمہ شریف پڑھ کے آتے ہیں تو ہمیں تو پیر سائیں اور اُن کی عورت کچھ نہیں کہتے۔۔ آج کچھ بات ہو گئی ہے یا لگتا ہے کہ ہو گئی ہے۔۔ بس ذرا ہولے سے آگے بڑھتی ہے۔۔ پانی میں تیرتے تنکے دیکھو تو وہ پیچھے رہتے جاتے ہیں۔۔ کنارے بھی ایک جگہ نہیں کھڑے تو کشتی چلتی ہے سائیں فکر نہ کرو۔۔ آج بھی کلمہ پڑھ کر آئے تھے۔۔"

سامنے سندھ کا چوڑا پاٹ بہت دیر سے دکھائی دے رہا تھا لیکن اتنا ہی دکھائی دیتا تھا جتنا بہت دیر پہلے دکھائی دیتا تھا' نزدیک نہ آتا تھا۔۔

"ابھی تک کوئی ڈولفن نظر نہیں آئی جعفر... شنید تھی کہ ان پانیوں میں بہت ہیں' اُدھر بسیرا کرتی ہیں۔۔"

"جی سائیں؟" جعفر کی شکل سپاٹ تھی اور اُس پر حیرانی کا ایک سیاہ رنگ تھا "کیا بولتے ہو سائیں۔۔"

"ڈولفن۔۔"

"جی سائیں؟"

"سائیں بُلھن کا پوچھتے ہیں جعفر..." فہیم سوتے میں بڑبڑایا "بُلھن..."

"ہاں آں بُلھن... وہ تو مرضی کی مالک ہے سائیں' دیدار نہیں کروانا چاہتی تو اُس کے ساتھ زبردستی کون کرے۔۔ پر ملاپ کے آس پاس ضرور دکھائی دے گی' جہاں پانی ملتے ہیں آپس میں۔۔ اُدھر سندھ کے اندر دونوں طرف سے جب لہریں آتی ہیں تو وہاں ایک

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



علاقہ بنتا ہے جہاں پانی بالکل اطمینان سے ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں جیسے ایک بڑے گھڑے میں ہوں تو اُدھر بہت مچھلی ہوتی ہے.. اور اُسے کھانے کے لئے ہلہن آتی ہے.. اُدھر دیدار کرائے گی...''

''اندھی ہوتی ہے؟''

''آنکھیں نہیں ہوتیں پر اندھی تو نہیں ہوتی سائیں... قدرت کی مرضی سے جسے دیکھنا چاہے دیکھتی ہے جسے نہ دیکھنا چاہے نہیں دیکھتی... عورت کی مانند!''

کشتی ٹھہری ہوئی لگتی تھی اگرچہ نہیں تھی..

عابدہ سومرو، غلافی آنکھوں کی مانند ایک کراس ورڈ پزل نہیں تھی جس کے تمام خانے خالی ہوں..

اُس کے خانے ہی نہیں تھے..

وہ ایک جگ سا پزل تھی.. لیکن اُس کے بہت سے ٹکڑے ملتے نہیں تھے چنانچہ لاکھ جوڑنے کے باوجود جو تصویر بنتی تھی اُس میں بے ڈھنگے خلا باقی رہ جاتے تھے.. وہ گمشدہ ٹکڑے اُس نے جان بوجھ کر اوجھل نہیں کر رکھے تھے، وہ تو کچھ بھی نہیں چھپاتی تھی.. ہر عیب کو عیاں کرتی تھی لیکن تصویر مکمل نہیں ہوتی تھی.. اور ہر ملاقات پر گفتگو کے بعد اُس جگ سا پزل کے ٹکڑوں کے نقش بدل جاتے تھے.. جو تصویر پہلے بنتی تھی ہر بار بدل جاتی تھی اور کچھ اور بن جاتی تھی..

خاور نے ایک شام جب زیرو پوائنٹ نیم تاریکی کے نرغے میں آ رہا تھا اور وہ واپس جانے کو تھے غلافی آنکھوں کو اُس کے بارے میں بتایا.. فیڈرل لاج میں جو کچھ بیتا تھا ہو بہو نہیں کہیں کہیں سے بتایا.. ایک بری طرح سنسر شدہ فلم کی طرح.. اُس کی آنکھیں دکنے لگیں اور پھر آنسوؤں سے بھر گئیں لیکن اُن کا پانی بھی دمکتا تھا.. وہ خوش لگتی تھی..

''واقعی؟''

''ہاں...''

''یہ تو کوئی انہونی سی کہانی لگتی ہے..''

''میں اگر اُسے یہ بتاؤں کہ تم اپنے آخری بیٹے کو بیاہ کر سیدھی میرے پاس آ گئی



تھی اور تمہیں میری وارڈروب کی ایک ایک شے کا علم ہے اور تم مجھے ایک کوٹھڑی میں بند رکھنا چاہتی ہو تو وہ بھی یہی کہے گی..''

''میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں..'' نہ حسد نہ رقابت' وہ ایک بچے کی طرح پُر مسرت تھی..

''مجھے ابھی خود نہیں معلوم کہ میں اُسے دوبارہ ملنا چاہتا ہوں یا نہیں..''

''نہیں نہیں خاور... یہ نہ کرو.. اُسے ضرور ملو.. پلیز پلیز..'' اُس نے بچوں کی طرح ہی سر ہلاتے ہوئے آنکھیں جھپکتے اصرار کیا..

''کیوں؟ تمہیں اس سے کیا غرض ہے' کیا دلچسپی ہے..''

''کیونکہ جو میں کہتی ہوں اُس نے اُس کی تصدیق کر دی ہے.. جو میں محسوس کرتی ہوں اُس نے اُن محسوسات پر سچائی کی مہر ثبت کر دی ہے... ایک ہسپتال میں ایک ہی نوعیت کے دو کیس آ جائیں تو معالج کو یقین آ جاتا ہے کہ یہ بیماری عام ہے.. اور وہ پوری سنجیدگی سے اُن کا علاج کر سکتا ہے.. وہ اور میں ایک ہی پاگل پن کا شکار ہیں اس لئے میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں.. مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل مجھ جیسی ہو گی..''

''نہیں تم دونوں بالکل مختلف ہو.. الگ دنیا میں ہو.. تم میں کچھ بھی مشترک نہیں.. سوائے ایک جذبے کے جس کے بارے میں میں ہمیشہ اُلجھن میں مبتلا رہتا ہوں کہ مجھے اس پر نازاں ہونا چاہیے یا میرے کردار اور میری زندگی میں کوئی ایسی کجی ہے کہ صرف ابنارمل عورتیں مجھ پر مہربان ہوتی ہیں..''

''میں تم پر مہربان نہیں ہوئی.. تم مجھ پر مہربان ہوئے ہو کہ مجھے ملنے سے انکار نہیں کیا.. ہم دونوں کا قبیلہ ایک ہے' ایک ہی نسل ہے' ہم مختلف نہیں ہیں..''

''تم ہو...''... زیرو پوائنٹ نیم تاریکی سے اندھیرے میں اُتر تا رہا ''تم مختلف ہو'' اور اُس نے فیڈرل لاج کی ملاقات میں جو کچھ بیتا تھا وہ ہو بہو بیان کر دیا... جو سنسر شدہ ٹکڑے تھے اُنہیں جوڑ کر کل کہانی سنا دی.. نہ اُسے کوئی صدمہ پہنچا اور نہ وہ برہم ہوئی اور نہ ہی کسی عیب برہنگی سے اُسے کوئی دھچکا پہنچا بلکہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ دمکنے لگی..

''اُس کے پاس مرزا صاحب نہیں ہیں ناں خدا بخش ہے جو وہ کہتی ہے کہ بخشا ہوا ہے تو تم بھی اُسے کچھ بخش دو تو تمہارا کیا جاتا ہے..''

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



عجیب نا ہنجار لیکن دل کو یکدم خوشی دینے والی عورت تھی کہ اُس میں نسوانی حسد نام کو نہ تھا اور وہ ایک اور عورت کے لئے رقابت کا جذبہ رکھنے کی بجائے اُس کی تمناؤں کی آسودگی کی سفارش کرتی تھی' وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگا اور اُس کے گرد بازو لپیٹ کر.. جیسے ترنگ میں آ کر کسی پر بہار درخت کے تنے کے گرد باہیں لپیٹ کر اُسے گرفت میں لیتے ہیں' کہنے لگا "لیکن میرے پاس تو بخشنے کے لئے بہت کچھ نہیں ہے.. ورنہ تم یہ نہ کہتی کہ میں مرزا صاحب جیسا نہیں ہوں.."

وہ اُسے پرے دھکیل کر الگ ہو گئی اور تاریکی میں بھی اُس کی شرمندگی لو دینے لگی... نیلے سویٹر کی رات کا تذکرہ اُن کے درمیان کبھی نہیں آیا تھا.. وہ دونوں زیرو پوائنٹ پر ہوتے تھے تو اُس سے بچ کر اُسے فراموش کرتے ہوئے' جیسے وہ جذبے کی دستک اُن کے رشتے کے دوران کبھی سنائی نہیں دی تھی... معمول کی باتیں کرتے رہتے تھے..

"ایسا نہ کہو... تمہارے پاس بخشنے کے لئے بہت کچھ ہے.. ایک وقتی اُبال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی.. اگر ہوتی تو میں مرزا صاحب کو ترک کر کے تم سے ملنے کے لئے اتنے جتن کیوں کرتی... بلکہ تم کیا جانو کہ میری خوشی کا انت نہیں ہے کہ میں تو صرف تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں اور وہ تمہیں برتنا بھی چاہتی ہے.. نیلا سویٹر اب تم اُسے پہنا سکتے ہو اور میں مجرم محسوس نہیں کروں گی کہ میں اجتناب کر کے تم سے زیادتی کر رہی ہوں.. وہ تو مجھ پر احسان کر رہی ہے.. میرا بوجھ اپنے سر لے رہی ہے.. تو وہ نیلے سویٹر میں اور میں اپنے پرس میں سے چابی نکال کر قفل کھول کر تمہیں اُس کوٹھڑی میں بند.. صرف دیکھتی ہوئی!"

وہ گہری نیند میں ہوتا تو اُس کا فون آ جاتا..

"ہیلو..." بھرائی ہوئی بوجھل قدرے مردانہ گہری آواز میں وہ مخاطب ہو جاتی "سائیں آپ سو تو نہیں گئے تھے؟.. ہمیں نیند نہیں آتی مرشد... کچھ ادھر بھی دھیان کرو.. ہمارے دُکھ کا بھی مداوا کرو.. ہم بیابان ہونے کو ہیں' ویران ہو رہے ہیں ہم پر برس کر ہمیں سیراب کرو.. کچھ تو کرو... ہم آپ کی مٹی ہیں اس پر پھوار پڑ جائے تو کونپلیں پھوٹیں گی سائیں.. اور ایک ایک کونپل آپ کے ناک نقشے کی گواہی دے گی.. نیند نہیں آ رہی سائیں.. مٹھی بھر سکون آور گولیاں بھی پھانکی ہیں تب بھی نیند پہلے سے بھی دور ہوتی ہے.. پرے



پرے ہو کر چلی جاتی ہے' رُوٹھ جاتی ہے.. آپ سو تو نہیں گئے تھے؟"

"نہیں..." وہ اُٹھ کر فون کا چونگا سنبھالتا سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ مار کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا لیمپ کے بٹن کو تلاش کر کے اُسے دبا دیتا..

"آپ ڈسٹرب تو ہوئے ہوں گے سائیں.. ہمیں شرمندگی ہے لیکن ہم کیا کریں.. ہم ادھر تنہا پڑے ہیں جیسے کراموبل ہوسپٹل میں تھے.. اور نیچے ہمارے لان میں... شہر میں جو بدامنی ہے اور ہر شے غارت ہوتی ہے اُس کو غارت کرنے والے بہت سے ہیں اور امن سے ہیں... خدا بخش کے بابا سائیں نے اپنے دوستوں اور حلیفوں اور مریدوں اور اُن کی گرل فرینڈز کے لئے ایک پارٹی دے رکھی ہے اور وہ سب کے سب ڈرنک ہیں.. اور کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ وہ کس کے ساتھ آیا تھا اور اب کس کے ساتھ محو ہے.. لان بہت بڑا ہے ناں سائیں تو اُس میں جھاڑیاں بھی بہت ہیں تو اُن کی اوٹ میں اُنہیں شکلیں تو دکھائی نہیں دیتیں کہ کس کی ہیں.. ابھی تو ابتدا ہو رہی ہے.. بیڈ روم بھی تیار ہیں.. لیکن ابھی جھاڑیاں ہیں..."

"تم سونے کی کوشش کرو... صبح ہو گی تو پھر بات کریں گے"

"صبح نہیں ہو گی سائیں.." اُس کی بھرائی ہوئی آواز ہچکیوں میں بدل گئی "میں بھی اس پارٹی میں تھی اور میں نے ایک زرد رنگ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی.. اور تمہیں پتہ ہے کہ بابا سائیں نے میرے ساتھ کیا کیا... تمہیں نہیں پتہ.."

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"سائیں آپ تو جیسے معصوم خود ہیں ویسے ایک معصوم دنیا میں رہتے ہیں.. آپ کو کیا خبر کہ اس... ہماری دنیا میں کیا ہوتا ہے.. یہی ہوتا ہے اور کوئی اعتراض نہیں کرتا.. بابا سائیں تعویز گنڈا بھی کرتے ہیں' مذہب کے شیدائی اور جانثار بھی ہیں اور سیاست بھی کرتے ہیں اور وہ کچھ بھی کرتے ہیں جو اُنہوں نے آج میرے ساتھ کیا.. میری زرد ساڑھی کے ساتھ کیا.. سن رہے ہو سائیں.."

"ہاں..."

"تو میں نے خدا بخش سے شکایت کی.. میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں سوبر تھی.. بہت تھوڑا خمار تھا باقیوں کی نسبت تو میں بہت ہوش میں تھی جب میں نے شکایت کی.." ہچکیوں میں اتنی شدت تھی کہ خاور نے بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پایا "اور تمہیں پتہ ہے مرشد کہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



اُس نے مجھے مارا... ہاں.. ہی سلیپڈ می رائٹ اِن فرنٹ آف ایوری باڈی.. اور پھر مجھے اِس کمرے میں بند کر کے باہر سے تالہ لگا دیا.. ذرا سنو میں ہاتھ بڑھا کر فون ذرا کھڑکی سے باہر کرتی ہوں... کیا تمہیں اس پارٹی کی آوازیں آرہی ہیں..."

کراچی کی سمندری ہوا کی سرسراہٹ.. مدھم موسیقی.. آوازوں کا دبا دبا شور.. کبھی کبھار کوئی قہقہہ..

"سائیں آپ ہمیں بچالو..." وہ بہت خوفزدہ اور سراسیمہ سنائی دیتی تھی..

"تم نے اُس کے ساتھ شادی کیوں کی تھی؟"

"نادان تھے سائیں.. وہ پاؤں پڑ کر رو رو کر اُنہیں گیلا کر دیتا تھا سائیں.. ہم ترس کھا گئے.. اور جب میرے بابا کو خبر ہوئی کہ اُدھر ہارورڈ میں سائیں بادشاہ کا بیٹا خدا بخش میری بیٹی عابدہ میں دلچسپی لیتا ہے تو وہ خود اُن کے علاقہ میں پہنچ گیا... بیٹی والے تو کبھی رشتے کے لئے نہیں جاتے پر وڈیرے ایسی روایت کو اُلجھن نہیں بناتے جو اُنہیں اس سے بھی بڑا اور طاقتور وڈیرہ بنا سکتی ہو. وہ خود سائیں بادشاہ کے پاس چلا گیا اور.. مجھے فروخت کر دیا... اُس کی بیٹی بڑے سائیں کے گھر میں ہو یہ کوئی معمولی بات تھی.."

"لیکن فیصلہ تو تمہارا تھا.. آکسفورڈ اور ہارورڈ نے بھی تمہیں انکار کر دینے کی ہمت نہ دی.."

"معصوم دنیا کے باسی ہو ناں سائیں اس لئے ایسے سوال کرتے ہو... تمہیں کاراکیری کا کچھ اتہ پتہ تو ہوگا.. لیکن کچھ قصور ہمارا ہے.. ہم نے بتایا ہے کہ ہمیں اُس پر ترس آگیا.. پھر ہمارا بابا سائیں اُن کے در پر جا حاضر ہوا تو انکار کی گنجائش نہ رہی... ہم قصوروار تو ہیں پر ہم سے نادانی ہو گئی.. ہمیں معاف کر دو... ہمیں بچالو..."

بہت مدھم آوازیں.. کبھی اُس کی سرگوشیاں سنائی دیتیں اور کبھی صرف گمان ہوتا کہ کوئی آواز ہے جو جانے کیا کہتی ہے.... وہ گھنٹوں باتیں کرتی رہتی جیسے اُس کے ٹیلی فون کے چونگے میں رہائش پذیر ہو.. خاور کا وہ کان دُکھنے کو آتا.. اُس کی لویں اتنی دیر تک دبی رہتیں کہ اُن میں ٹیسیں اُٹھنے لگتیں.. اور وہ کروٹ بدل کر رسیور کو دوسرے کان سے لگا دیتا... پھر کچھ دیر بعد وہ بھی دوہرا ہو جاتا اور دُکھنے لگتا تو وہ رسیور کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیتا اور وہاں سے بھی اُس کی بوجھل اور بھاری اور نیم خوابیدہ آواز بیڈروم کے سناٹے میں سنائی دیتی رہتی... ایک



لامتناہی بے اختیار اور بے بس تسلسل کے ساتھ وہ باتیں کرتی چلی جاتی یہ پرواہ کئے بغیر کہ دوسرے سرے پر اُسے کوئی سن بھی رہا ہے یا نہیں..

کبھی وہ کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو وہ اٹکتی ہوئی رُک جاتی جیسے کسی نے اُسے ایک خواب میں ٹوک دیا ہو.. اور وہ چونک کر کہتی "جی سائیں؟"

جیسے وہ ایک بیان دے رہی ہو.. اقرار کر رہی ہو.. اور اُسے کچھ غرض نہ ہو کہ سامنے کون ہے.. وہ سن بھی رہا ہے یا نہیں... وہ بولتی چلی جاتی..

وہ کبھی یہ نہ کہتی کہ میں اپنے خاوند سے الگ ہونا چاہتی ہوں... میں اُسے ناپسند کرتی ہوں اور اُس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں.. صرف یہی کوکتی اور بھرائی ہوئی ناآسودہ آواز میں کوکتی کہ... سائیں ہمیں بچالو..

جیسے اڈولف ہٹلر کے عہد میں آدھی رات کے وقت کسی یہودی کے دروازے پر دستک ہوتی تھی تو وہ جان جاتا تھا کہ اس لمحے یہ مرگ بلاوا ہی ہو سکتا ہے اور وہ خوفزدہ ہو جاتا تھا اسی طور اُس کا فون بھی ہمیشہ نصف شب کے بعد دستک دیتا اور وہ ڈر جاتا..

کبھی اُسے شک ہوتا کہ جو کچھ وہ بیان کرتی ہے وہ سکون آور گولیوں کے زیرِ اثر نیند اور اونگھ میں اپنے آپ سے ماورا ہو کر بیان کرتی ہے.. اور کبھی وہ اپنے آپ پر لعنت بھیجتا کہ اُس نے ایسا کیوں سوچا کہ اُس کی پکار میں دُکھ اور سچائی کے سوا کچھ نہ تھا.. کوئی فریب کوئی دھوکا نہ تھا..

لیکن ہمیشہ جب وہ رسیور اُٹھاتا تو اُس کے پہلے "ہیلو" کو سن کر وہ نارمل نہ رہتا' ڈر جاتا..

اُس "ہیلو" میں ایک گھٹتا ہوا نشہ اور مرنے والے کی آخری سانس کا ہوکا ہوتا..

اُس کے اندر عابدہ سومرو کے لچکیلے وجود میں بہر طور کہیں نہ کہیں وہ سچائی تھی جو بعید از قیاس تھی.. ایک ایسے بھید میں پوشیدہ تھی جس کی تہہ تک وہ پہنچ نہیں پا رہا تھا..

عابدہ سومرو اور غلافی آنکھیں پہلو بہ پہلو چل رہی تھیں..

آنکھوں کو علم تھا کہ وہ بھی رقیب ہے پر وہ اُس کی آمد سے دُکتی تھی' بجھتی نہ تھی..

اور عابدہ اپنے درد وچھوڑے کا حال اتنے تسلسل کے ساتھ بیان کرتی تھی کہ اُس میں غلافی آنکھوں کی موجودگی کا اقرار کرنا ممکن نہ تھا..

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



وہ اپنی غلافی آنکھوں سمیت اُس کی حیات کے کھیت میں آنسو بہاتی تھی اور عابدہ لاپرواہ ایک ٹیلی فون لائن پر سسکتی اپنے دُکھڑے بیان کرتی تھی..

"تم اُس سے ملو... وہ ایک دکھی عورت ہے.. اُس کے لئے کچھ کرو.. جو وہ کہتی ہے وہ کرو... وہ میری ہمزاد ہے"... نہ رقابت اور نہ جلن... وہ عابدہ کو جتنا بھی جانتا تھا اُسے بہرحال یہ احساس ضرور ہو گیا تھا کہ وہ کسی اور عورت کے حوالے پر بھڑک بھی سکتی ہے.. بھک سے اڑ سکتی ہے اور کچھ بعید نہ تھا کہ تشدد پر بھی اتر آئے کیونکہ اُس میں کچھ علامتیں تھیں.. لیکن غلافی آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا نہ رقابت' نہ جلن!

عابدہ سومرو باقاعدگی سے اُسکے ساتھ رابطہ نہ رکھتی تھی' کئی کئی دن اُدھر سے خاموشی رہتی اور پھر یکدم وہ نصف شب کے بعد ٹیلی فون پر نمودار ہو جاتی.. ایک طویل وقفے کے بعد گئی رات اُس کا فون آگیا..

"ہیلو..." وہی بھاری نیند میں ڈوبی نشہ آور آواز "سائیں آپ سو تو نہیں گئے تھے؟"

"نہیں..... بہت دنوں کے بعد فون کر رہی ہو... کیسی ہو؟"

"شہلا آفریدی از ڈیڈ.... سائیں شہلا مر گئی ہے.." اُس نے صرف اتنا کہا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی "وہ میری بہترین دوست تھی سائیں.. وہ مر گئی سائیں مر گئی..." اور پھر اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ بول نہ پائی.. بچوں کی طرح بلکتی رہی..

ہمدردی اور اُس کے لئے دُکھ کے آثار خاور کے ماتھے کی سلوٹوں میں نمایاں ہونے لگے.. اُس پر اتنا اثر ہوا کہ جواب میں فوری طور پر کچھ بھی نہ کہہ سکا.. اور کہنے کو بھی کچھ نہ تھا وہ شہلا آفریدی سے واقف ہی نہ تھا اور نہ یہ اس کے علم میں تھا کہ وہ اُس کی بہترین دوست تھی.. وہ سوائے خدا بخش اور بابا سائیں کے اپنے کسی قرابت دار کسی دوست کے بارے میں کبھی کچھ نہ کہتی' اپنی بیٹی کے بارے میں بھی صرف اُس کے استفسار پر کچھ بتا دیتی... اُس نے عابدہ کو پر سکون کرنے کے لئے اپنے تئیں بہترین لفظوں کا چناؤ کیا... اُس کے غم میں کسی حد تک شریک ہونے کا اقرار کیا لیکن وہ نہیں سن رہی تھی' صرف ہچکیاں لے رہی تھی اور درمیان میں یکدم اونچی آواز میں رونے لگتی..

خاور بستر سے اُٹھا اور ٹیلی فون تھامے ہوئے سامنے صوفے پر جا بیٹھا..



"یہ کیسے ہوا عابدہ؟"

"میں ذمے دار ہوں خاور.. میں کلپرٹ ہوں اُسے میں نے ہلاک کیا ہے.." وہ شاید اپنے بال نوچ رہی تھی کہ اُس کے رونے میں یکدم اذیت کی کوئی سسکی بھی در آتی.. وہ بین کرتی رہی "میں نے اُسے مار دیا ہے اپنی بہترین دوست کو.. میں سکم آف ارتھ ہوں.. میں بہت بری ہوں.. میں نہ اُسے ڈیزرو کرتی تھی اور نہ تمہیں.. میں ڈائن ہوں اُسے کھا گئی ہوں.."

"پلیز گیٹ ہولڈ آف یور سیلف عابدہ.. پلیز.. مجھے بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے.. پلیز.."

وہ کچھ سنبھل گئی اور ہولے ہولے بولنے لگی "میں نے اُسے فون پر کہا کہ میں بہت تنہا ہوں آج کی شام تم میرے ساتھ گزارو.. اور اُسے بہت تیز بخار تھا' اُٹھ نہیں سکتی تھی بستر سے.. اور میں نے سمجھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے یا اُس کی کوئی اور اپائنٹمنٹ ہے اور بہانے بنا رہی ہے تو میں نے بہت اصرار کیا... اُسے عجیب عجیب قسمیں دے کر مجبور کیا تو وہ بخار میں پھنکتی ہوئی آگئی.. وہ بہت کمزور تھی اور اُس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور میں اپنی حماقت پر بہت پچھتائی اور میں نے معافیاں مانگتے ہوئے اُسے گھر واپس چلے جانے کو کہا لیکن وہ نہیں مانی.. ہنستی رہی.. کہتی رہی کہ اب تمہیں میری دوستی کا یقین آگیا.. گھر جا کر بھی بستر پر لیٹی رہوں گی.. تم مجھ سے باتیں کرو میرا دل لگا رہے گا.. سائیں میں نے بھی آج تک کسی سے تمہارا ذکر نہیں کیا تھا' شہلا سے بھی نہیں اور میرے دل پر بہت بوجھ تھا' میں نے اُسے تمہارے بارے میں بتایا' تفصیل سے بتایا.. سب کچھ بتایا تو وہ بہت ناراض ہوئی' مجھے لعن طعن کرنے لگی کہ عابدہ ہوش کرو وہ تم سے عمر میں کہیں بڑا ہے' عمر رسیدہ شخص ہے یہ تم کیا کر رہی ہو.. اگر خدا بخش کو علم ہو گیا تو وہ تمہارے ساتھ اُسے بھی ختم کر دے گا.. اُس نے مجھے بہت ڈانٹا سائیں کہ یہ سلسلہ فوری طور پر بند کر دو.. اور میں ہنستی رہی کہ یہ تو مرشد اور مرید کا رشتہ ہے ایک مرد اور ایک عورت کا نہیں لیکن اُس کی ناراضگی کم نہ ہوئی... وہ بہت تھوڑی دیر میرے ساتھ رہی اور پھر اُس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اُسے چکر آنے لگے.. میں نے بہتیرا کہا کہ میں تمہیں گھر چھوڑ آتی ہوں.. کسی ڈرائیور کو بھیج دیتی ہوں لیکن وہ کہنے لگی میں نے اپنی ماں کو یہ نہیں بتایا کہ میں تمہارے ہاں آرہی ہوں اور تم جانتی ہو کہ وہ تمہیں پسند نہیں کرتیں اس لئے میں چلی جاؤں گی... میں اُسے رخصت کر کے واپس اپنے بیڈروم میں آئی ہوں... ٹیلی ویژن پر خبریں دیکھی ہیں اور پھر لیٹ گئی ہوں تو فون آگیا.." وہ پھر بے قابو ہو گئی.. دیر تک

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]



غزہ بلیوں کی طرح روتی رہی.. وہ اُسے دلاسے دیتا رہا مگر وہ اُن سے بے نیاز اپنے آپ میں گم روتی رہی... اور پھر تھک گئی اور چپ ہو گئی..

"پھر کیا ہوا عابدہ؟" وہ چاہتا تھا کہ اُس کے بدن میں اُبلتا اُبال دیگچی کے کناروں سے باہر آکر ٹھنڈا ہو جائے اور وہ بہتر محسوس کرنے لگے..

"تم سننا چاہتے ہو؟"

"ہاں..." اُس نے چونگا دوسرے کان سے لگالیا "ہاں میں سننا چاہتا ہوں"

"فون جناح ہاسپٹل سے آیا تھا.. کہ میرے گھر سے نکلتے ہی اُس کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ایک واٹر ٹینکر کے ساتھ اور وہ بری طرح کچلی گئی تھی.. اور بار بار میرا نام لے رہی تھی.. اور خاور جب میں وہاں پہنچی ہوں تو وہ اکڑی ہوئی تھی اور اُس کا کچلا ہوا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا.. صرف اُس کے ڈائمنڈ کے بُندے تھے جو خون آلود کانوں میں چمکتے تھے.. تم سن رہے ہو خاور... وہ اکڑی ہوئی تھی ایک لاش کی طرح.. بلکہ وہ ایک لاش بن چکی تھی میرے پہنچنے سے پہلے مر چکی تھی... میں نے اُسے اپنے ساتھ لپٹا کر بہت پیار کیا تو وہ بہت سرد بہت ٹھنڈی تھی جیسے ڈیپ فریزر میں رکھی سبزیاں ہوتی ہیں.. شی واز ڈیڈ... یہ میرا قصور ہے خاور کہ وہ اب ڈیپ فریزر میں رکھی ہوئی سبزی کی طرح سرد ہو گئی ہے..."

"تم اب آرام کرو عابدہ.. کوشش کرو سونے کی.. سلیپنگ پلز لے لو..."

"میرے ماتھے پر ابھی تک اُس کا خون ہے سائیں جب میں نے اُسے اپنے ساتھ لپٹایا تھا اور جہاں اُس کے گال تھے اُس خون کی دلدل کو چوما تھا.. میں نے اُسے مار ڈالا ہے سائیں.." اُس کی آواز بیٹھتی جاتی تھی اور اُسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی..

"ہمیں کسی بھی تعین پہ اختیار نہیں عابدہ..." ایک عرصے کے بعد اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے آشنا ہوئیں "ہم بے بس ہیں اُس کی رضا کے آگے.. اُس کی مرضی کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے.. نہ جھکائیں تو اور کیا کریں.. تم آرام کرنے کی کوشش کرو.. پلیز.. میرے لئے.. تمہیں پتہ ہے ناں کہ مجھے بھی تمہاری بہت ضرورت ہے.. پلیز.."

"میں کل اُس کے جنازے پر نہیں جا سکتی سائیں..." اُس کی ہچکیاں تھمنے میں نہ آتی تھیں..

"نہ جاؤ.. بالکل نہ جاؤ.. تم اپنے آپ کو بیمار کر لوگی.. آرام کرو..."



خاور نے فون رکھا تو اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ نکلیں..

کشتی تھمی ہوئی لگتی تھی.. سناٹے کے سحر کی گرفت میں تھی لیکن آس پاس کے سروٹ پیچھے رہتے جاتے تھے..

"تم اپنے لئے کونسا سینٹ یا یوڈی کلون استعمال کرتے ہو؟" اُس نے ایک مرتبہ پوچھا تھا..

"میں نے آج تک سوائے آفٹر شیو لوشن کے.. کبھی کچھ بھی استعمال نہیں کیا.... میں ان چیزوں کا شوقین نہیں ہوں"

"ہوں... تمہیں ضرورت بھی نہیں.. تمہارے جسم میں جو مہک ہے وہ کسی بھی فرنچ پرفیومری میں مینوفیکچر نہیں ہو سکتی..."

اگلے روز ایک بڑا پارسل اُس کے دروازے کی چوکھٹ پر پڑا تھا اور اُس میں ڈھیروں نہایت قیمتی یوڈی کولون اور آفٹر شیو تھے.. کول واٹرز.. جاز اور پتہ نہیں کیا کیا.. سینٹ مائیکل کی بنیانیں اور انڈر ویئر تھے..

سروٹوں کے ذخیرے میں سے ابھی تک کسی پرندے کی کوک سنائی نہیں دی تھی مگر اُس لمحے کشتی کے اُوپر سے چار مرغابیاں اپنے پروں کی شوکر سناتی گزر گئیں.. حالانکہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہ تھا..

"ہیلو..."

"جی..."

"سائیں ہم حاضر ہو گئے ہیں... اِذنِ باریابی کب ہو گا؟"

وہ پھر اسلام آباد میں تھی..

وہ شہر بے مراد اپنی مردنی اور بے نوری میں گم تھا.. فیڈرل لاج کی فیملی سویٹ نمبر 19 کی کھڑکی پر وہ مردنی دستک دیتی تھی اور اُس کے اندر گھٹے گھرے اور دھنستے ہوئے